هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بیان القرآن

6

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات

مرتبہ

حافظ خالد محمود خضر

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

از

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

BOOK FAIR

ONLINE BOOK STORE

BOOK FAIR PUBLISHER

176, Basement, Ali Market,

Opp. Bible Society, New Anarkali,

Lahore - Pakistan. Cell: 0309 5005471

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ

جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن و دین حق ٹرسٹ محفوظ ہیں

بیان القرآن کا یہ ایڈیشن Book Fair Publisher نے
ناشر سے تحریری اجازت حاصل کر کے شائع کیا ہے

نام کتاب : بیان القرآن (7 جلدیں)

از : ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت : 2020ء

مرتبین : حافظ خالد محمود خضر
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

شائع کردہ : سیّد حذیفہ حسن ہاشمی

اہتمام : معاذ ہاشمی / زاہد محمود شیخ

مطبع : مشتاق اے پریس / النقش مبین

سرورق : خواجہ افضل کمال

تزئین و آرائش : آرٹ ورکس انٹرنیشنل

ہدیہ مکمل سیٹ :

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں، ان کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زرِ کثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے مصداق بن جائیں۔ جزاکُمُ اللّٰہُ تعالیٰ جزاءً جمیلاً جزیلاً

والسلام
مفتی عاصم زبیر ہاشمی
محکمہ جیل خانہ جات حکومت پنجاب

حُسنِ ترتیب

سُورَۃُ الۡاَحۡزَابِ	5
سُورَۃُ سَبَاٍ	61
سُورَۃُ فَاطِرٍ	87
سُورَۃُ یٰسٓ	109
سُورَۃُ الصّٰٓفّٰتِ	133
سُورَۃُ صٓ	167
سُورَۃُ الزُّمَرِ	195
سُورَۃُ الۡمُؤۡمِنِ	235
سُورَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃِ	271
سُورَۃُ الشُّوۡرٰی	303
سُورَۃُ الزُّخۡرُفِ	338
سُورَۃُ الدُّخَانِ	362
سُورَۃُ الۡجَاثِیَۃِ	373
سُورَۃُ الۡاَحۡقَافِ	391
سُورَۃُ مُحَمَّدٍ	413
سُورَۃُ الۡفَتۡحِ	437
سُورَۃُ الۡحُجُرٰتِ	463

عرضِ ناشر

مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر و ترجمہ قرآن "بیان القرآن" کا سات جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ حاضر خدمت ہے۔ مرکزی انجمن "خدام القرآن" لاہور کے بعد بک فیئر پبلشرز اس اعزاز اور سعادت کو حاصل کرنے والا پہلا ادارہ ہے۔

قرآن حکیم فرقانِ حمید تمام علوم کا سرچشمہ اور بصائر و حکم کا خزینہ ہے۔ اس کے تمام علوم کا احاطہ کرنا کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق شمار کرنے والے شمار کرتے ہیں تو بقول ایک بزرگ کے، اس کتاب میں 70 ہزار علوم ہیں۔ علم تفسیر فی الحقیقت قرآن کے بے شمار علوم کا ایک جزو اور حصّہ ہے لیکن یہ ایک علم بھی اپنے دامن میں بہت سے علوم سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ علوم صحیح تفسیر کرنے کے لئے ضروری ہیں یا یوں کہئے کہ تفسیر کے تقاضوں کے تحت پیدا ہوتے ہیں مثلاً علم آیاتِ متشابہات، شانِ نزول، اسماء قرآں و سور، ضمائر، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، امثال القرآن، اعلام القرآن، ارض القرآن وغیرہ۔

تفسیر کا مادہ ف، س، ر (فسر) ہے اور اس مادہ سے جو الفاظ بنتے ہیں، ان میں بالعموم شرح و ایضاح کے معنی شامل ہوتے ہیں چنانچہ فَسَّرَ (ماضی) کے مصدری معنی ہیں: "واضح کرنا، تشریح کرنا، مراد بتانا، پردہ ہٹانا" فَسَّرَ الاَمر کے معنی ہوں گے معاملہ کی وضاحت کرنا، مراد بتانا۔ اسی سے تفسیر ہے کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تفسیر "فَسَّرَ" سے باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی عبارت کے مطلب کو واضح کرنے یا کلام کے معنی بیان کرنے کے ہیں۔ تفسیر کی سیدھی سی تعریف یہ ہے کہ وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی کتاب قرآن حکیم جو اس کے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، اس علم کے ذریعہ قرآن کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج معلوم کیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں لغت، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اس میں شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بیان کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کئی دہائیوں تک علم حاصل کیا، انتہائی شدت کے ساتھ قرآن پر غور و فکر کیا اور پھر اسے احسن طریقے کے ساتھ "جدید ذہن" تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے تمام ہو جانے تک جدوجہد کی۔ ان کے جذبے کی شدت و اخلاص اور اللہ کے دین کے ساتھ لگاؤ نے ان کو اللہ کی مخلوق میں قبولیت و مقبولیت عطا کی، یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز کے مفسرین قرآن میں ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند اور بااثر ہے جس کی گواہی سوشل میڈیا کے اعداد و شمار سے بھی ملتی ہے۔ تقریباً سات لاکھ افراد روزانہ ان کے "حلقہ" میں شامل ہو رہے ہیں۔

میں بے حد شکر گزار ہوں، مرکزی انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کا، اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تمام وارثین کا جنہوں نے ہمیں بیان القرآن شائع کرنے کی اجازت دی۔

میں اپنے والد معاذ ہاشمی، والدہ عائشہ حسن، دعا پبلی کیشنز کے روحِ رواں شیخ زاہد محمود، عظیم احمد، مفتی عاصم زبیر ہاشمی، محترم مولانا عرفان صاحب (مرغزار کالونی)، اور برادرانِ اصغر حافظ عبدالحنان ہاشمی اور خضر حسن ہاشمی اور پاک فوج کے نوجوان افسر عبداللہ ہاشمی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی مدد و اعانت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور ان کی دعاؤں کی بدولت "بک فیئر" اس سعادت سے بہرہ مند ہوا۔ والسلام

حذیفہ حسن ہاشمی

بک فیئر پبلشر علی پلازہ، نیو انارکلی بازار لاہور

بیان القرآن

سُورَۃُ الاَحْزَاب

(۳۳)

سُورۃُ الاَحزَاب

تمہیدی کلمات

سورۃ الاحزاب ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ سورۃ النّور کے تعارف کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے‘ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے ان دونوں میں ایک خاص مناسبت یہ بھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروپ کے آخر کی واحد مدنی سورت ہے۔ پچھلے گروپ کی چودہ مکی سورتوں (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) کے آخر میں سورۃ النور ہے جبکہ زیر مطالعہ گروپ کی آٹھ مکی سورتوں (سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ) کے آخر میں سورۃ الاحزاب۔

سورۃ النور ۶ ہجری میں یعنی سورۃ الاحزاب کے ایک سال بعد نازل ہوئی اور یہی زمانی ترتیب ان دونوں سورتوں کے مضامین میں بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً پردے سے متعلق ابتدائی احکام سورۃ الاحزاب میں ہیں۔ ان میں عورت کے لیے گھر سے باہر کے پردے اور دوسروں کے گھروں میں نامحرم مَردوں کے داخلے پر پابندی سے متعلق ہدایات شامل ہیں۔ لیکن گھر کے اندر رہتے ہوئے عورت کے لباس اور ستر سے متعلق احکام اور اس سلسلے میں محرم مردوں کے بارے میں تفصیلات سورۃ النور میں دی گئی ہیں۔ (گھر کے اندرونی ماحول میں عورتوں کے پردے سے متعلق احکام کا عکس کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے معاشرے میں عملی طور پر بھی نظر آتا تھا۔ گھروں کے مردانہ اور زنانہ حصے الگ الگ بنائے جاتے تھے۔ درمیان میں ڈیوڑھی ہوتی تھی جو دونوں حصوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مہمان اگر کوئی نامحرم مرد ہوتا تو وہ گھر کے اندر داخل ہونے کے بجائے مردانہ حصے میں ہی ٹھہرتا تھا‘ جبکہ محرم افراد گھر کے اندر جا سکتے تھے)۔ اسی طرح سورۃ النور میں خلافت کے قیام کی خوشخبری دی گئی ہے‘ جبکہ خلافت کے قیام کی تمہیدی جدّوجُہد کے اہم موڑ (turning point) کی حیثیت سے غزوۂ احزاب کا ذکر سورۃ الاحزاب میں آیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۳۵ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ کے مضامین کا باہمی ربط بھی ان دونوں سورتوں کی مشابہت کی نشاندہی کرتا ہے جس کا ذکر سورۃ النور کے مطالعہ کے دوران میں ہو چکا ہے۔

ابتدائی آیات میں مضامین کی ترتیب کے حوالے سے اس سورت کا اسلوب سورۃ التوبہ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دراصل قرآن کا ایک اہم اسلوب ہے جس کے تحت کسی اہم مضمون یا موضوع کو آیات کی ترتیب بدل کر اہم خبر (head line) کے طور پر پہلے بیان کر دیا جاتا ہے‘ جبکہ اس مضمون کی تفصیل بعد میں بیان کی جاتی ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ الانفال کا آغاز جس مضمون سے ہوا ہے اسے صرف ایک آیت کے بعد ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعد میں اس مضمون کی وضاحت سورت کے وسط (آیت ۴۱) میں آئی ہے۔

بہر حال اس خصوصی اسلوب کے حوالے سے سورۃ التوبہ اور سورۃ الاحزاب میں بہت مماثلت پائی جاتی

ہے۔ سورۃ التوبہ کا آغاز ایک بہت اہم اعلان اور مضمون سے ہوا ہے' لیکن اس کے بعد ترتیب میں دوسرے اور تیسرے رکوع کی وہ آیات آ گئی ہیں جو ایک سال قبل نازل ہوئی تھیں اور پھر ان آیات کے بعد پہلے رکوع کے مضمون کا سلسلہ چوتھے رکوع کے ساتھ جا کر ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ الاحزاب کے آغاز میں بھی ایک اہم مضمون کا ذکر آیا ہے لیکن چند ابتدائی آیات کے بعد یہ موضوع بدل گیا ہے۔ یہ اہم مضمون جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے وہ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے معاملے اور حضور ﷺ کے ساتھ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق ہے۔ لیکن ابتدائی آیات میں اس مضمون کی head line کے طور پر صرف منہ بولے بیٹے کی قانونی اور شرعی حیثیت کے بارے میں حکم دے کر اس موضوع کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر آ گیا ہے جبکہ پہلے رکوع کے مضمون کا ربط بعد میں چوتھے رکوع سے جا کر ملا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

آیات ۱ تا ۸

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الّٰٓیِٴْ تُظٰہِرُوْنَ مِنْہُنَّ اُمَّہٰتِکُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاہِکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ ہُوَ یَہْدِی السَّبِیْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْہُمْ لِاٰبَآئِہِمْ ہُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَہُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْکُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ ۙ وَ لٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُہٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَہُمْ وَ مِنْکَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰہِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْہُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِہِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾ ع ۸ / ۱۷

آیت ۱ ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اللہ کا تقویٰ

اختیار کیجیے اور کافرین ومنافقین کی باتیں نہ مانیے۔“

جس طرح لفظ امو میں ”حکم“ کے ساتھ ساتھ ”مشورہ“ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں‘ اسی طرح ”اطاعت“ کے معنی حکم ماننے کے بھی ہیں اور کسی کی بات پر توجہ اور دھیان دینے کے بھی۔ چنانچہ یہاں وَلَا تُطِعِ کے الفاظ میں نبی مکرم ﷺ کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ آپؐ ان لوگوں کی باتوں پر دھیان مت دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ①﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا‘ کمال حکمت والا ہے۔“

آیت ۲ ﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ ”اور آپؐ پیروی کیجیے اُس (ہدایت) کی جو آپؐ کی طرف وحی کی جا رہی ہے آپؐ کے رب کی جانب سے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ②﴾ ”یقیناً اللہ اُن سب باتوں سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

آیت ۳ ﴿وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③﴾ ”اور آپؐ اللہ پر توکّل کیجیے۔ اور اللہ کافی ہے توکّل کے لیے۔“

یعنی آپؐ کو لوگوں کی طرف سے منفی پراپیگنڈے کا جو اندیشہ ہے اسے نظر انداز کر دیجیے اور اللہ پر توکّل اور بھروسہ کیجیے جس کا سہارا آپؐ کے لیے کافی ہے۔

آیت ۴ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ﴾ ”اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دِل نہیں رکھے۔“

جوف کے معنی خالی جگہ کے ہیں اور یہاں اس سے سینے کا اندرونی حصہ (chest cavity) مراد ہے جس کے بائیں جانب دل ہوتا ہے۔ یعنی ہر انسان کے سینے میں اللہ نے ایک ہی دل رکھا ہے۔ اور اگر محاورۃً یوں کہا جائے کہ فلاں اور فلاں کے دل یکجا ہو گئے ہیں یا فلاں کا دل فلاں کے دل سے مل گیا ہے تو محض اس طرح کہہ دینے سے کسی کے سینے کے اندر حقیقت میں دو دل نہیں ہو جاتے۔ چنانچہ جس طرح یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے‘ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی شخص کی دو مائیں نہیں ہوتیں۔ کسی شخص کی ماں صرف وہی ہے جس نے اسے جنم دیا اور کسی انسان کا باپ صرف وہی ہے جس کے صُلب سے وہ پیدا ہوا۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ ”اور نہ اس نے تمہاری ان بیویوں کو تمہاری مائیں بنایا ہے جن سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو۔“

”ظِہار“ عرب کے دورِ جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو کر کبھی یوں کہہ دیتا کہ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ (اب تو میرے اوپر اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے) تو اب اسے طلاقِ مغلّظ در مغلّظ شمار کیا جاتا اور اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ یہاں اس خود ساختہ تصور کی نفی کر دی گئی کہ تم میں سے کسی کے اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے یا ماں کے ساتھ تشبیہہ دے دینے سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ ”ظہار“ کے بارے میں واضح احکام سورۃ المجادلہ (پارہ ۲۸) کی ابتدائی آیات میں دیے گئے ہیں۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ﴾ ”اور نہ ہی اس نے تمہارے مُنہ بولے بیٹوں کو تمہارے

بیٹے بنایا ہے۔“

﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ﴾ ”یہ سب تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری ان خودساختہ باتوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ کسی کی ماں صرف وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے اور کسی شخص کا بیٹا بھی صرف وہی ہے جو اس کے صُلب سے پیدا ہوا۔ فقط کسی کے کہہ دینے سے کوئی عورت کسی کی ماں نہیں بن جاتی اور کسی کے زبانی دعویٰ سے کوئی کسی کا بیٹا نہیں بن جاتا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴﴾ ”اور اللہ حق کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔“

آیت ۵ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ”(لہٰذا) انہیں پکارا کرو ان کے باپوں کی نسبت سے‘ یہ زیادہ مبنی بر انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔“

اس واضح حکم کے بعد کسی کی ولدیت تبدیل کرنا حرامِ مطلق ہے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زیدؓ بن محمدؐ کے بجائے زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ کسی وجہ سے کسی کا بچہ لے کر پالتے ہیں تو اس کی ولدیت کی جگہ اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب بڑے ہو کر بچے کو پتا چلے گا کہ وہ اس کے والدین نہیں تو اسے ذہنی طور پر شدید دھچکا لگے گا جو اس کے لیے بہت سے نفسیاتی مسائل کا باعث بنے گا۔ لیکن ایسا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ﴾ ”اور اگر تمہیں ان کے باپوں کے بارے میں پتا نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔“

کسی وجہ سے یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بچے کی ولدیت کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ جیسے پاک بھارت تقسیم کے دوران اس طرح کے واقعات ہوئے کہ مہاجرین کی ایک ٹرین میں سب لوگ مارے گئے اور کوئی بچہ زندہ بچ گیا۔ بعد میں کسی نے اس بچے کو پال لیا‘ لیکن اس کے والدین کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ﴾ ”اور اس معاملے میں تم سے جو خطا ہوئی ہے اُس پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں“

یعنی اس حکم سے پہلے اس سلسلے میں اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اللہ کے ہاں اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔

﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ﴾ ”لیکن تم لوگ جو کچھ اپنے دلوں کے ارادے سے کرو گے (اس کا ضرور احتساب ہوگا)۔“

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵﴾ ”اور اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۶ ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ”یقیناً نبیؐ کا حق مؤمنوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ ہے“

تمام اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضور ﷺ کی جان کی فکر کریں اور آپؐ کو اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر محبوب رکھیں۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان صحیحین میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ نقل ہوا ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۱)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے باپ' اُس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

﴿وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ؕ﴾ ''اور نبیؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

یہاں پر اس فقرے سے پہلے ''وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ'' کے الفاظ کو محذوف سمجھا جانا چاہیے' یعنی حضور ﷺ مؤمنوں کے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ اس سلسلے میں آپؐ کا فرمان بھی ہے کہ: ((اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ)) (۲) یعنی تم سب کے لیے میری حیثیت والد کی سی ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ کی رو سے نبی کریم ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کے لیے اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح ان کی حقیقی مائیں قابل احترام ہیں۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ناموں کے ساتھ ''اُمّ المؤمنینؓ'' کے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا' اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا!

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ﴾ ''اور رحمی رشتے رکھنے والے اللہ کی کتاب کے مطابق' مؤمنین و مہاجرین کی نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں''

﴿اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ تم لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی حُسنِ سلوک کرنا چاہو۔''

اس سے پہلے ''اُولُوا الْاَرْحَامِ'' کے بارے میں یہی الفاظ سورۃ الانفال کی آخری آیت میں بھی آ چکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے قانون میں رحمی اور خونی رشتے دوسرے تمام رشتوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہاں پر مؤمنین و مہاجرین کا ذکر کر کے مدینہ کے مقامی معاشرے میں ایک مخصوص صورتِ حال کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ اگرچہ تمہارے مہاجرین اور انصار کے درمیان ''مؤاخات'' کے تحت بے مثال رشتے قائم ہو چکے ہیں اور تم لوگوں نے ان رشتوں کے حوالے سے ایثار کی نئی نئی مثالیں بھی قائم کر کے دکھائی ہیں' لیکن اللہ کے قانونِ وراثت میں ایسے رشتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ قانونِ وراثت میں نہ تو انصار و مہاجرین جیسے کسی بھائی چارے کا لحاظ ہو گا اور نہ ہی منہ بولے رشتوں کے لیے کوئی حصہ مخصوص کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ من اکثر من الاھل والولد والوالد۔

(۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الطھارۃ' باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عن قضاء الحاجۃ۔

تعلقات کی بنا پر کسی دینی بھائی، عزیز یا دوست کو کوئی چیز تحفۃً دینا چاہے یا کسی کے حق میں کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۞﴾ ''یہ سب باتیں (پہلے سے) کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔''

کتاب میں لکھے ہوئے سے مراد لوحِ محفوظ یا اس موضوع پر تورات کے احکام بھی ہو سکتے ہیں اور خود قرآنی احکام بھی، جو اس سے پہلے سورۃ النساء اور سورۃ الانفال میں نازل ہو چکے تھے۔

آیت ۷ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ ''اور (یاد کرو) جب ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا تھا''

''میثاق النبیین'' کا ذکر اس سے پہلے سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ اور ۸۲ میں بھی آ چکا ہے۔

﴿وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠﴾ ''اور آپؐ سے بھی، اور نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے بھی۔''

﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۞﴾ ''اور ان سب سے ہم نے بڑا گاڑھا قول و قرار لیا تھا۔''

یہاں یہ نکتہ خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ارواح کے علیحدہ وجود کا منکر ہو اور یہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو کہ بنی نوع انسان کی تمام ارواح پہلے پیدا کر دی گئی تھیں تو اس کے لیے اس آیت میں مذکور میثاق کی توجیہہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ بہرحال قرآن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ارواح سے دو عہد لیے گئے۔ ان میں سے ایک عہد کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ہے، جسے ''عہدِ الست'' کہا جاتا ہے اور یہ عہد بلاتخصیص تمام انسانی ارواح سے لیا گیا تھا۔ دوسرے عہد کا ذکر آیت زیرِ مطالعہ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ہے جو صرف انبیاء کی ارواح سے اضافی طور پر لیا گیا تھا۔ اس عہد میں روحِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) بھی موجود تھی اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح بھی۔ جو لوگ ارواح کے علیحدہ وجود کو تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ عہد کا یہ ذکر استعاراتی انداز میں ہوا ہے۔ لیکن اگر ان کا یہ موقف تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن کے تمام احکام ہی استعارہ بن کر رہ جائیں گے اور حقیقت ان استعاروں میں گم ہو جائے گی۔

آیت ۸ ﴿لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ﴾ ''تاکہ اللہ پوچھ لے سچے لوگوں سے ان کے سچ کے بارے میں۔''

یہاں اس فقرے کے بعد یہ الفاظ گویا محذوف ہیں: وَالْكٰذِبِيْنَ عَنْ كِذْبِهِم (اور وہ جھوٹوں سے بھی پوچھ لے ان کے جھوٹ کے بارے میں!) تاکہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں اچھی طرح سے پوچھ گچھ کر لے۔

﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞﴾ ''اور اُس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے ایک دردناک عذاب۔''

پہلے رکوع کے اختتام پر اس مضمون کا سلسلہ عارضی طور پر منقطع کیا جا رہا ہے۔ یہاں پر تمہید اً منہ بولے بیٹے کی قانونی حیثیت کو واضح کر دیا گیا اور حضور ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپؐ کافرین و منافقین کی باتوں کی طرف

بالکل دھیان نہ دیں اور ان کی طرف سے منفی پراپیگنڈے کے اندیشوں کو بالکل نظر انداز کر کے اللہ کے حکم پر عمل کریں —— اس مضمون کی مزید تفصیل چوتھے رکوع میں آئے گی۔

آیات ۹ تا ۲۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ ۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ ۱۰ هُنَالِكَ
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ ۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا
مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۭ وَمَا هِيَ
بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ ۱۳ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ
لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ ۱۴ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ
وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝ ۱۵ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۱۶ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ
رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ۱۷ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۱۸ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ
فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ
الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ۱۹ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ
وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا
فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۲۰ ۧ ع ۱۲ / ۱۸

اب دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ یہ غزوہ ۵ ہجری میں ہوا اور اس کی منصوبہ بندی میں کلیدی کردار مدینہ سے نکالے گئے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سرداروں نے ادا کیا۔ بنو نضیر کو عہد شکنی کی سزا کے طور پر ۴ ہجری میں مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد وہ لوگ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا قلع قمع ہو جائے تو انہیں دوبارہ مدینہ میں آباد ہونے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تگ و دو سے عرب کی تمام مسلم مخالف

قوتوں کو متحد کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے ابو عامر راہب (جس کا تذکرہ اس سے پہلے سورۃ التوبہ کے مطالعے کے دوران مسجد ضرار کے حوالے سے آیت ۱۰۷ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکا ہے) کی مدد سے قریشِ مکہ' نجد کے بنوغطفان اور عرب کے دیگر چھوٹے بڑے قبائل سے رابطہ کیا۔ اپنی اس مہم کے نتیجے میں وہ لگ بھگ بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنے اور اس کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ عربوں کے مخصوص قبائلی نظام کی تاریخ کو مدنظر رکھا جائے تو اس زمانے میں اتنے بڑے پیمانے پر لشکر کشی ایک انہونی سی بات تھی۔

دوسری طرف مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد مشکل سے تین ہزار تھی اور اس میں بھی منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ ایک بہت طاقتور یہودی قبیلے بنوقریظہ کی مدینہ میں موجودگی بھی ایک بہت بڑے خطرے کی علامت تھی۔ مدینہ میں ان لوگوں نے مضبوط گڑھیاں بنا رکھی تھیں۔ اس سے پہلے مدینہ کے دو یہودی قبائل بنوقینقاع اور بنونضیر میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں سے غداری کر چکے تھے۔ اس پس منظر میں اس طاقتور یہودی قبیلے کی طرف سے بھی نہ صرف غداری کا اندیشہ تھا' بلکہ حملہ آور قبائل کے ساتھ ان کے خفیہ گٹھ جوڑ کے بارے میں ٹھوس اطلاعات بھی آ چکی تھیں۔ ان حالات میں مٹھی بھر مسلمانوں کے لیے اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔

اس صورت حال میں حضور ﷺ نے جب صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خندق کھودنے کی تجویز سامنے آئی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا تعلق ایران سے تھا۔ آپؓ نے ایران میں رائج اس مخصوص طرزِ دفاع کے بارے میں اپنی ذاتی معلومات کی روشنی میں یہ مشورہ دیا جو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ محل وقوع کے اعتبار سے مدینہ کی آبادی تین اطراف سے قدرتی طور پر محفوظ تھی۔ مشرق اور مغرب میں حرّات (لاوے کی چٹانوں) پر مشتمل علاقہ تھا۔ اس علاقے میں اونٹوں اور گھوڑوں کی نقل و حرکت نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان دونوں اطراف سے کسی بڑے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عقب میں جنوب کی طرف بنوقریظہ کی گڑھیاں تھیں اور چونکہ ان کے ساتھ حضور ﷺ کا باقاعدہ معاہدہ تھا اور ابھی تک ان کی طرف سے کسی بدعہدی کا اظہار نہیں ہوا تھا اس لیے بظاہر یہ سمت بھی محفوظ تھی۔ اس طرح مدینہ کی صرف شمال مغربی سمت میں ہی ایسا علاقہ تھا جہاں سے اجتماعی فوج کشی کا خطرہ باقی رہ جاتا تھا۔ اس لیے اس علاقہ میں حضور ﷺ نے خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ خندق کا مقصد اس سمت سے کسی بڑے حملے' خصوصاً گھڑ سوار دستوں کی یلغار کو ناممکن بنانا تھا۔ اگر یکبارگی کسی بڑے حملے کا امکان نہ رہتا تو انفرادی طور پر خندق پار کرنے والے جنگجوؤں کے ساتھ آسانی سے نپٹا جا سکتا تھا۔

حضور ﷺ کے حکم سے خندق کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا اور چھ دن کے اندر اندر یہ خندق تیار ہو گئی۔ لیکن خندق تو محض ایک مسئلے کا حل تھا' جبکہ حالات تھے کہ انسانی تصور سے بھی بڑھ کر گھمبیر تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کے سب سے بڑے لشکر سے مقابلہ' منافقین کی مدینہ کے اندر آستین کے سانپوں کی حیثیت سے موجودگی' شدید سردی کا موسم' قحط کا زمانہ' رسد کی شدید کمی اور یہودی قبیلہ بنوقریظہ کی طرف سے بدعہدی کا خدشہ! غرض خطرات و مسائل کا ایک سمندر تھا جس کی خوفناک لہریں پے درپے مسلمانوں پر اپنے تھپیڑوں کی یلغار کیے بڑھتی

ہی چلی جا رہی تھیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے صبر اور امتحان کے لیے ایک بہت ہی سخت اور خوفناک صورت پیدا کر دی تھی۔

اسی دوران حضرت نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنو غطفان کی شاخ اَشجع قبیلے سے تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے مدینہ آئے اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر اس بارے میں ابھی تک کسی کو علم نہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں تو میں بڑی آسانی سے حملہ آور قبائل اور بنو قریظہ کے مابین بداعتمادی پیدا کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ بنو قریظہ اور حملہ آور قبائل کے مابین سلسلۂ جنبانی کا آغاز ہو چکا تھا۔ بنو نضیر کا یہودی سردار حُیَی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس پہنچا تھا اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی پر آمادہ کر چکا تھا۔ اس طرح بنو قریظہ عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ اگر تم ان سے عہد شکنی کر کے حملہ آور قبائل کا ساتھ دو گے تو عین ممکن ہے کہ تم اپنی توقعات کے مطابق مسلمانوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ اگر یہ منصوبہ ناکام ہوا تو تمہارا کیا بنے گا؟ آخر اس کا امکان تو موجود ہے نا، خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو! ایسی صورت میں باہر سے آئے ہوئے سب لوگ تو محاصرہ اٹھا کر چلتے بنیں گے اور تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں گے۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ حملہ آور قبائل کا ساتھ دینے سے پہلے تم لوگ اپنی حفاظت کی ضمانت کے طور پر ان سے کچھ افراد بطور یرغمال مانگ لو۔

اس کے بعد حضرت نُعیم رضی اللہ عنہ حملہ آور قبائل کے سرداروں کے پاس گئے اور انہیں خبردار کیا کہ بنو قریظہ تم لوگوں سے مخلص نہیں، وہ تم سے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تاکہ تمہارے آدمی مسلمانوں کے حوالے کر کے انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلا سکیں۔ چنانچہ تم لوگ ان سے خبردار رہنا اور کسی قیمت پر بھی اپنے آدمی ان کے سپرد نہ کرنا! حملہ آور قبائل اور بنو قریظہ کے درمیان مسلمانوں پر مشترکہ حملے کے بارے میں معاہدہ طے پانے ہی والا تھا، لیکن معاہدے کو حتمی شکل دینے سے پہلے جب بنو قریظہ نے حملہ آور قبائل سے کچھ افراد بطور ضمانت مانگے تو انہوں نے ان کا یہ مطالبہ رد کر دیا۔ اس طرح فریقین کے اندر بداعتمادی کی فضا پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے خلاف ایک انتہائی خطرناک منصوبہ ناکام ہو گیا۔

بنو قریظہ کی طرف سے عدم تعاون کے بعد حملہ آور لشکر کی کامیابی کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔ دوسری طرف انہیں موسم کی شدت اور رسد کی قلت کی وجہ سے بھی پریشانی کا سامنا تھا۔ ان حالات میں ایک رات قدرتِ الٰہی سے شدید آندھی آئی جس سے ان کے کیمپ کی ہر چیز درہم برہم ہو گئی۔ خیمے اُکھڑ گئے، کھانے کی دیگیں الٹ گئیں اور جانور دہشت زدہ ہو گئے۔ اس غیبی وار کی شدت کے سامنے ان کی ہمتیں بالکل ہی جواب دے گئیں۔ چنانچہ اسی افراتفری کے عالم میں تمام قبائل نے واپسی کی راہ لی۔

یہ محاصرہ تقریباً پچیس دن تک جاری رہا۔ مسلمانوں کے لیے تو یہ ایک بہت سخت امتحان تھا ہی، جس سے وہ سرخرو ہو کر نکلے، لیکن دوسری طرف اس آزمائش سے منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک ہو گیا اور ایک ایک منافق کا خُبثِ باطن اس کی زبان پر آ گیا۔ یہی دراصل اس آزمائش کا مقصد بھی تھا: ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

(الانفال : ۳۷) ”تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے چھانٹ کر الگ کر دے“ — سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع میں یہی اصول اور قانون اللہ تعالیٰ نے سخت تاکیدی الفاظ میں دو دفعہ بیان فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا: ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③﴾ ”چنانچہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔“ پھر اس کے بعد دوبارہ فرمایا: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪﴾ ”اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی!“

اس معاملے کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح ۵ نبویؐ میں مکہ کے اندر غلاموں‘ نوجوانوں اور بے سہارا مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا (اس کی تفصیل سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کے مطالعے کے دوران گزر چکی ہے) بالکل اسی طرح ۵ ہجری میں مدینہ کے اندر بھی مسلمانوں کو غزوۂ خندق کی صورت میں سخت ترین آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ بلکہ اس ضمن میں میری رائے (واللہ اعلم) تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ذاتی طور پر سب سے مشکل وقت آپؐ کے سفرِ طائف کے دوران آیا تھا‘ جبکہ مسلمانوں کو اجتماعی سطح پر شدید ترین تکلیف دہ صورت حال کا سامنا غزوۂ خندق کے موقع پر کرنا پڑا۔

آیت ۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ”اے اہلِ ایمان! یاد کرو اللہ کے اُس انعام کو جو تم لوگوں پر ہوا“

﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ﴾ ”جب تم پر حملہ آور ہوئے بہت سے لشکر“

یہ لشکر مدینہ پر چاروں طرف سے چڑھ آئے تھے۔ بنوغطفان اور بنوخزاعہ کے لشکروں نے مشرق کی طرف سے چڑھائی کی‘ جنوب مغرب کی طرف سے قریشِ مکّہ حملہ آور ہوئے‘ جبکہ شمال کی جانب سے انہیں بنونضیر اور خیبر کے دوسرے یہودی قبائل کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ”تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھی جو تم نے نہیں دیکھے۔“

یعنی آندھی کی کیفیت تو تم لوگوں نے بھی دیکھی تھی‘ لیکن اس کے علاوہ ہم نے ان پر فرشتوں کے لشکر بھی بھیجے تھے جو تم کو نظر نہیں آئے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨﴾ ”اور جو کچھ تم لوگ کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔“

اس ایک جملے میں محاصرے کے دوران ہر فرد کے رویے کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔ اس دوران کس کا ایمان غیر متزلزل رہا‘ کس کی نیت میں نفاق تھا اور کون اپنے نفاق کو زبان پر لے آیا‘ اللہ کو سب معلوم ہے۔ یہ محاصرہ تقریباً پچیس دن تک رہا۔ اس دوران اِکّا دُکّا مقامات پر معرکہ آرائی بھی ہوئی۔ اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عرب کے مشہور پہلوان عبدِوُد کے درمیان ہونے والا مقابلہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ عبدِوُد پورے عرب کا مانا ہوا شہسوار تھا۔ اس کی عمر نوّے سال تھی مگر وہ اس عمر میں بھی ہزار جنگجوؤں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کوئی اکیلا شخص اس کے مقابلے میں آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ گھوڑے کو بھگاتے ہوئے ایک ہی زقند میں خندق پار

کرنے میں کامیاب ہو گیا اور تن تنہا اس طرف آ کر دعوتِ مبارزت دی کہ تم میں سے کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے؟ اِدھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے۔

حضرت علیؓ کے سامنے آنے پر اُس نے کہا کہ میں اپنے مقابل آنے والے ہر شخص کو تین باتیں کہنے کا موقع دیتا ہوں اور ان میں سے ایک بات ضرور قبول کرتا ہوں۔ اس لیے تم اپنی تین خواہشات کا اظہار کرو۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری پہلی خواہش تو یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ۔ اُس نے کہا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے اپنی دوسری خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم جنگ سے واپس چلے جاؤ! اُس نے کہا کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ ان دونوں باتوں سے انکار پر آپؓ نے فرمایا کہ پھر آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرو! اس پر اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ آج تک پورے عرب میں اس کے سامنے کسی کو ایسا کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بہرحال دوبدو مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ اس طرح کے اِکّا دُکّا انفرادی مقابلوں کے علاوہ دونوں لشکروں کے درمیان کسی بڑے اجتماعی معرکے کی نوبت نہیں آئی۔

محاصرے کے غیر متوقع طور پر طول کھینچنے سے کفار کے لشکر میں روز بروز بددلی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس دوران حضرت نُعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی سے بھی بنوقریظہ اور حملہ آور قبائل کے درمیان بداعتمادی پیدا ہو گئی۔ طویل محاصرے کے بعد اچانک خوفناک آندھی نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ اس پر مستزاد فرشتوں کے لشکروں کی دہشت تھی جس کی کیفیت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس سب کچھ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کی تاریخ کے سب سے بڑے لشکر کو اپنے مقاصد حاصل کیے بغیر ناکام و نامراد لوٹنا پڑا ـــــ آئندہ آیات میں محاصرے کے دوران کی صورتِ حال پر مزید تبصرہ کیا جا رہا ہے:

آیت ۱۰ ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ''جب وہ (لشکر) آئے تم پر تمہارے اوپر سے بھی اور تمہارے نیچے سے بھی''

جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیائی محلِ وقوع پہلے بھی کئی بار زیر بحث آ چکا ہے۔ اس میں شمالاً جنوباً حجاز کا طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔ مکہ، طائف اور مدینہ حجاز ہی میں واقع ہیں، جبکہ اسی علاقے میں اوپر شمال کی طرف تبوک کا علاقہ ہے۔ اس پہاڑی سلسلے اور ساحل سمندر کے درمیان ایک وسیع میدان ہے جس کا نام تہامہ ہے۔ حجاز کے پہاڑی سلسلے اور تہامہ کے درمیان سطح مرتفع ہے جو اگرچہ پہاڑی علاقہ تو نہیں مگر میدانی سطح سے بلند ہے۔ اس علاقے میں بنوغطفان وغیرہ قبائل آباد تھے۔ اس لحاظ سے آیت زیر مطالعہ کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ مدینہ کے اوپر کی طرف سے بنوغطفان وغیرہ جبکہ نیچے تہامہ کی طرف سے قریش مکہ حملہ آور ہوئے تھے۔

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ ''اور جب (خوف کے مارے) نگاہیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ گئے تھے''

یہ اُس غیر معمولی کیفیت کا نقشہ ہے جب انتہائی خوف اور دہشت کی وجہ سے انسان کی آنکھیں حرکت کرنا بھول جاتی ہیں، اس کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتی ہے اور اسے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا دل اُچھل کر اب سینے سے باہر نکل جائے گا۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰﴾ ''اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''

آیت ۱۱ ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱﴾ ''اُس وقت اہلِ ایمان کو خوب آزما لیا گیا اور وہ شدت کے ساتھ جھنجھوڑ ڈالے گئے۔''

اس شدید آزمائش کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کے اندر کا خبث ان کی زبانوں پر آ گیا۔

آیت ۱۲ ﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲﴾ ''اور جب کہہ رہے تھے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اُس کے رسولؐ نے مگر دھوکے کا۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ محض فریب نکلے۔ ہمیں تو انہوں نے سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ ہم سے تو کہا گیا تھا کہ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی، مگر اس کے برعکس آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لیے بھی باہر نکلنے سے عاجز ہیں۔ ظاہر ہے اس دور میں آج کل کی طرز کے بیت الخلاء تو تھے نہیں، چنانچہ محاصرے کے دوران اس نوعیت کے جو مسائل پیدا ہوئے ان پر منافقین نے خوب واویلا مچایا۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ﴾ ''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے اہل یثرب! اب تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں، چنانچہ تم لوٹ جاؤ!''

کہ اب تمہارے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ خندق کے سامنے اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں تم کیسے ٹھہر سکو گے؟ چنانچہ تم اپنی جانیں بچانے کی فکر کرو اور شہر کی طرف پلٹ چلو۔

﴿وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۭ﴾ ''اور ان میں سے ایک گروہ نبیؐ سے اجازت طلب کر رہا تھا، وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔''

محاصرے کے دوران شہر کی صورت حال کچھ یوں تھی کہ حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے تمام مرد شہر سے باہر ایک جگہ پر اکٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ انہیں مدینہ کے وسطی علاقے میں ایک بڑی حویلی کے اندر جمع کر کے وہاں پہرے وغیرہ کا بندوبست فرما دیا تھا۔ جب بنو قریظہ کی طرف سے عہد شکنی کی خبریں آئیں تو اس یہودی قبیلہ کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر حملے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس صورت حال میں منافقین بار بار آ کر حضور ﷺ سے اس بہانے واپس اپنے گھروں کو جانے کی اجازت مانگتے تھے کہ اب ان کے گھر غیر محفوظ ہو گئے ہیں اور ان کے اہل و عیال کی جانوں کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ڔ﴾ ''حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے۔''

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ان کے اہل و عیال کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا گیا تھا اور بظاہر انہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔

﴿اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾﴾ ’’حقیقت میں وہ کچھ نہیں چاہتے تھے سوائے فرار کے۔‘‘
ان کی ایسی باتوں کی اصلیت کچھ نہیں تھی۔ اصل میں وہ جنگ سے بھاگنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوۡ دُخِلَتۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِہَا ثُمَّ سُئِلُوا الۡفِتۡنَۃَ لَاٰتَوۡہَا﴾ ’’اور اگر کہیں ان پر دشمن گھس آئے ہوتے مدینہ کے اطراف سے‘ پھر ان سے مطالبہ کیا جاتا فتنے (ارتداد) کا‘ تو وہ اسے قبول کر لیتے‘‘
اگر خدانخواستہ کفار و مشرکین کے لشکر واقعی مدینہ میں داخل ہو جاتے اور وہ ان منافقین کو علانیہ ارتداد اور مسلمانوں سے جنگ کی دعوت دیتے تو ایسی صورتِ حال میں یہ لوگ بلاتردد ان کی بات مان لیتے۔
﴿وَمَا تَلَبَّثُوۡا بِہَاۤ اِلَّا یَسِیۡرًا ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے مگر تھوڑا سا۔‘‘
چونکہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ ہوا ہی نہیں تھا‘ اس لیے جونہی انہیں ایمان کے دعوے سے پھرنے کا موقع ملتا وہ فوراً ہی اللہ اور اس کے رسولؐ سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیتے۔

آیت ۱۵ ﴿وَلَقَدۡ کَانُوۡا عَاہَدُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ لَا یُوَلُّوۡنَ الۡاَدۡبَارَ ؕ﴾ ’’حالانکہ اس سے قبل وہ اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ کبھی پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔‘‘
اس سے پہلے وہ بحیثیت مسلمان اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ باطل کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں گے۔
﴿وَکَانَ عَہۡدُ اللّٰہِ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور اللہ سے کیے گئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہے۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿قُلۡ لَّنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡفِرَارُ اِنۡ فَرَرۡتُمۡ مِّنَ الۡمَوۡتِ اَوِ الۡقَتۡلِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا‘ اگر تم لوگ موت یا قتل سے بھاگ رہے ہو‘‘
موت سے بھلا کوئی کیسے بھاگ سکتا ہے؟ موت تو ہر جگہ اپنے شکار کا پیچھا کر سکتی ہے۔
﴿وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور (اگر بھاگو گے) تب بھی تم (زندگی کے ساز و سامان سے) فائدہ نہیں اٹھا سکو گے مگر تھوڑا سا۔‘‘
اگر وقتی طور پر کوئی شخص ایک جگہ سے بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو بھی وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ تو نہیں ہو سکتا۔ اس کی یہ کوشش اسے اس سے زیادہ بھلا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے کہ کچھ عرصہ وہ مزید جی لے گا۔ آخر ایک نہ ایک دن تو اسے موت کے منہ میں جانا ہی ہے۔ وہ دنیا کی زندگی کا بس اسی قدر لطف اٹھا سکتا ہے جتنا اس کے لیے مقدر ہے۔

آیت ۱۷ ﴿قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَعۡصِمُکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ اِنۡ اَرَادَ بِکُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِکُمۡ رَحۡمَۃً ؕ﴾
’’آپؐ کہیے کہ کون ہے وہ جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ نقصان کا؟ یا (اُس کی رحمت کو روک سکتا ہے) اگر وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ رحمت کا؟‘‘
وہ تمہارے ساتھ جیسا بھی معاملہ کرنا چاہے کوئی اس کے آڑے نہیں آ سکتا۔
﴿وَلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور یہ لوگ نہیں پائیں گے اپنے لیے

اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۸ ﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْکُمْ﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو روکنے والے ہیں''

جیسا کہ قبل ازیں وضاحت کی جا چکی ہے کہ مدینہ کی دو اطراف تو قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے محفوظ تھیں' جبکہ عقب میں بنوقریظہ کی گڑھیاں تھیں اور جب تک انہوں نے معاہدے کی اعلانیہ خلاف ورزی نہیں کی تھی تب تک ان کی طرف سے بھی بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت حملہ آور لشکر کے سامنے خندق کی اندرونی جانب مورچہ بند تھی اور جنگ کا اصل محاذ وہی مقام تھا۔ منافقین نہ صرف خود اس محاذ کی طرف جانے سے کتراتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے کہ اس طرف مت جاؤ۔

﴿وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِھِمْ ھَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ﴾ ''اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ!''

وہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی ناصحانہ انداز میں سمجھاتے تھے کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور ہماری طرح تم بھی اپنے گھروں میں چھپے رہو اور محاذ کی طرف مت جاؤ۔

﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾﴾ ''اور وہ نہیں آتے جنگ کی طرف مگر بہت تھوڑی دیر کے لیے۔''

اگر وہ دکھاوے کے لیے محاذِ جنگ پر آتے بھی تھے تو حیلے بہانوں سے واپس جانے کی فکر میں رہتے تھے۔

آیت ۱۹ ﴿اَشِحَّۃً عَلَیْکُمْ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو!) تمہارا ساتھ دینے میں یہ سخت بخیل ہیں۔''

﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ﴾ ''تو جب خطرہ پیش آ جاتا ہے تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح تاک رہے ہوتے ہیں''

﴿تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ﴾ ''کہ ان کی آنکھیں گردش کرتی ہیں اُس شخص کی (آنکھوں کی) طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو۔''

اللہ کے راستے میں جہاد کی خبر سنتے ہی انہیں اپنی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اور خطرات کے اندیشوں کی وجہ سے ان پر نزع کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

﴿فَاِذَا ذَھَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْکُمْ بِاَلْسِنَۃٍ حِدَادٍ﴾ ''پھر جب خطرہ جاتا رہتا ہے تو وہ تم لوگوں پر چڑھ دوڑتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے''

سَلَقَ یَسْلُقُ سَلْقًا کے معنی ہیں کسی پر ہاتھ یا زبان سے حملہ آور ہونا۔ فقرے کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ آپ پر حملہ آور ہوتے ہیں اپنی لوہے کی زبانوں سے۔ یہ گویا محاورہ کا اسلوب ہے' جیسے اردو میں ''قینچی کی طرح زبان کا چلنا'' ایک محاورہ ہے۔ خطرہ گزر جانے کے بعد ان کی زبانیں آپ لوگوں کے سامنے قینچی کی طرح چلنے لگ جاتی ہیں اور یہ اپنے ایمان کا اظہار اور مسلمانوں پر تنقید کرنے لگ جاتے ہیں۔

﴿اَشِحَّۃً عَلَی الْخَیْرِ ؕ﴾ ''لالچ کرتے ہوئے مال پر۔''

ان کی خواہش ہوتی ہے کہ سارا مالِ غنیمت انہیں ہی مل جائے۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

﴿وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ لوگ زبان سے ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن دل سے ہرگز ایمان نہیں لائے۔ انہوں نے اس حالت میں جو بھی نیک اعمال کیے ہیں ان کی انہیں کوئی جزا نہیں ملے گی۔ ظاہر ہے یہ لوگ ایمان کے دعوے کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور وہ بھی مسجد نبویؐ کے اندر رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں۔ لیکن ان کے یہ سارے اعمال ضائع ہو چکے ہیں' کیونکہ منافقت کی کیفیت میں کیا گیا نیکی اور بھلائی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔

آیت ۲۰ ﴿یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْھَبُوْا﴾ ''وہ لشکروں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ ابھی وہ گئے نہیں ہیں۔''

اگرچہ کفّار کے تمام لشکر واپس جا چکے ہیں مگر ان پر ایسا خوف طاری ہے کہ انہیں یقین ہی نہیں آتا کہ وہ چلے گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لشکر کسی حکمت عملی کے تحت تھوڑی دیر کے لیے منظر سے اوجھل ہوئے ہیں اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ دوبارہ آ جائیں گے۔ جیسے کسی خوفناک حادثے کی دہشت دیر تک ایک شخص کے اعصاب پر سوار رہتی ہے اسی طرح ان کے اعصاب پر ابھی تک ان لشکروں کا خوف مسلط ہے۔

﴿وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّھُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِکُمْ﴾ ''اور اگر لشکر (دوبارہ) حملہ آور ہو جائیں تو ان کی خواہش ہو گی کہ وہ بدّوؤں کے ساتھ صحرا میں رہ رہے ہوتے (اور وہیں سے) تمہاری خبریں معلوم کرتے رہتے۔''

ایسی صورت میں یہ لوگ خواہش کریں گے کہ کاش وہ لوگ مدینہ کو چھوڑ کر ریگستان میں چلے گئے ہوتے' وہاں اہل بدو کے درمیان محفوظ جگہ پر پناہ لیے ہوئے مدینہ کی خبریں پوچھتے رہتے کہ جنگ کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا ہے۔

﴿وَلَوْ کَانُوْا فِیْکُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۰﴾﴾ ''اور اگر وہ تمہارے درمیان رہتے تو قتال نہ کرتے مگر بہت ہی تھوڑا۔''

اگر وہ لوگ تمہارے درمیان موجود بھی ہوتے تو کسی نہ کسی بہانے جنگ سے جان چھڑا ہی لیتے اور کبھی کبھار محض دکھانے کے لیے کسی مہم میں بادلِ نخواستہ برائے نام حصہ لے لیتے۔

آیات ۲۱ تا ۲۷

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ۡ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾
لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾
وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۳ / ۱۹

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے' غزوۂ احزاب کا واقعہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی' جس کا مقصد کھرے اور کھوٹے کو پرکھنا تھا۔ چنانچہ اس آزمائش کے نتیجے میں انسانی کردار کی دو تصاویر سامنے آئیں۔ ایک اندھیرے کی تصویر تھی اور دوسری اُجالے کی۔ ان میں سے اندھیرے کی تصویر کا تذکرہ گزشتہ آیات میں ہوا جبکہ دوسری تصویر کی جھلک آئندہ آیات میں دکھائی جا رہی ہے۔ اجالے کی اس تصویر میں خورشیدِ عالم تاب کی علامت چونکہ حضور ﷺ کا کردار ہے اس لیے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

آیت ۲۱ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے''

بظاہر ہمارے ہاں اس آیت کی تفہیم و تعلیم بہت عام ہے۔ سیرت کا کوئی سیمینار ہو' میلاد کی کوئی محفل ہو یا کسی واعظِ رنگین بیان کا وعظ ہو' اس آیت کی تلاوت لازمی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے سیرت و کردار کا نمونہ اپنانے کی جو صورت آج مسلمانوں کے ہاں عموماً دیکھنے میں آتی ہے اس کا تصور بہت محدود نوعیت کا ہے اور جن سنتوں کا تذکرہ عام طور پر ہمارے ہاں کیا جاتا ہے وہ محض روزمرہ کے معمولات کی سنتیں ہیں' جیسے مسواک کی سنت یا مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پاؤں اندر رکھنے اور باہر نکلتے ہوئے بایاں پاؤں باہر رکھنے کی سنت۔ یقیناً ان سنتوں کو اپنانے کا بھی ہمیں اہتمام کرنا چاہیے اور ہمارے لیے حضور ﷺ کی ہر سنت یقیناً منبع خیر و برکت ہے۔ لیکن اس آیت کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر غور کریں تو یہ نکتہ بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ یہاں جس اُسوہ کا ذکر ہوا ہے وہ طاقت کے نشے میں بدمست باطل کے سامنے بے سروسامانی کے عالم میں جان ہتھیلی پر رکھ کر ڈٹ جانے کا اُسوہ ہے۔ اور اُسوۂ رسول ﷺ کا یہی وہ پہلو ہے جو آج ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ دراصل اس آیت میں خصوصی طور پر حضور ﷺ کے اس کردار کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جس کا نظارہ چشمِ فلک نے غزوۂ خندق کے مختلف مراحل کے دوران کیا۔ اس دوران اگر کسی مرحلے پر فاقوں سے مجبور صحابہؓ نے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے تو حضور ﷺ نے بھی اپنی قمیص اٹھا کر اپنا پیٹ دکھایا جہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اُس وقت اگر صحابہؓ خندق کی کھدائی میں لگے ہوئے تھے تو ان کے درمیان حضور ﷺ خود بھی بڑے بڑے پتھر اپنے کندھوں پر اُٹھا اُٹھا کر باہر پھینکنے میں مصروف تھے۔ بعض اوقات

ایسا بھی ہوا کہ کوئی سنگلاخ چٹان صحابہؓ کی ضربوں سے ٹوٹ نہ سکی اور حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپؐ نے بنفسِ نفیس اپنے ہاتھوں سے ضرب لگا کر اسے پاش پاش کیا۔ اس مشکل گھڑی میں ایسا نہیں تھا کہ حضور ﷺ کے لیے پر آسائش خیمہ نصب کر دیا گیا ہو' آپؐ اس میں محوِ استراحت ہوں' خُدّام مورچھل لیے آپؐ کی خدمت کو موجود ہوں اور باقی لوگ خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہوں۔

حضور ﷺ کے اُسوہ اور آپؐ کی سنت کو عملی طور پر اپنائے جانے کے معاملے کو سمجھانے کے لیے عام طور پر میں معاشیات کی دو اصطلاحات macro economics اور micro economics کی مثال دیا کرتا ہوں۔ یعنی جس طرح macro economics کا تعلق بہت بڑی سطح کے معاشی منصوبوں یا کسی ملک کے معاشی نظام کے مجموعی خدوخال سے ہے' اور چھوٹے پیمانے پر معمول کی معاشی سرگرمیوں کے مطالعے کے لیے micro economics کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے' اسی طرح اگر ہم macro sunnah اور micro sunnah کی اصطلاحات استعمال کریں اور اس حوالے سے اپنا اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ آج ہماری اکثریت ''مائیکرو سنت'' سے تو خوب واقف ہے' اکثر لوگ روزمرہ معمول کی سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں' بلکہ بعض اوقات جذبات کی رو میں بہہ کر اس بنا پر دوسروں کے ساتھ جھگڑے بھی مول لیتے ہیں' لیکن ''میکرو سنت'' کی اہمیت و ضرورت کا کسی کو ادراک ہے اور نہ ہی اس کی تعمیل کی فکر (اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ)۔ مثلاً حضور ﷺ کی سب سے بڑی (macro) سنت تو یہ ہے کہ وحی کے آغاز یعنی اپنی چالیس سال کی عمر کے بعد آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں کوئی ایک لمحہ بھی معاشی جدوجہد کے لیے صرف نہیں کیا اور نہ ہی اپنی زندگی میں آپؐ نے کوئی جائیداد بنائی۔ بعثت سے پہلے آپؐ ایک خوشحال اور کامیاب تاجر تھے' لیکن سورۃ المدثر کی ان آیات کے نزول کے بعد آپؐ کی زندگی یکسر بدل گئی: ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ③﴾ ''اے چادر اوڑھنے والے! اُٹھیے' اور (لوگوں کو) خبردار کیجیے' اور اپنے رب کی تکبیر کیجیے''۔ اس حکم کی تعمیل میں گویا آپؐ نے اپنی ہر مصروفیت کو ترک کر دیا' ہر قسم کی معاشی جدوجہد سے پہلو تہی اختیار فرمائی' اور اپنی پوری قوت و توانائی' تمام تر اوقات اور تمام تر تگ و دو کا رخ دعوتِ دین' اقامتِ دین اور تکبیرِ رب کی طرف پھیر دیا۔ یہ وہ ''میکرو سنت'' ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خالی نظر نہیں آتا۔

آج اس درجے میں نہ سہی مگر اس میکرو سنت کے رنگ کی کچھ نہ کچھ جھلک تو بحیثیتِ مسلمان ہماری زندگیوں میں نظر آنی چاہیے' اور اس رنگ کے ساتھ ساتھ مائیکرو قسم کی سنتوں کا بھی اہتمام کیا جائے تو وہ یقیناً نورٌ علیٰ نور والی کیفیت ہو گی۔ لیکن اگر ہم اپنی ساری توانائیاں صرف چھوٹی چھوٹی سنتوں کے اہتمام میں ہی صرف کرتے رہیں' برش کے بجائے مسواک کا استعمال کر کے سو شہیدوں کے برابر ثواب کی امید بھی رکھیں اور اتباعِ سنت کے اشتہار کے طور پر ہر وقت مسواک اپنی جیب میں بھی لیے پھریں' لیکن اپنی زندگیوں کا عمومی رخ متعین کرنے میں ''میکرو سنت'' کا بالکل بھی لحاظ نہ کریں تو ہمیں خود فیصلہ کرنا ہو گا کہ ہمارا یہ طرزِ عمل اُسوۂ رسول ﷺ سے کس قدر مطابقت اور مناسبت رکھتا ہے!

﴿لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ''(یہ اُسوہ ہے) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے

ملاقات اور آخرت کی امید رکھتا ہو"

﴿وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾﴾ "اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو۔"

یعنی حضور ﷺ کا اسوہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو ان تین شرائط کو پورا کرے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی ہو یعنی اللہ سے محبت کرتا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ شخص یومِ آخرت کی بھی امید رکھتا ہو یعنی بعث بعد الموت پر اس کا یقین ہو۔ اور تیسری شرط یہ کہ وہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہو۔ گویا ہر وقت اللہ کو یاد رکھتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ کے حوالے سے ان شرائط کے فلسفے کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲ اور آیت ۱۸۵ کی روشنی میں سمجھیے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۵ میں قرآن کو هُدًى لِّلنَّاسِ (تمام نوعِ انسانی کے لیے ہدایت) قرار دیا گیا ہے۔ لیکن آیت ۲ میں اس ہدایت سے استفادہ کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کی شرط سے مشروط کر دیا گیا ہے کہ قرآن سے صرف وہی لوگ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں جو تقویٰ کی روش پر کاربند ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اُسوہ تو اپنی جگہ کامل و اکمل اور منبع رشد و ہدایت ہے لیکن اس سے استفادہ صرف وہی لوگ کر سکیں گے جو اِن تین شرائط پر پورا اترتے ہوں۔

حضور ﷺ کے اُسوہ کے ذکر کے بعد آگے آپؐ کے صحابہؓ کے کردار کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ گویا وہی ترتیب ہے جو سورۃ الفتح کی آخری آیت میں آئی ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ......﴾ "محمد اللہ کے رسول ہیں' اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ہیں......" یعنی پہلے حضور ﷺ کا ذکر اور پھر اس کے بعد آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا۔

آیت ۲۲ ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ﴾ "اور جب اہلِ ایمان نے دیکھا ان لشکروں کو"

﴿قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ﴾ "تو انہوں نے کہا کہ یہی تو ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے' اور بالکل سچ فرمایا تھا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے۔"

ان کے دلوں نے فوراً ہی گواہی دے دی کہ یہ وہی صورت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہمیں ان الفاظ میں متنبہ کر دیا تھا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۵۵) "اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے' اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔" بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تو ہمیں یہاں تک خبردار کر دیا تھا: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ﴾ (آل عمران:۱۸۶) "(مسلمانو یاد رکھو!) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی' اور تمہیں لازماً سننا پڑیں گی بڑی تکلیف دہ باتیں' ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور مشرکین سے بھی۔"

یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ محاصرے کی جس صورتِ حال پر منافقین نے ﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا

غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾ کے الفاظ میں تبصرہ کیا تھا اسی صورت حال پر مؤمنین کا تبصرہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ یعنی ایک ہی صورتِ حال میں دونوں فریقوں کا ردِعمل مختلف بلکہ متضاد تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کے عمل اور اس کے رویے کا انحصار اس کے دل کی کیفیت پر ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶ میں قرآن کریم کے حوالے سے یوں واضح کیا گیا ہے: ﴿یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے۔

﴿وَ مَا زَادَہُمۡ اِلَّاۤ اِیۡمَانًا وَّ تَسۡلِیۡمًا ﴿۲۲﴾﴾ ''اور اس (واقعہ) نے ان میں کسی بھی شے کا اضافہ نہیں کیا مگر ایمان اور فرمانبرداری کا۔''

یعنی یہ آزمائش مسلمانوں کے ایمان اور جذبۂ تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر گئی۔ محاصرے کے پورے عرصے کے دوران میں ہر قسم کی مصیبت اور پریشانی کے سامنے وہ ع ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے'' کے نعرۂ مستانہ کی عملی تصویر بنے رہے۔ گویا مؤمن تو ہر حال میں خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ اللہ کے راستے میں اس کی کوششیں دنیا میں ہی بار آور ہوں یا اس جدوجہد میں اس کی جان چلی جائے' وہ دونوں صورتوں میں سرخرو ٹھہرتا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۵۲ میں ان دونوں صورتوں کو اَلۡحُسۡنَیَیۡنِ (دو بھلائیاں) قرار دیا گیا ہے: ﴿قُلۡ ہَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ ؕ﴾ ''(اے مسلمانو! ان منافقین سے) کہو کہ تم ہمارے بارے میں کس شے کا انتظار کر سکتے ہو؟ سوائے دو بھلائیوں میں سے ایک کے!'' یعنی تبوک کی اس مہم کے دوران میں جو صورت بھی ہمارے درپیش ہو ہمارے لیے اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اگر فتح یاب ہو کر لوٹے تو دنیا کی کامیابیاں پائیں گے اور اگر شہید ہو گئے تو جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ (سورۃ التوبہ ۹ ہجری میں سورۃ الاحزاب کے چار سال بعد نازل ہوئی۔)

یہ راستہ دراصل عشق کا راستہ ہے اور اس راستے کے مسافروں کی نظر ظاہری مفاد کے بجائے اپنے محبوب کی رضا پر ہوتی ہے۔ حالات موافق و سازگار ہوں یا مخدوش و نامساعد' وہ اس کی پروا کیے بغیر اپنے محبوب کی خوشنودی کے لیے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ بقول غالب: ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی!

آیت ۲۳ ﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاہَدُوا اللّٰہَ عَلَیۡہِ ۚ﴾ ''اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد لوگ بھی ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا وہ عہد جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔''

انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے مال اور ہماری جانیں اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے حاضر ہیں اور انہوں نے اپنا یہ دعویٰ عملی طور پر سچ کر دکھایا۔

﴿فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ﴾ ''پس ان میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے''

یہ اشارہ ہے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جو ان آیات کے نزول (۵ ہجری) سے پہلے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ مثلاً غزوۂ بدر میں چودہ (۱۴)' جبکہ غزوۂ اُحد میں ستّر (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ ''اور ان میں سے کچھ انتظار کر رہے ہیں۔''
باقی منتظر ہیں کہ کب ان کی باری آئے' انہیں جان قربان کرنے کا موقع میسر آئے اور وہ اللہ کے حضور سرخرو ہوں: ؎

وبالِ دوش ہے سر جسمِ ناتواں پہ مگر لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے!

﴿وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾﴾ ''اور انہوں نے ہرگز کوئی تبدیلی نہیں کی۔''
اللہ سے جو عہد انہوں نے پہلے دن سے کر رکھا ہے آج بھی وہ اس پر قائم ہیں اور اس میں انہوں نے سرِ مو فرق نہیں آنے دیا۔

آیت ۲۴ ﴿لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ ''تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا پورا پورا بدلہ دے''
﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور منافقین کو چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے۔''
یعنی اللہ چاہے تو ان کو توبہ کا موقع دے دے۔
﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''
اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اُس وقت (۵ ہجری) تک منافقین کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا تھا۔ لیکن جب یہ مہلت ختم ہوگئی تو ان کے متعلق یہ فیصلہ سنا دیا گیا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾﴾ (النساء) ''یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے' اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔'' بلکہ غزوۂ تبوک کی مہم کے دوران ان کے کردار اور رویّے کے سبب سورۃ التوبہ میں ان کے بارے میں آخری فیصلہ بایں الفاظ فرما دیا گیا: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں (ان کے حق میں برابر ہے)' اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۲۵ ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ﴾ ''اور لوٹا دیا اللہ نے کافروں کو ان کے غصے کے ساتھ ہی''
کفار و مشرکین بہت بڑا لشکر اکٹھا کر کے فتح کے زعم میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام و نامراد پسپا کر دیا۔ نہ تو جنگ کی نوبت آئی اور نہ ہی وہ اپنا ہدف حاصل کر سکے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف غصے کی جو آگ بھڑک رہی تھی اسے بھی ٹھنڈا کرنے کا انہیں موقع نہ ملا اور اپنے غیظ و غضب سمیت ناکام ہی انہیں بے نیلِ مرام واپس جانا پڑا۔
﴿لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ﴾ ''وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔''
اس مہم میں انہیں ناکامی و حسرت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ نہ تو وہ کسی قسم کا کوئی کارنامہ سرانجام

دے سکے اور نہ ہی کوئی مفاد حاصل کر سکے۔

﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ﴾ ''اور اللہ کافی رہا اہلِ ایمان کی طرف سے قتال کے لیے۔''

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کھلی جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی اور اپنی تدابیر اور اپنے لشکروں کے ذریعے سے ہی کفار کو شکست دے دی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک کڑے امتحان سے تو گزارا مگر انہیں کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿۲۵﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ بڑی طاقت والا، سب پر غالب ہے۔''

اب آئندہ آیات میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ہے۔ یہ غزوہ گویا غزوۂ احزاب کا ضمیمہ ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب کفار کے لشکر چلے گئے اور نبی اکرم ﷺ خندق سے پلٹ کر گھر تشریف لائے اور اپنی زرہ اور ہتھیار اتارے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے ہتھیار اتار دیے ہیں' جبکہ ہم نے تو ابھی نہیں اتارے! اس لیے کہ ابھی بنی قریظہ کو ان کی بدعہدی کی سزا دینا باقی ہے۔ یہ ظہر کا وقت تھا۔ حضور ﷺ نے فوراً اعلان فرمایا کہ ''جو کوئی سمع وطاعت پر قائم ہو وہ عصر کی نماز اُس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیارِ بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے!'' ساتھ ہی آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دستے کے ساتھ مُقدمۃُ الجیش کے طور پر بنو قریظہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد حضور ﷺ کی قیادت میں پورا اسلامی لشکر وہاں پہنچ گیا اور ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ یہ اپنے مضبوط قلعوں اور گڑھیوں میں محصور ہو گئے۔ دو تین ہفتوں کے محاصرے کے بعد بالآخر یہودیوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ انہیں قبول ہو گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ قبیلہ اوس کے رئیس تھے اور قبیلہ اوس کے ساتھ ماضی میں بنی قریظہ کے حلیفانہ تعلقات رہ چکے تھے۔ اس لیے بنی قریظہ کو امید تھی کہ وہ ان کے حق میں نرم فیصلہ کریں گے اور انہیں بھی اسی طرح مدینہ سے نکل جانے دیں گے جس طرح قبل ازیں بنو قینقاع اور بنو نضیر کو نکل جانے دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت سعدؓ دیکھ چکے تھے کہ پہلے جن دو یہودی قبیلوں کو مدینہ سے نکل جانے کا موقع دیا گیا تھا وہ کس طرح سارے گرد و پیش کے قبائل کو بھڑکا کر مدینہ پر بارہ ہزار کا لشکر چڑھا لائے تھے۔ اور یہ معاملہ بھی حضرت سعدؓ کے سامنے تھا کہ بنو قریظہ نے عین بیرونی حملے کے موقع پر بدعہدی کر کے مسلمانوں کی تباہی کا سامان کیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے تورات کے احکام کے عین مطابق فیصلہ سنایا اور تورات میں بدعہدی کی جو سزا تھی وہی سزا ان کے لیے تجویز کی۔ اس فیصلے کے مطابق بنی قریظہ کے ان تمام مردوں کو قتل کر دیا گیا جو جنگ کے قابل تھے۔ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنا لیا گیا اور ان کے اموال و املاک پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس طرح مدینہ سے اس آخری یہودی قبیلے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس سے پہلے دو یہودی قبائل (بنو قینقاع اور بنو نضیر) کو بدعہدی ہی کی سزا کے طور پر مدینہ سے جلاوطن کیا جا چکا تھا۔ بہر حال ان تینوں قبائل میں سے بنی قریظہ کو بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مسلمان بنو قریظہ کی گڑھیوں میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان غداروں نے جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لیے بہت بڑی تعداد میں تلواریں' نیزے' ڈھالیں اور زرہیں تیار رکھی تھیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْھِمْ﴾ ''اور اللہ نے اُتار لیا اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے ان (مشرکین) کی مدد کی تھی' ان کے قلعوں سے''

بنوقریظہ کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے بدعہدی کر کے حملہ آور قبائل کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ چنانچہ اللہ کی مشیت کے مطابق انہیں اپنے قلعوں اور گڑھیوں سے نکل کر مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑے۔

﴿وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ﴾ ''اور ان کے دلوں میں اُس نے رعب ڈال دیا''

﴿فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ۝۲۶﴾ ''تو اب ان میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے ہو اور کچھ کو تم قیدی بنا رہے ہو۔''

یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق جنگ کے قابل مرد قتل کر دیے گئے' جبکہ بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔

آیت ۲۷ ﴿وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ﴾ ''اور اُس نے تمہیں وارث بنا دیا ان کی زمینوں' ان کے گھروں اور ان کے اموال کا''

﴿وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْھَا ؕ﴾ ''اور اُس زمین کا بھی جس پر ابھی تم نے قدم نہیں رکھے۔''

اس فقرے میں ان تمام فتوحات کی طرف اشارہ موجود ہے جو بعد میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ اس لحاظ سے غزوۂ احزاب حضور ﷺ کی جدوجہد کے سفر میں ایک فیصلہ کن موڑ (turning point) ثابت ہوا۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ نے اہل ایمان کو خوشخبری بھی سنا دی تھی کہ: ((لَنْ تَغْزُوْکُمْ قُرَیْشٌ بَعْدَ عَامِکُمْ ھٰذَا وَلٰکِنَّکُمْ تَغْزُوْنَھُمْ)) [1] یعنی ''اس سال کے بعد قریش کبھی بھی تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے' بلکہ آئندہ تم ان پر چڑھائی کرو گے۔''

حضور ﷺ کے اس فرمان کی صداقت اگلے ہی سال یعنی ۶ ہجری میں اُس وقت ظاہر ہو گئی جب آپ ؐ چودہ سو صحابہ ؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ اس سفر میں مسلمانوں نے احرام باندھ رکھے تھے۔ تلواروں کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور ہتھیار بھی نہیں تھا اور تلواریں بھی نیاموں میں تھیں۔ حضور ﷺ اپنے قافلے کے ساتھ جب مکہ کے قریب پہنچے تو یہ صورت حال گویا مشرکین مکہ کے گلے میں ایک ایسی ہڈی کی طرح پھنس کر رہ گئی جسے نہ وہ اُگل سکتے تھے اور نہ نگل سکتے تھے۔ ایک طرف ان کی صدیوں پرانی روایات تھیں جن کے مطابق کسی بدترین دشمن کو بھی حج یا عمرے سے روکا نہیں جا سکتا تھا اور دوسری طرف ان کی انا تھی جس کے تحت وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ ان کے لیے یہ دونوں صورتیں ہی مشکل تھیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں تو کس جواز کے تحت روکیں اور اگر آنے کی اجازت دیں تو کس منہ سے ایسا کریں!

اس صورتِ حال میں حضور ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳۹۶/۶

حالات کا جائزہ لینے کے لیے مکہ بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں کچھ زیادہ دیر رکنا پڑا تو مسلمان لشکر میں کسی طرح یہ افواہ پھیل گئی کہ مشرکین نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے صحابہؓ سے بیعت لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ موقع پر موجود تمام صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا تھا۔ یہ بیعت علی الموت تھی اور تاریخ میں اسے ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب اس بیعت کی خبر مکہ پہنچی تو مشرکین کے چھکّے چھوٹ گئے۔ انہوں نے سفارتی مہم کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کی پیش کش کی اور طویل مذاکرات کے بعد بالآخر فریقین کے مابین صلح حدیبیہ کا تاریخی معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں بایں الفاظ تبصرہ فرمایا: ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ①﴾ ''یقیناً ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔''

اس فرمانِ الٰہی کے اثرات و ثمرات فوری طور پر ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اگلے ہی سال ۷ ہجری میں مسلمانوں نے یہودیوں کا مضبوط گڑھ خیبر فتح کر لیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا اور بیس سال کے اندر اندر اسلامی سلطنت کی حدود تین براعظموں تک وسیع ہو گئیں۔ آیت زیر نظر میں انہی فتوحات کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ㉗﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیات ۲۸ تا ۳۵

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ
وَ اُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ㉘ وَ اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ
اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡکُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ㉙ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ
یُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ㉚ وَ مَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ
وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَیۡنِ ۙ وَ اَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا ㉛ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ
لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِهٖ
مَرَضٌ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ㉜ وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی
وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ
الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا ㉝ وَ اذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ
وَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا ㉞ اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَ الۡمُسۡلِمٰتِ وَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ع
وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَ الۡقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِیۡنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیۡنَ وَ الصّٰبِرٰتِ

وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝

جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس رکوع کے مضمون کا ربط پہلے رکوع کے مضمون کے ساتھ ہے۔ دراصل یہ پورا مضمون معاشرتی اصلاحات سے متعلق ہے جس کی پہلی قسط کے طور پر کچھ احکام یہاں اس سورت میں بیان ہوئے ہیں جبکہ ان احکام کی دوسری قسط سورۃ النور میں ہے جو ایک سال بعد ۶ ہجری میں نازل ہوئی۔ ان اصلاحات میں عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام بھی شامل ہیں۔ اس سے پہلے عرب میں عورتوں کے پردے کا رواج نہیں تھا۔ باہر نکلتے ہوئے عورتیں اگرچہ ایک بڑی سی چادر لپیٹ کر نکلتی تھیں لیکن وہ سر ڈھانپنے اور چہرہ چھپانے کا اہتمام نہیں کرتی تھیں۔ اسی طرح گھروں کے اندر بھی غیر محرم مردوں کا بے تکلف آنا جانا رہتا تھا اور گھر کی خواتین ان مردوں سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ چنانچہ اس معاملے میں تدریجاً اصلاحی احکام دیے گئے اور charity begins at home کے اصول کے مطابق پردے کے ابتدائی حکم میں سب سے پہلے حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کیا گیا۔

قبل ازیں آیت ۲۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ گویا ایک باپ کی حیثیت سے ایک بیٹے کی حیثیت سے داماد کی حیثیت سے سسر کی حیثیت سے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے سپہ سالار کی حیثیت سے سربراہ مملکت کی حیثیت سے امام خطیب معلم مربی مزکی غرض ہر قابل ذکر حیثیت سے آپ ﷺ کی ذات اور زندگی میں ایک کامل نمونہ ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ نمونہ مردوں کے لیے ہے۔ مرد ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کی زندگی میں عورتوں اور عورتوں کے نسوانی معاملات کے لیے تو مکمل نمونہ دستیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے عورتوں کی راہنمائی کے لیے ضروری تھا کہ کسی عورت کے کردار کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ کے اُسوۂ مبارک کا ذکر فرمانے کے بعد حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے گویا ان کے کردار کو دنیا بھر کی عورتوں کے لیے اسوہ بنانا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح حضور ﷺ کی ذات اُمت کے لیے اُسوہ ہے عین اسی طرح آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن خصوصی طور پر خواتینِ اُمت کے لیے مثال اور نمونہ ہیں۔ اسی بنا پر انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ اگر تم نیکی کرو گی تو دوگنا اجر پاؤ گی اور اگر (خدانخواستہ) تم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اس کی سزا بھی تمہیں دوگنا ملے گی۔ اس لیے کہ اب تم لوگوں کی زندگیاں دنیا بھر کی مسلمان خواتین کے لیے اُسوہ ہیں اور مسلمان خواتین کو رہتی دنیا تک تمہاری پیروی کرنا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا﴾ ”اے نبی (ﷺ) آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو“

﴿فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝۲۸﴾ ”تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔“

یہ آیات واقعہ ایلاء سے متعلق ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب فتوحات کے باعث مدینہ میں کثرت سے مالِ غنیمت آنا شروع ہوا تو مجموعی طور پر مسلمانوں کے ہاں خوشحالی آنا شروع ہو گئی۔ ان حالات میں بر بنائے طبع بشری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے بھی تقاضا آیا کہ اب ان کے نفقات بھی بڑھائے جائیں۔ حضور ﷺ نے اس مطالبے کو سخت ناپسند فرمایا اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ مسجد کے ساتھ ایک بالا خانے میں منتقل ہو گئے اور ایک ماہ تک آپؐ نے اپنی کسی بھی اہلیہ محترمہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی۔ جونہی یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو مدینے میں گویا ایک کہرام مچ گیا۔ ہر کوئی پریشان تھا اور ہر کسی کے ذہن میں سوال تھا کہ اب کیا ہو گا؟ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق ہو جائے گی؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق ہو جائے گی؟

شوہر کی طرف سے بیوی کے ساتھ کسی وجہ سے قطع تعلق کی قسم کھا لینے کو فقہ کی اصطلاح میں ''ایلاء'' کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم سورۃ البقرۃ میں اس طرح آیا ہے: ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾﴾ ''جو لوگ اپنی بیویوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے، پس اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' زیر مطالعہ آیات حضور ﷺ کے ایلاء فرمانے کے بعد نازل ہوئیں۔ ان آیات کی ہدایات کے مطابق آپؐ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو واضح طور پر اختیار دے دیا کہ وہ دو راستوں میں سے جو راستہ چاہیں قبول کر لیں۔

آیت ۲۹ ﴿وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾ ''اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طالب ہو تو (اطمینان رکھو کہ) اللہ نے تم جیسی نیک خواتین کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

اب آپ لوگوں کی مرضی ہے کہ دنیا اور اس کی آسائشیں حاصل کرنے کا راستہ اختیار کر لو یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے فقر و فاقہ کی زندگی قبول کر لو۔

اس آیت کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔ حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن۔ ابھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ روایات کے مطابق حضور ﷺ نے سب سے پہلے یہ بات حضرت عائشہؓ کے سامنے رکھی اور ان سے فرمایا کہ اس معاملے میں اپنے والدین کی رائے لے لو، پھر فیصلہ کرو۔ انہوں نے بلا توقف عرض کیا: ''کیا یہ معاملہ میں اپنے والدین سے پوچھوں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طالب ہوں۔'' اس کے بعد حضور ﷺ نے باقی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک ایک کے پاس جا کر یہی بات فرمائی اور ہر ایک نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ نے دیا تھا۔ اور یوں سب ازواجِ مطہراتؓ اپنے مطالبات سے دستبردار ہو گئیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنی زندگیاں اس طرح گزار دیں کہ حضور ﷺ کے کسی ایک گھر میں بھی متواتر دو وقت کا چولہا کبھی گرم نہ ہوا۔

آیت ۳۰ ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ﴾ ''اے نبیؐ کی بیویو! تم میں سے جو کوئی (بالفرض) کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔''

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰﴾ ''اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ نہ سمجھنا کہ آپ نبیؐ کی بیویاں ہو اور نبیؐ آپ کو بچا لیں گے۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا قانون بہت واضح ہے کہ اگر کسی شخص کے اپنے اعمال درست نہ ہوں تو آخرت میں اسے کوئی دوسرا نہیں بچا سکے گا۔ اس حوالے سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ سورۃ التحریم میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا ذکر بھی ہے کہ وہ دونوں انبیاء کی بیویاں ہوتے ہوئے بھی عذاب سے نہ بچ سکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝۲۱۴﴾ (الشعراء) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے تمام خاص و عام کو بلا کر جمع فرمایا اور ایک ایک قبیلے کا نام لے کر اس کے افراد کو مخاطب فرمایا: ((یا بنی کعب بن لؤی!...... یا بنی مُرۃ بن کعب!...... یا بنی عبد شمس!...... یا بنی عبد مناف!...... یا بنی ھاشم!...... یا بنی عبدالمطلب!)) اور ہر ایک کو یہی فرمایا: ((اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ)) ''اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ!'' آخر میں آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے بھی یہی فرمایا: ((يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ ، فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) ''اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ! اس لیے کہ میں تم لوگوں کو اللہ کی گرفت سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔'' (صحیح مسلم' ح:۲۰٤)

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے افراد کو بھی نام لے لے کر مخاطب فرمایا: ((يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا اُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِيْنِيْ بِمَا شِئْتِ، لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) (صحیح مسلم' ح:۲۰٦) ''اے (میرے چچا) عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے محاسبے کے وقت آپ کے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے محاسبے کے وقت آپ کے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے اللہ کے رسول کی بیٹی فاطمہ! مجھ سے جو چاہو مانگ لو' لیکن میں اللہ کے محاسبے کے وقت تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔''

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آیت قرآنی کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ 'معاذ اللہ' نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے کسی بے حیائی کا اندیشہ تھا' بلکہ اس سے مقصود آپ ﷺ کی ازواج کو یہ احساس دلانا تھا کہ اسلامی معاشرے میں ان کا مقام جس قدر بلند ہے اسی کے لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت سخت ہیں' اس لیے ان کا اخلاقی رویہ انتہائی پاکیزہ ہونا چاہیے۔

آیت ۳۱ ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہے گی اور نیک عمل کرے گی تو اسے ہم دوگنا

اجر دیں گے"

﴿وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾﴾ "اور اُس کے لیے ہم نے عزت والا رزق تیار کر رکھا ہے۔"

جنت میں انہیں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

آیت ۳۲ ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ "اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو"

مراد یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی بیویاں ہونے کی حیثیت سے تمہیں تا قیامِ قیامت امت کی خواتین کے لیے اُسوہ بننا ہے۔

آئندہ آیات میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردے سے متعلق خصوصی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی ہدایت یہ ہے:

﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ "اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو گفتگو میں نرمی پیدا نہ کرو"

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے ان آیات کے نزول کے وقت عربوں کے رواج کے مطابق غیر مرد ایک دوسرے کے گھروں میں بے دھڑک آتے جاتے تھے اور گھر کی عورتوں سے بلا روک ٹوک گفتگو بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ اگر کسی مرد سے تمہیں براہِ راست کبھی کوئی بات کرنی پڑے تو تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری آواز میں کسی قسم کی نزاکت' نرمی یا چاشنی کا شائبہ تک نہ ہو۔

﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ "کہ وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے وہ کسی لالچ میں پڑ جائے"

ظاہر ہے کہ منافق بھی اسی معاشرے میں موجود تھے اور وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کا واقعہ اس کی واضح مثال ہے جس کی تفصیل ہم سورۃ النور میں پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ پہلے اقدام کے طور پر یہاں غیر محرم مردوں سے بات چیت میں احتیاط کا حکم دیا گیا ہے' کیونکہ مخاطب خاتون کی آواز میں نرمی اور لوچ محسوس کر کے گندی ذہنیت کے حامل کسی شخص کے دل میں کوئی منفی آرزو پیدا ہو سکتی ہے اور وہ بات آگے بڑھانے کی کوشش کا سوچ سکتا ہے۔

﴿وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾﴾ "اور بات کرو معروف انداز میں۔"

اندازِ گفتگو میں نہ نرمی و نزاکت کی جھلک ہو اور نہ ہی ترشی و تلخی کا رنگ' بس معقول اور معروف انداز میں صرف ضرورت کی بات چیت ہونی چاہیے۔

آیت ۳۳ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ "اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو"

ایک مخلوط معاشرے کو اسلامی معاشرے میں بدلنے کے سلسلے میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ عورت کا اصل اور مستقل مقام اس کا گھر ہے۔ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ گھر کے اندر رہ کر ماں' بہن' بیٹی یا بیوی کا کردار خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی کوشش کرے۔

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ "اور مت نکلو بن سنور کر پہلے دورِ جاہلیت کی طرح"

تبرّج کے معنی ہیں نمایاں ہونا اور نمائش کرنا۔ یہاں اس سے عورتوں کا بناؤ سنگھار کر کے غیر مردوں کے

سامنے خود کو نمایاں کرنے کا عمل مراد ہے۔ اس عمل کا مقصد عورت کی اس خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں اور وہ ان کی توجہات کا مرکز بنے۔ عربوں کے ہاں تو اپنے تمدن اور طرزِ معاشرت پر بڑھ چڑھ کر فخر کیا جاتا تھا اور وہ فرعون کی طرح اسے ''مثالی کلچر'' ﴿بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى﴾ (طٰہٰ) قرار دیتے ہوں گے' لیکن قرآن نے ان طور طریقوں کو ''جاہلیت'' کی علامت قرار دیا ہے اور مسلمان خواتین کو ہدایت کی ہے کہ وہ خود کو اپنے گھروں تک محدود رکھیں اور بن ٹھن کر باہر نکلنے کے طور طریقے ترک کر دیں۔

﴿وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ﴾ ''اور نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہو۔''

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ۞۳۳﴾ ''اللہ تو بس یہی چاہتا ہے اے نبیؐ کے گھر والو! کہ وہ دور کر دے تم سے ناپاکی اور تمہیں خوب اچھی طرح پاک کر دے۔''

اے نبیؐ کی بیویو! جس طرح محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی مثالی شخصیت میں امت کے لیے اُسوہ ہے' اسی طرح تمہاری شخصیات کو بھی پوری امتِ مسلمہ کی خواتین کے لیے اسوہ اور نمونہ بننا ہے۔ اس لیے اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور صاف کر کے تہذیبِ نفس' تصفیہِ قلب اور تزکیہِ باطن کا اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے۔

یہاں پر اَهۡلَ الۡبَيۡتِ کے خطاب کی مخاطب بلاشبہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں' کیونکہ خطاب کا آغاز ہی يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ کے الفاظ سے کیا گیا ہے اور اس سے پہلی اور بعد کی آیات میں سارا خطاب انہی سے ہے۔ اس سے پہلے سورۂ ہود کی آیت ۷۳ میں بھی یہ لفظ (اھل البیت) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترم حضرت سارہؓ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جب فرشتے انسانی شکلوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے تو انہوں نے حضرت سارہؓ کو مخاطب کر کے یوں کہا: ﴿رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ﴾ ''اللہ کی رحمتیں اور اُس کی برکتیں ہوں تم پر اے (نبیؑ کے) گھر والو!'' چنانچہ اس ضمن میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ ''اہل بیت'' سے اصلاً ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں۔ البتہ حضرت فاطمہ' حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُم المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حضور ﷺ کا یہ فرمان: ((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهۡلُ بَيۡتِيۡ فَاَذۡهِبۡ عَنۡهُمُ الرِّجۡسَ وَطَهِّرۡهُمۡ تَطۡهِيۡرًا))(۱) گویا ان شخصیات کو بھی اہل بیت کے دائرے میں شامل کرنے سے متعلق ہے کہ اے اللہ! یہ لوگ بھی میرے اہلِ بیت ہیں' چنانچہ ان سے بھی گندگی دور کر دے اور انہیں پاک کر دے۔

آیت ۳۴ ﴿وَاذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ ؕ﴾ ''اور یاد کیا کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں (سنائی جاتی ہیں)۔''

آپ لوگوں کے گھروں میں اللہ کے رسول ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے اور یہاں سے دنیا بھر کو آیاتِ الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دی جاتی ہے' اس لیے آپ لوگ سب سے بڑھ کر آیاتِ الٰہی کو سننے اور ان پر عمل کرنے کی مکلّف ہو۔ اس لحاظ سے بھی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امتیازی شرف حاصل

(۱) سنن الترمذی' ابواب تفسیر القرآن' باب ومن سورة الاحزاب۔ ح: ۳۷۸۷' ۳۸۷۱' ۳۲۰۵۔

ہے۔ حضورﷺ نے ایک بار حضرت اُمّ سلمہ ؓ سے حضرت عائشہ ؓ کے بارے میں فرمایا تھا: ((فَاِنَّهٗ وَاللّٰهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَاَنَا فِيْ لِحَافِ امْرَاَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرَهَا))(۱) ''اللہ کی قسم! مجھ پر اس حال میں کبھی وحی نازل نہیں ہوئی کہ میں تم میں سے کسی عورت کے لحاف میں ہوں سوائے عائشہؓ کے''۔ ظاہر ہے وحی کا نزول تو حضورﷺ کے قلب مبارک پر ہوتا تھا۔ اس کے لیے ظاہری طور پر تو کوئی خاص اہتمام کرنے اور جبرائیل علیہ السلام کو استیذان کی ضرورت نہیں تھی۔ جب اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا وحی کے ساتھ آپؐ کے دل پر نازل ہو گئے۔

آیت میں ''حکمت'' سے وحی خفی یعنی حضورﷺ کے فرمودات مراد ہیں۔ گویا حکمتِ نبویؐ کی تعلیمات سے بھی سب سے بڑھ کر ازواجِ نبیؐ ہی مستفیض ہو رہی تھیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت باریک بین' ہر چیز سے باخبر ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ ''یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں''

''مسلم'' کے لفظی معنی ہیں فرمانبردار اور سرِ تسلیم خم کرنے والا۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اس آیت کے ساتھ سورۃ النور کی آیت ۳۵ کی ایک خاص مناسبت ہے۔ سورۃ النور کی مذکورہ آیت یہ ہے: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾﴾ ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق' اس (طاق) میں ایک روشن چراغ ہے' وہ چراغ شیشے (کے فانوس) میں ہے' اور وہ شیشہ چمک رہا ہے جیسے کہ ایک چمکدار ستارہ ہو' وہ (چراغ) جلایا جاتا ہے زیتون کے ایک مبارک درخت سے' جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی' قریب ہے اس کا روغن (خود بخود) روشن ہو جائے' چاہے اسے نہ چھوئے آگ۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ ہدایت دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہتا ہے' اور اللہ یہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے' جبکہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

سورۃ النور کی اس طویل آیت میں ایمان کی ماہیت و حقیقت اور ایمان کے اجزائے ترکیبی کا ذکر ہے۔ لیکن دل میں حقیقی ایمان کے جاگزیں ہو جانے کے باعث متعلقہ شخصیت کے اندر جو اوصاف پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ یہاں خصوصی طور پر ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں معاشرتی اصلاحات کے بارے میں جو احکام آئے ہیں ان میں عورتوں سے متعلق مسائل کی خصوصی اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت زیر نظر میں یہاں خصوصی طور پر مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر علیحدہ صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے' جبکہ اس ضمن میں قرآن کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ اکثر احکام مذکر کے صیغے میں دیے جاتے ہیں' یعنی مَردوں کو مخاطب کر کے ایک حکم دے دیا گیا اور بر سبیلِ ''تغلیب'' عورتیں خود بخود اس حکم میں شامل ہو گئیں۔ جیسے

(۱) صحیح البخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ' باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ مذکر کا صیغہ ہے لیکن اس حکم میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ بہر حال اس آیت میں تکرار کے ساتھ مردوں کے ساتھ خصوصی طور پر عورتوں کا ذکر کر کے دونوں کے لیے دس اوصاف گنوائے گئے ہیں:

﴿وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ ''اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں''

''صدق'' سے مراد یہاں زبان کی سچائی کے ساتھ ساتھ عمل اور کردار کی سچائی ہے۔

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾ ''اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں''

یعنی اللہ کے حضور جھک کر رہنے والے مرد اور عورتیں۔

﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ ''اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں''

﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾ ''اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں''

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ ''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں''

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۳۵﴾ ''اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ــــ آمین!

آیات ۳۶ تا ۴۰

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۳۶ؕ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۳۷ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۳۸ۙ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا

يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ
رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ۝ ع

اب آئندہ آیات میں حضور اکرم ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق معاملے کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ پہلے رکوع میں اس مضمون کی تمہید کے طور پر مُنہ بولے بیٹے کے بارے میں مختصر حکم آیا تھا' لیکن یہاں پر اس معاملے کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مثلاً پہلے حضور ﷺ کے حکم اور خواہش کے مطابق حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ہونا' بعد میں ناچاقی کی شکایت پر بھی حضور ﷺ کا حضرت زیدؓ کو طلاق نہ دینے کی ہدایت کرنا' پھر حضور ﷺ کا یہ سوچنا کہ چونکہ میں نے اصرار کر کے نکاح کروایا تھا' اس لیے اب اگر طلاق ہوئی تو حضرت زینبؓ کے لیے اس کے علاوہ تلافی کی کوئی صورت نہیں ہو گی کہ میں خود ان سے نکاح کرلوں۔ پھر آپؐ کا یہ سوچنا کہ اگر میں خود نکاح کروں گا تو مُنہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنے پر مخالفین ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کچھ مضائقہ نہیں تھا' لیکن پھر بھی حضور ﷺ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ اسی شش و پنج میں تھے کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔

آیت ۳۶ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ﴾ ''اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لیے روا نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول (ﷺ) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو (پھر بھی انہیں یہ خیال ہو کہ) ان کے لیے اپنے اس معاملے میں کوئی اختیار باقی ہے۔''

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ کے لیے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام بھجوایا تھا اور حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہؓ بن جحش اسے منظور کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد وہ فوراً آمادہ ہو گئے۔

﴿وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا ۝﴾ ''اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے اگرچہ اس فقرے کا تعلق پس منظر میں بیان کیے گئے معاملہ سے ہے' لیکن اس حکم کی نوعیت ایک قاعدہ کلیہ کی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلے کے بعد بھی کسی معاملے میں یہ سمجھے کہ اب بھی اس کے پاس کوئی اختیار (option) باقی ہے تو وہ گویا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ اس لحاظ سے ان کا تعلق قریش کے اونچے خاندان سے تھا۔ دوسری طرف حضرت زیدؓ بن حارثہ آزاد کردہ غلام تھے۔ اگرچہ ان کا تعلق بھی عرب کے ایک شریف خاندان سے تھا' لیکن غلام تو وہ بہرحال رہ چکے تھے۔ اس لیے اگرچہ اس حکم کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں نے اس نکاح کو قبول کر لیا تھا' لیکن گمانِ غالب یہی ہے کہ حضرت

زینبؓ خاندانی تفاوت کے معاملے میں اپنے جذبات واحساسات کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شوہر کے طور پر مطلوبہ ادب واحترام نہ دے سکیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے متعدد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت حال کی شکایت بھی کی اور طلاق دینے کی اجازت بھی چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دفعہ انہیں موافقت کی کوشش کرنے کی ہدایت فرما دیتے:

آیت ۳۷ ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾

”اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) جب آپ کہتے تھے اُس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا تھا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو“

اس سے مراد حضرت زیدؓ ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام واحسان یہ تھا کہ وہ گردشِ زمانہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے تھے اور آپؐ کے گھر میں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہے تھے۔ ان کے والد حارثہ بن شراحیل کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ حضرت زیدؓ جب آٹھ سال کے بچے تھے تو اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننھیال گئے۔ ان کے قافلے پر دشمن قبیلے نے حملہ کر دیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے ان میں یہ بھی تھے۔ پھر انہوں نے عُکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حکیم بن حزام تھے، جنہوں نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا نکاح ہوا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اُس وقت ان کی عمر ۱۵ برس تھی۔ کچھ مدت کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا ان کو تلاش کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں، آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا چاہتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہیں لوں گا اور اسے جانے دوں گا، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں اسے زبردستی آپ کے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ وہ دونوں حضرات بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، یہ میرے والد اور میرے چچا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا، تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ زیدؓ نے جواب میں کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ ان کے باپ اور چچا نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور کہا کہ کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے؟ لیکن حضرت زیدؓ کسی طرح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ اس روز سے انہیں زید بن محمدؐ پکارا جانے لگا۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ نزولِ وحی کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک لمحہ شک وتردد کے بغیر آپؐ کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی۔ ایک حضرت خدیجہؓ دوسرے حضرت زیدؓ تیسرے حضرت علی اور چوتھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم۔ اُس وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۳۰ سال تھی

اور ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ برس بیت چکے تھے۔ ہجرت کے بعد ۴ھ میں حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ اپنی طرف سے ان کا مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لیے ان کو ضروری سامان عنایت فرمایا۔ یہی حالات ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ ''جس پر اللہ نے بھی انعام کیا تھا اور آپؐ نے بھی انعام کیا تھا۔'' (ماخوذ از تفہیم القرآن — اضافہ از مرتب)

﴿وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِیۡهِ﴾ ''اور آپؐ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا''

﴿وَتَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰهُ ؕ﴾ ''اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپؐ اس سے ڈریں۔''

نبی اکرم ﷺ محسوس فرما رہے تھے کہ اگر زیدؓ نے طلاق دے دی تو مجھے خود زینبؓ سے نکاح کرنا پڑے گا، لیکن ساتھ ہی آپؐ کو مخالفین کی طرف سے منفی پراپیگنڈے کا خدشہ بھی تھا۔ اگرچہ اس سورت کی ابتدائی آیات میں منہ بولے بیٹے کی شرعی اور قانونی حیثیت واضح فرما دی گئی تھی اور متعلقہ آیات کے نزول کے بعد لوگ انہیں زیدؓ بن محمد ﷺ کے بجائے زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے تھے، لیکن پھر بھی اندیشہ تھا کہ منافقین اس مسئلے کو بہانہ بنا کر حضور ﷺ کے خلاف واویلا کریں گے۔

﴿فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا﴾ ''پس جب زیدؓ نے اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیا تو اسے ہم نے آپؐ کی زوجیت میں دے دیا''

یعنی جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور عدت بھی پوری ہو گئی تو ہم نے اس کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے حضرت زینبؓ کے نکاح کی نسبت خصوصی طور پر اپنی طرف فرمائی۔ کلام اللہ کا یہ اندازِ بیان حضرت زینبؓ کے لیے یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان الفاظ پر فخر کرتے ہوئے دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے کہا کرتی تھیں کہ آپ سب لوگوں کے نکاح زمین پر ہوئے جبکہ میرا نکاح آسمانوں پر ہوا اور اللہ نے خود میرا نکاح پڑھایا۔ کلام اللہ کے ان الفاظ سے یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا تھا۔

﴿لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ﴾ ''تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنا تعلق بالکل کاٹ لیں۔''

یعنی حضور ﷺ کے اس نکاح کے ذریعے عرب معاشرے سے جاہلیت کی اس رسم کا خاتمہ بھی ہو جائے اور قیامت تک کے لیے ایک قانون بھی وضع ہو جائے تاکہ آئندہ منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کے معاملے کو ''محرماتِ ابدیہ'' کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جائے۔ واضح رہے کہ محرماتِ ابدیہ کی فہرست سورۃ النساء آیت ۲۳ اور ۲۴ میں دی گئی ہے۔

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ ''اور اللہ کا فیصلہ تو پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔''

اس سارے معاملے میں یہی حکمت اور مصلحت پوشیدہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس فضول رسم کا خاتمہ حضور ﷺ کے ذاتی عمل سے کرنا چاہتا تھا۔ بعض نظریات اور خیالات معاشرے میں اس قدر پختہ اور گہرے ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی عمل یا بات لوگ آسانی سے قبول نہیں کرتے۔ متبنیٰؒ کی بیوہ یا مُطلّقہ کے ساتھ مُنہ بولے باپ کے نکاح کے بارے میں عرب معاشرے کے اندر مروّجہ خود ساختہ قانون بھی اسی زمرے میں آتا تھا۔ اس لیے اس قانون یا روایت کو خود حضور ﷺ کی ذاتی مثال کے ذریعے سے توڑنا مناسب خیال کیا گیا۔ چنانچہ آپؐ کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد اس مسئلے میں کسی قسم کا ابہام یا شک باقی نہ رہا۔

آیت ۳۸ ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ﴾ ''نبیؐ پر کوئی مضائقہ نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لیے فرض کر دی ہے۔''

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں۔''

تمام نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو چیز اُن پر فرض کر دی جاتی تھی اس پر انہیں عمل کرنا ہوتا تھا۔

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا﴾ ''اور اللہ کا فیصلہ قطعی طے شدہ تھا۔''

یہ سارا معاملہ اللہ کی مشیت میں پہلے سے طے ہو چکا تھا اور اس فیصلے کی تنفیذ کے لیے وقت مقرر کیا جا چکا تھا۔

آیت ۳۹ ﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ﴾ ''وہ (اللہ کے رسولؑ) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور صرف اُسی سے ڈرتے ہیں''

یعنی سابقہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی بلا خوفِ لومۃ لائم تبلیغ کرتے رہے ہیں اور اس معاملے میں انہوں نے کسی کی پروا نہیں کی۔

﴿وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ ''اور وہ نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے۔ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔''

آیت ۴۰ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ ''(دیکھو!) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں''

یہاں ایک دوسرے انداز میں واضح کر دیا گیا کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ زیدؓ بن حارثہ محض آپؐ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اب جبکہ اس ضمن میں ایک واضح حکم نازل ہو چکا ہے تو یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے صاف ہو جانا چاہیے۔

حضور ﷺ کے ہاں جو نرینہ اولاد ہوئی اسے اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی اٹھا لیا۔ آپؐ کی آخری عمر میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی لیکن وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو

گئے۔ آپؐ کو اپنے بیٹے ابراہیمؑ سے بہت محبت تھی۔ ان کی وفات سے حضور ﷺ کو بہت تکلیف پہنچی، جس کا اظہار آپؐ کے اس فرمان سے ہوتا ہے: یا ابراهیم انا بِفِراقِك لمحزونون ''اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی میں بہت رنجیدہ ہیں۔''

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہؑ کا تعلق بھی مصر سے تھا جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے حضور ﷺ کا تعلق ہے اور حضورؐ نے اپنے اس بیٹے کا نام ابراہیمؓ رکھا جو مصر سے تعلق رکھنے والی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھا۔

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾ ''بلکہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔''

محمد ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کی آمد سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی' اب آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ جاہلیت کی غلط رسومات اگر آپؐ ختم نہ کرتے تو آپؐ کے بعد پھر اور کون انہیں ختم کرتا؟ اگر آپؐ ذاتی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح نہ کرتے تو یہ رسم اس طرح حتمی انداز میں ختم نہ ہوتی۔

یہاں اس آیت کے حوالے سے رسالت اور نبوت میں لطیف فرق کو بھی سمجھ لیجیے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی' لیکن آپ ﷺ کی رسالت اب بھی قائم و دائم ہے اور تا قیام قیامت قائم و دائم رہے گی۔ اپنی حیات مبارکہ میں آپؐ براہِ راست بنفس نفیس رسالت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے مگر اب آپؐ کے امتی آپؐ کی طرف سے یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ آج دین کے جو خدام قرآن کا پیغام خلقِ خدا تک پہنچا رہے ہیں وہ گویا رسالتِ محمدیؐ ہی کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ کے یہ الفاظ گویا اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ''اور میری جانب یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے اور اس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے''۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے اپنی رسالت کی ترویج و اشاعت کا یہ فریضہ امت کو سونپتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ''اب پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان تک جو موجود نہیں ہیں''۔ لہٰذا محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت آپؐ کی اُمت کے ذریعے سے مسلسل قائم و دائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ''خاتم'' کا جو لفظ آیا ہے وہ رسالت کے لیے نہیں بلکہ نبوت کے لیے آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا وحی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ گویا نبوتِ محمدیؐ اس دنیا میں حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ قائم تھی اور آپؐ کے وصال کے ساتھ ختم ہوگئی' لیکن رسالتِ محمدیؐ قیامت تک قائم رہے گی۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰﴾ ''اور یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

آیات ۴۱ تا ۴۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۴۱ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۴۲ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ

عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝۴۳ تَحِيَّتُهُمْ
يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝۴۴ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۝۴۵ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝۴۶ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ۝۴۸

آیت ۴۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۴۱﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا ذکر کیا کرو کثرت کے ساتھ۔''

مراد یہ ہے کہ انسان ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے اور ایک پنجابی کہاوت ''ہتھ کار وَل' دل یار وَل'' کے مصداق اپنے روزمرہ معمولاتِ زندگی کے دوران بھی ہر گھڑی' ہر قدم پر اللہ کی یاد اس کے دل میں مستحضر رہے۔ عملی طور پر ''ذکر کثیر'' کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم مسنون دعاؤں کو یاد کر کے انہیں اپنے معمولات کا حصہ بنالیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں ہر کیفیت اور ہر موقع محل کے لیے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ مثلاً گھر میں داخل ہونے کی دعا' گھر سے باہر نکلنے کی دعا' بازار میں داخل ہونے اور باہر جانے کی دعا' بیت الخلاء میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دعا۔ اگر ہم ان مسنون دعاؤں کو اپنے معمولات میں شامل کر لیں تو کوئی اضافی وقت صرف کیے بغیر اپنے کام کاج کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسلسل اپنا تعلق قائم رکھ سکتے ہیں۔ نمازِ پنجگانہ بھی اللہ کے ذکر کی بہترین صورت ہے۔ البتہ بندۂ مؤمن کے لیے اللہ کا سب سے اعلیٰ ذکر قرآن کریم کی تلاوت ہے' جیسا کہ سورۃ العنکبوت کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵﴾ ''تلاوت کرتے رہا کریں اس کی جو وحی کی گئی ہے آپؐ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کریں۔ یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بُرے کاموں سے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔''

آیت ۴۲ ﴿وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۴۲﴾ ''اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔''

آیت ۴۳ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾ ''وہی ہے جو رحمتیں بھیجتا رہتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی' تاکہ نکالے تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔''

یہاں پر اہل ایمان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے کے حوالے سے وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اسی سورت کی آیت ۵۶ میں نبی اکرم ﷺ کے لیے آئے ہیں۔ وہاں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ﴾ ''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں نبی (ﷺ) پر''۔ بہر حال یہ آیت مؤمنین کے حق میں ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور عنایتوں میں سے ہر اہل ایمان کو بھی حصہ عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی اہل ایمان کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾﴾ ''اور اہل ایمان کے حق میں وہ بہت مہربان ہے۔''

آیت ۴۴ ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾﴾ ''جس دن وہ اُس سے ملیں گے تو ان کی دعا ''سلام'' ہوگی' اور اُس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے بہت باعزت اجر۔''

آیت ۴۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾﴾ ''اے نبیؐ! یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔''

اس آیت کے الفاظ نبوت اور رسالت کے درمیان ربط و تعلق کو بھی واضح کر رہے ہیں۔ نبوت اور رسالت کے تعلق یا فرق کو کسی شخص کے کسی محکمے کے لیے منتخب ہونے اور پھر اس محکمے کے اندر کسی مخصوص منصب پر اس کے ''تقرر'' کی مثال سے سمجھنا چاہیے۔ مثلاً جو لوگ مقابلے کے امتحان میں کامیاب قرار پاتے ہیں وہ سی ایس پی کیڈر (cadre) کے لیے منتخب ہو جاتے ہیں۔ لیکن محض اس کیڈر میں منتخب ہو جانے سے ان میں سے کسی کو نہ تو کوئی اختیار ملتا ہے اور نہ ہی کسی پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن جب ان میں سے کسی کا کسی منصب یا عہدے پر تقرر کر دیا جاتا ہے' مثلاً کسی جگہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے تعینات کر دیا جاتا ہے' تو اس منصب کے اختیارات بھی اسے حاصل ہو جاتے ہیں اور اس سے متعلقہ ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر آ جاتی ہیں۔ اس مثال کے حوالے سے یوں سمجھئے کہ نبوت ایک ''کیڈر'' ہے' جبکہ رسالت ایک خصوصی ''تقرر''۔ یعنی نسلِ انسانی میں سے جو لوگ نبوت کے لیے منتخب ہوئے وہ سب انبیاء قرار پائے۔ لیکن جب ان میں سے کسی نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تو انہیں رسالت مل گئی اور اس ''تقرر'' کے بعد وہ رسول بن گئے۔

اسی اصول کے تحت حضور ﷺ کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی نبوت کا ظہور پہلی وحی کے ساتھ ہوا' جبکہ آپؐ کی رسالت کا آغاز اس وقت ہوا جب آپؐ کو باقاعدہ تبلیغ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پہلی وحی ان آیات پر مشتمل تھی: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾﴾ ''پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے پیدا کیا انسان کو اُس جونک کی طرح کی چیز سے جو رحمِ مادر میں چمٹ گئی تھی۔ پڑھئے اور آپؐ کا رب بہت کریم ہے۔ وہ ذات جس نے (علم) سکھایا قلم کے ذریعے۔ اس نے سکھایا انسان کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

ان پانچ آیات کے اندر نہ تو آپؐ کو تبلیغ کا کوئی حکم دیا گیا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی اور ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس لیے بجا طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ اس وحی کے ذریعے صرف آپؐ کی نبوت کا ظہور ہوا تھا' جبکہ آپؐ کی رسالت کا آغاز اس وحی سے ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾﴾ (المدثر) ''اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھئے اور خبردار کیجیے' اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے''۔ ان آیات میں گویا آپؐ کو لوگوں تک پیغام پہنچانے کا واضح حکم دے کر باقاعدہ ''رسالت'' کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ چنانچہ زیر مطالعہ آیت میں حضور ﷺ کو ''نبی'' کی حیثیت سے مخاطب کر کے منصبِ رسالت عطا کرنے کے ذکر (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ) سے جہاں نبوت اور رسالت کا فرق واضح ہو جاتا ہے وہاں اس نکتے کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ پہلے آپؐ کو

نبوت عطا ہوئی اور بعد میں رسالت۔

آیت میں رسالت کے حوالے سے حضورﷺ کی جن تین ذمہ داریوں (شہادت علی الناس‘ تبشیر اور انذار) کا ذکر کیا گیا ہے ان کی وضاحت قرآن کی بہت سی دوسری آیات میں بھی ملتی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں آپؐ کی ''شہادت'' کی ذمہ داری کے حوالے سے یوں فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسَط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ مضمون ان ہی الفاظ میں آیا ہے‘ البتہ الفاظ کی ترتیب ذرا مختلف ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ ''تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو''۔ اسی طرح تبشیر اور انذار کے حوالے سے بھی قرآن میں بہت سی آیات آئی ہیں‘ صیغہ واحد میں بھی اور جمع کے صیغہ میں بھی۔

آیت ۴۶ ﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝۴۶﴾ ''اور اللہ کی طرف بلانے والا اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر۔''

یہاں پر بِاِذْنِهٖ کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے لیے ''مامور من اللہ'' ہو کر آتا ہے۔ ویسے تو اللہ کا جو بندہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے وہ داعی الی اللہ ہے‘ لیکن ایک عام داعی اور ایک رسول کی دعوت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ فرق اس مثال سے سمجھئے کہ حفظانِ صحت کے اصولوں کا خیال رکھنا ہر شہری کا فرض ہے۔ یہ گویا اصولِ شہریت ہے اور عام طور پر گلی محلے میں ایک دوسرے کو اس کی تلقین بھی کی جاتی ہے‘ اجتماعی طور پر بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ماحول صاف رہے اور آلودگی نہ پھیلے‘ اور اس کوشش کے اثرات معاشرے کے اندر کسی نہ کسی حد تک نظر بھی آتے ہیں۔ لیکن ان تمام کوششوں کا مقابلہ یا موازنہ اس محکمے کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا جسے حکومت کی طرف سے خصوصی اختیارات کے ساتھ حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل درآمد کی ذمہ داری سونپی گئی ہو۔ اس محکمے کے چھوٹے بڑے کارندے اسی کام پر مامور ہوں اور اسی کام کی تنخواہ لیتے ہوں۔ اسی طرح سے ملک کے دفاع کی مثال لی جا سکتی ہے۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق خود کو دفاعِ وطن کے لیے تیار رکھے‘ لیکن اس فرض کی ادائیگی کے لیے جب باقاعدہ ایک فوج تیار کی جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ اس پہلو سے زیر مطالعہ آیت میں بِاِذْنِهٖ کے لفظ سے رسالت کے فرضِ منصبی کی اہمیت کو خصوصی طور پر اجاگر کیا گیا ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ کوئی عام داعی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کے لیے خصوصی طور پر مامور کر کے بھیجا ہے۔

آیت ۴۷ ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷﴾ ''اور آپؐ اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور آپؐ ان کافروں اور منافقوں کی باتوں کا دھیان نہ کریں اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کر دیں اور اللہ پر توکّل کریں۔''

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے (آپؐ کے لیے) مددگار کے طور پر۔''
یہ لوگ جو چاہیں منصوبے بنا لیں اور جس قدر چاہیں آپؐ کے خلاف کوششیں کر لیں، یہ آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

آیات ۴۹ تا ۵۲

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ
اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً
مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ
عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ
وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ
وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا
يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا
مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع ۶ ۱۲

آیت ۴۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾
''اے اہلِ ایمان! جب تم مومن خواتین سے نکاح کرو، پھر انہیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ انہیں چھوؤ''
اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۳۶ اور ۲۳۷ میں قبل از خلوت طلاق کی صورت میں مہر سے متعلق ہدایات ہم پڑھ چکے ہیں۔ مذکورہ آیات کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو اور خلوت سے قبل ہی شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے تو ایسی صورت میں وہ اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔ اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو اور قبل از خلوت طلاق کی نوبت آ جائے تو اس صورت میں مرد کے لیے آدھے مہر کی ادائیگی لازمی ہوگی۔ اب اس آیت میں قبل از خلوت طلاق کی صورت میں عدّت کے مسئلے کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ﴾ ''تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کی تم انہیں گنتی پوری کراؤ۔''

عِدّت کا مقصد تو یہ ہے کہ سابق شوہر سے حمل کے ہونے یا نہ ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ چنانچہ جب خلوتِ صحیحہ کی نوبت ہی نہیں آئی اور حمل ہونے کا کوئی امکان ہی پیدا نہیں ہوا تو عدت کی ضرورت بھی نہیں رہی۔

﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۴۹﴾ ''پس انہیں کچھ دے دلا کر بڑی خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دو۔''

آیت ۵۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کے لیے حلال ٹھہرایا ہے آپ کی ان تمام ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کیے ہیں''

﴿وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾ ''اور (ان کو بھی) جو آپؐ کی مِلکِ یمین (باندیاں) ہیں' ان سے جو اللہ نے آپؐ کو بطورِ 'فے' عطا کیں''

جیسے مصر کے فرمانروا مقوقس نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

﴿وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ﴾ ''(اسی طرح آپؐ کو نکاح کرنا جائز ہے) اپنے چچا کی بیٹیوں سے اور اپنی پھوپھیوں کی بیٹیوں سے' اور اپنی ماموؤں کی بیٹیوں اور اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے''

﴿الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ﴾ ''جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی۔''

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ ''اور وہ مؤمن عورت بھی جو ہبہ کرے اپنا آپ نبیؐ کے لیے''

﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ﴾ ''اگر نبیؐ اسے اپنے نکاح میں لانا چاہیں۔''

یعنی وہ مسلمان خاتون جو مہر کا تقاضا کیے بغیر خود کو آپؐ کی زوجیت کے لیے پیش کرے اور آپؐ اسے قبول فرمائیں۔

﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ ''یہ (رعایت) خالص آپؐ کے لیے ہے' مؤمنین سے علیحدہ۔''

اس سلسلے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جا رہا ہے۔

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ ''ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے ان (عام مسلمانوں) پر ان کی بیویوں اور ان کی باندیوں کے ضمن میں فرض کیا ہے''

ایک عام مسلمان ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح باندیوں کے بارے میں بھی ان پر طے شدہ قواعد و ضوابط کی پابندی لازم ہے۔

﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰﴾ ''تاکہ آپؐ پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اس موضوع کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح کرنے میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کا عمل دخل تھا۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں اور اس کے بعد آپؓ ایک طویل مدت تک خواتینِ اُمت کے لیے ایک معلّمہ کا کردار ادا کرتی رہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

بہت سے ایسے نکاح بھی کیے جن کی وجہ سے متعلقہ قبائل کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئے اور اس طرح اسلامی حکومت اور ریاست کو تقویت ملی۔ یہ مصلحتیں اس بات کی متقاضی تھیں کہ حضور ﷺ کے لیے نکاح کے معاملے میں کوئی تنگی باقی نہ رکھی جائے' تاکہ جو عظیم کام آپؐ کے سپرد کیا گیا تھا اس کی ضروریات کے لحاظ سے آپ جتنے نکاح کرنا چاہیں کر لیں۔

آیت ۵۱ ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ﴾ ''آپؐ ان میں سے جس کو چاہیں پیچھے ہٹائیں اور جس کو چاہیں اپنے قریب جگہ دیں۔''

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو خصوصی اجازت دے دی گئی کہ آپؐ کے لیے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان مساوات کا برتاؤ اور برابری کا سلوک کرنا ضروری نہیں۔ آپؐ کو اجازت تھی کہ آپؐ چاہیں تو کسی زوجہ محترمہ کے پاس زیادہ دیر ٹھہریں اور چاہیں تو کسی کو نسبتاً کم وقت دیں۔

﴿وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ﴾ ''اور جن کو آپؐ نے دور کر دیا تھا' ان میں سے کسی کو (دوبارہ قریب کرنا) چاہیں تو بھی آپؐ پر کوئی حرج نہیں۔''

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ﴾ ''یہ زیادہ قریب ہے اس سے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور وہ سب کی سب راضی رہیں اس پر جو بھی آپ انہیں دیں۔''

یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ آپؐ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپؐ کی طرف سے کسی چیز یا کسی سلوک کو اپنا حق نہ سمجھیں اور آپؐ انہیں جو کچھ بھی عطا فرمائیں اسے آپؐ کی عنایت سمجھتے ہوئے خوشی خوشی قبول کر لیں۔ اگرچہ اس حکم کے بعد حضور ﷺ پر ازواج کے مابین مساوات کا برتاؤ واجب نہیں رہا تھا مگر اس کے باوجود آپؐ ہمیشہ نان ونفقہ سمیت ایک ایک چیز میں ناپ تول کی حد تک سب کے ساتھ برابر کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ تمام ازواج کے ہاں شب باشی کے لیے بھی آپؐ نے باری مقرر فرما رکھی تھی۔ اسی طرح جب آپؐ مدینہ میں ہوتے تو نمازِ عصر کے بعد باری باری سب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے اور اس دوران وقت کی تقسیم میں مساوات کا خیال فرماتے۔ غرض ہر معاملے میں آپؐ بہت محتاط انداز میں عدل و مساوات کا اہتمام فرماتے اور اس کے باوجود فرمایا کرتے: ((اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ))(۱) ''اے اللہ! جو چیزیں میرے اختیار میں ہیں ان میں تو میں نے برابر کی تقسیم کر دی ہے' لیکن جو میرے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ تیرے اختیار میں ہیں ان کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا''۔ یعنی ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کے حوالے سے ظاہری چیزوں کی حد تک تو کوشش کی جا سکتی ہے مگر دل کے رجحان یا میلان کو برابر تقسیم کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ اس حوالے سے سورۃ النساء میں بہت واضح حکم آ چکا ہے: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب النکاح' باب فی القسم بین النساء' ح: ۲۱۳۴۔

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴿۱۲۹﴾ اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان انصاف کر سکو چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص بنو‘ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ اور دوسری کو معلق کر کے چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَلِيۡمًا﴿۵۱﴾﴾ ’’اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا‘ بہت بردبار ہے۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ﴾ ’’اب اس کے بعد اور عورتیں آپؐ کے لیے حلال نہیں اور نہ ہی (اس کی اجازت ہے کہ) آپؐ ان میں سے کسی کی جگہ کوئی اور بیوی لے آئیں‘‘

یعنی آئندہ نہ تو آپؐ مزید کوئی نکاح کریں اور نہ ہی اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو طلاق دیں۔

﴿وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ﴾ ’’اگرچہ ان کا حسن آپؐ کو اچھا لگے‘‘

یعنی بر بنائے طبع بشری کسی خاتون کی طرف کوئی رغبت ہونے کے باوجود بھی اب آپؐ کو مزید نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آیت کے یہ الفاظ فطرتِ انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ انسانی فطرت کے اس طبعی میلان کی عکاسی حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

((اِنَّمَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ))(۱)

’’مجھے تو تمہاری دنیا میں سے دو ہی چیزیں پسند ہیں: عورتیں اور خوشبو‘ البتہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔‘‘

﴿اِلَّا مَا مَلَـكَتۡ يَمِيۡنُكَ‌ ؕ﴾ ’’سوائے اس کے جو آپؐ کی مملوکہ ہو۔‘‘

یعنی مذکورہ پابندی مزید نکاح کرنے کے بارے میں ہے‘ باندیوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ روایات میں حضور ﷺ کی دو باندیوں کا ذکر ملتا ہے: حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ رَّقِيۡبًا﴿۵۲﴾﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔‘‘

آیات ۵۳ تا ۵۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ‌ ؕ اِنَّ ذٰ لِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ‌ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـئَلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ‌ ؕ وَمَا كَانَ لَـكُمۡ

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/۷۸ و میزان الاعتدال للذہبی: ۲/۱۷۷‘ راوی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ
عَظِيۡمًا ﴿۵۳﴾ اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـئًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ
اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ
وَلَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ
وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ
الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۵۷﴾
وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۵۸﴾ ع

آیت ۵۳ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ﴾ ”اے اہلِ ایمان! مت داخل ہو جایا کرو نبیؐ کے گھروں میں مگر یہ کہ تمہیں کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے“

﴿غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ﴾ ”نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا“

اس حوالے سے سورۃ النور کا یہ حکم بھی یاد کر لیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتیٰ کہ مانوس ہو لو (بول چال کر لو) اور گھر والوں کو سلام کر لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو“۔ یعنی اس وقت تک کسی کے گھر میں داخل مت ہوا کرو جب تک گھر والوں سے بات چیت کر کے انہیں اپنی پہچان نہ کرا لو۔ اس کے بعد سورۃ النور کی اگلی آیت (آیت ۲۸) میں ﴿حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ ۚ﴾ (یہاں تک کہ تمہیں اجازت دے دی جائے) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ واضح رہے کہ سورۃ النور کا نزول سورۃ الاحزاب کے ایک سال بعد یعنی ۶ ہجری میں ہوا۔ گویا سب سے پہلے یہ حکم آیت زیر مطالعہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے لیے دیا گیا لیکن بعد میں سورۃ النور کی مذکورہ آیت میں اسے ایک عمومی حکم کا درجہ دے دیا گیا۔

﴿وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا﴾ ”ہاں جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہوا کرو“

﴿فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ؕ﴾ ”پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جایا کرو اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہا کرو“

یعنی اگر کھانے کے لیے بلایا جائے تو وقت سے پہلے ہی آ کر نہ بیٹھ جایا کرو جب کہ ابھی کھانا تیار بھی نہ ہوا ہو۔ پھر جب کھانا کھا لو تو فوراً وہاں سے اٹھ جایا کرو اور وہاں ڈیرہ جما کر نہ بیٹھے رہا کرو کہ اب باہم گفتگو کریں گے اور حضور ﷺ کی باتیں بھی سنیں گے۔

﴿اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ﴾ ”تمہاری یہ باتیں نبیؐ کے لیے تکلیف کا باعث تھیں“

ظاہر ہے اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں آ کر بیٹھ جائے اور اٹھنے کا نام نہ لے تو گھر والوں کو تکلیف تو ہو گی۔ مگر اس حوالے سے حضور ﷺ کی تکلیف کا ایک خصوصی پہلو یہ بھی تھا کہ آپؐ کے جن گھروں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ دراصل چھوٹے چھوٹے حجرے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آ جاتا اور آپؐ اسے حجرۂ مبارک کے اندر بلا لیتے تو جب تک وہ چلا نہ جاتا حضرت عائشہ ؓ چادر اوڑھے چہرہ دیوار کی طرف کیے بیٹھی رہتیں۔ بہر حال ان حجروں کے اندر اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہاں غیر محرم مرد محفل جما کر بیٹھتے۔

﴿فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ﴾ ''مگر وہ (نبی ﷺ) آپ لوگوں سے جھجک محسوس کرتے ہیں' اور اللہ حق (بیان کرنے) سے نہیں جھجکتا۔''

گھروں کے اندر لوگوں کے تا دیر بیٹھنے سے حضور ﷺ کو تکلیف تو ہوتی تھی مگر آپؐ مروّت اور شرافت میں انہیں جانے کا نہیں فرماتے تھے۔

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾ ''اور جب تمہیں نبی (ﷺ) کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔''

قرآن حکیم میں اس مقام پر لفظ ''حجاب'' پہلی بار آیا ہے اور یہ حجاب سے متعلق احکام کے سلسلے کا پہلا حکم ہے' جس کا منشا یہ ہے کہ آئندہ حضور ﷺ کے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے جائیں اور اگر کسی غیر محرم مرد کو اُمہات المومنین ؓ میں سے کسی سے کوئی کام ہو وہ رُو در رُو نہیں بلکہ پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر بات کرے —— اس آیت کو ''آیت حجاب'' کہا جاتا ہے —— اس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات ؓ کے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے' اور چونکہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ تھی اور آپؐ کا گھر تمام مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا' چنانچہ تمام مسلمانوں کے گھروں کے دروازوں پر بھی پردے لٹک گئے۔

﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ﴾ ''یہ طرزِ عمل زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لیے بھی اور ان ؓ کے دلوں کے لیے بھی۔''

مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کشش رکھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے بہتر طریقہ یہی ہے کہ غیر محرم مردوں کا غیر محرم عورتوں کے ساتھ آمنا سامنا نہ ہو۔

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو ایذا پہنچاؤ''

یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اگرچہ معاشرتی اصلاحات کے بارے میں یہ احکام عمومی نوعیت کے ہیں لیکن ان اصلاحات کا آغاز خصوصی طور پر اللہ کے رسول ﷺ کے گھر سے کیا جا رہا ہے۔ اس کا ایک سبب تو وہی ہے جس کا حوالہ انگریزی ضرب المثل charity begins at home میں دیا گیا ہے کہ اچھے کام کی ابتدا اپنے گھر سے ہونی چاہیے۔ جبکہ دوسری طرف ان اقدامات کو حضور ﷺ کی ذات سے منسوب کر کے منافقین کی

شرارتوں کے راستے بند کرنا بھی مقصود تھا جو حضور ﷺ کی ذات اور آپؐ کے گھر والوں کے حوالے سے ہر وقت تاک میں رہتے تھے کہ انہیں کوئی بات ہاتھ آئے اور وہ اس کا بتنگڑ بنائیں۔

﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ﴾ ”اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم نکاح کرو آپؐ کی بیویوں سے آپؐ کے بعد کبھی بھی۔“

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے خصوصی تقدس کا ذکر قبل ازیں آیت ۶ میں ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ﴾ (اور نبی ﷺ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں) کے الفاظ میں بھی آچکا ہے' مگر یہاں پر صراحت کے ساتھ اس تقدس کو باقاعدہ قانونی حیثیت دے دی گئی۔ دراصل حضور ﷺ کو آیت ۵۰ میں طلاق کا اختیار استعمال کرنے سے منع کرنے میں بھی یہی حکمت تھی کہ خدانخواستہ اگر آپؐ اپنی کسی زوجہ محترمہ کو طلاق دیتے تو وہ کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی تھیں۔ اور طلاق کی گنجائش نہ ہونے ہی کی وجہ سے آپ ﷺ کو ازواج کی تعداد کے معاملے میں خصوصی رعایت دی گئی۔

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۵۳﴾ ”یقیناً اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔“

چنانچہ اگر کسی خبیث کی نیت میں کہیں کوئی فتور جنم لے رہا تھا تو اس پر واضح ہو جائے کہ یہ دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔

آیت ۵۴ ﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ۵۴﴾ ”خواہ تم کسی چیز کو ظاہر کرو خواہ چھپاؤ' اللہ یقیناً ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

آیت ۵۵ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ﴾ ”کوئی حرج نہیں اُن (ازواجِ نبیؐ) پر اُن کے باپوں کے معاملے میں“

جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر چاہیں تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئیں یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئیں' اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

﴿وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ﴾ ”اور نہ (کوئی حرج ہے) اُن کے بیٹوں کے بارے میں' اور نہ ان کے بھائیوں کے بارے میں“

﴿وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ ”اور نہ ان کے بھائیوں کے بیٹوں کے بارے میں اور نہ ان کی بہنوں کے بیٹوں کے بارے میں“

﴿وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ﴾ ”اور نہ ان کی جان پہچان کی عورتوں کے بارے میں اور نہ ہی ان کی مِلکِ یمین کے بارے میں۔“

لغوی مفہوم کے اعتبار سے ”مِلکِ یمین“ میں غلام اور باندیاں سب شامل ہیں' لیکن اکثر و بیشتر اہلِ سنت علماء کے نزدیک یہاں اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔

اس آیت میں واضح طور پر عورتوں کے لیے محرم مَردوں کی ایک فہرست فراہم کر دی گئی ہے' جیسے کہ سورۃ النساء کی آیت ۲۳ میں مَردوں کے لیے محرم عورتوں کی فہرست دی گئی ہے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ اس مضمون کا مرکزی نقطہ (nucleus) زیر نظر آیت میں ہے' جبکہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں اس کی مزید تفصیل فراہم کر کے ''محرماتِ ابدیہ'' کی فہرست کو مکمل کر دیا گیا ہے جن سے کبھی بھی کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہیں ہے۔

بہر حال آیت میں مذکور رشتوں کے علاوہ متعلقہ عورتوں کے لیے باقی تمام مرد غیر محرم ہیں اور انہیں گھر کے اندر زنان خانے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی غیر محرم مرد کو گھر کی کسی خاتون سے کوئی بات کرنی ہو تو وہ پردے کے پیچھے رہ کر بات کرے اور اگر کسی وجہ سے کسی غیر محرم مرد کا گھر کے اندر داخلہ ناگزیر ہو تو بھی اہتمام کیا جائے کہ کسی خاتون سے اس کا سامنا نہ ہو۔ اسلامی طرزِ معاشرت کا یہی طریقہ ہے۔ اس حوالے سے قبل ازیں آیت ۵۳ کی تشریح کے ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثال بیان ہو چکی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو حجرہ مبارک کے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے تو علیحدہ جگہ نہ ہونے کے باعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک کونے میں دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھی رہتی تھیں تاوقتیکہ وہ صاحب چلے جاتے۔

﴿وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴾ ''اور (اے نبیؐ کی بیویو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ﴾ ''یقیناً اللہ اور اُس کے فرشتے رحمتیں نازل کرتے ہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔''

اس سے پہلے آیت ۴۳ میں مؤمنین کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے اہل ایمان پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی وہی الفاظ آئے ہیں لیکن الفاظ کی ترتیب مختلف ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ ''اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر رحمتیں اور سلام بھیجا کرو۔''

یعنی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو اور دعا کرتے رہا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

آیت ۵۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو''

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ بعض دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی منافقین کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ ''اللہ نے لعنت کی ہے ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں اور ان کے لیے اُس نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے

ہیں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو"

ان پر بے جا الزام لگاتے ہیں' بہتان تراشی کرتے ہیں اور اس طرح کے دوسرے حربوں سے انہیں اذیت پہنچاتے ہیں۔

﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸﴾ "تو انہوں نے اپنے سر بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ لے لیا ہے۔"

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول تک "قذف" (زنا سے متعلق جھوٹی تہمت لگانا) کی سزا کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہاں صرف اس جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' البتہ سورۃ النور کی آیت ۴ میں قذف کی حد ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان خاتون پر زنا کا الزام لگائے اور اس پر موقع کے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کو سزا کے طور پر ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔

آیات ۵۹ تا ۶۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ
فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۰ۚۖ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝۶۱ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲

اگلی آیات میں پردے سے متعلق مزید احکام دیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ آیات میں اس حوالے سے ہم دو احکام پڑھ چکے ہیں۔ ان میں پہلا حکم یہ تھا کہ عورتوں کا اصل مقام ان کا گھر ہے' وہ گھروں میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ جبکہ دوسرا حکم مَردوں اور عورتوں کے باہمی میل جول پر پابندی سے متعلق تھا کہ غیر محرم مَردوں کو دوسروں کے گھروں میں داخلے کی اجازت نہیں۔ اگر ضرورت کے تحت کسی مرد کو کسی غیر محرم خاتون سے کوئی بات کرنی ہو تو رُو در رُو نہیں' بلکہ پردے کے پیچھے رہ کر بات کرے۔ اب اگلی آیت میں اس سلسلے کا تیسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان خواتین اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو کس انداز سے نکلیں۔

آیت ۵۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور اہلِ ایمان خواتین سے کہہ دیں کہ"

گویا اب اصلاحات کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس حکم میں کاشانۂ نبوت کی خواتین کے علاوہ عام مسلمان خواتین کو بھی شامل کر لیا گیا اور حضور ﷺ کی وساطت سے انہیں حکم دیا گیا:

﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾ ''وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں۔''
اس حکم کے متوازی سورۃ النور کی آیت ۳۱ کے یہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ﴾ ''اور وہ ڈالے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر۔'' سورۃ النور کے مطالعے کے دوران اس آیت کے حوالے سے یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ اسلام سے قبل بھی عرب خواتین کے ہاں اوڑھنی اور چادر کے استعمال کا رواج تھا۔ اس حوالے سے ان کے ہاں ''اوڑھنی'' تو گویا لباس کا مستقل جزو تھا جسے خواتین گھر کے اندر بھی اوڑھے رکھتی تھیں (جیسے کہ ہمارے ہاں بھی اکثر عورتیں دوپٹہ یا اوڑھنی ہر وقت اوڑھے رکھتی ہیں) جبکہ خاندانی شریف خواتین گھر سے باہر جاتے ہوئے ایک بڑی سی چادر لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ جتنے اونچے خاندان سے کسی خاتون کا تعلق ہوتا اسی قدر زیادہ احتیاط سے وہ چادر کا اہتمام کرتی تھی۔ البتہ عرب خواتین کے ہاں قبل از اسلام چہرہ ڈھانپنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ چنانچہ اس حکم کے تحت خواتین کے چادر اوڑھنے کے مروّجہ طریقہ پر یہ اضافہ کیا گیا کہ خواتین گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے چہرے پر بھی ڈال لیا کریں، یعنی گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ اسی حکم کی بنا پر خواتین کے نقاب کرنے کا تصور پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے دیہات میں خواتین گھر سے باہر چادر سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر پختون کلچر میں زیادہ تر خواتین نقاب کا اہتمام کرتی ہیں یا بڑی سی چادر اس طرح لپیٹ لیتی ہیں کہ بس ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔ ایران کے دیہاتی ماحول میں بھی اس کا رواج دیکھا گیا ہے، البتہ ایرانی شہروں میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ بلکہ وہاں اصولی طور پر گویا طے کر لیا گیا ہے کہ پردے کے حکم میں چہرہ شامل نہیں ہے، حالانکہ یہ بات قرآن کی رو سے غلط ہے۔

چہرے کے پردے کے حوالے سے آیت ۵۳ میں ﴿فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾ کے الفاظ خصوصی طور پر توجہ طلب ہیں کہ پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی پابندی کا آخر مقصد کیا ہے۔ کیا خدانخواستہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن گھر کے اندر اوڑھنی کے بغیر ہوا کرتی تھیں؟ اور اگر ایسا نہیں تھا تو پھر غیر محرم مردوں کو اس قدر اہتمام کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرنے کا حکم آخر کیوں دیا گیا ہے؟ بہر حال بلاتعصب غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس حکم کے ذریعے دراصل چہرے کے پردے کا اہتمام کیا گیا ہے تا کہ کسی غیر محرم مرد کی نظر ان کے چہرے پر نہ پڑے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت آیت زیر مطالعہ میں فرمایا گیا کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر اُن کا ایک حصہ یا ان کا پلّو اپنے چہروں پر ڈال لیا کریں، جسے عرفِ عام میں گھونگھٹ لٹکانا کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں ''جَلَابِیب'' کا لفظ آیا ہے جو ''جِلباب'' کی جمع ہے اور جلباب کے معنی بڑی چادر کے ہیں۔ اس کے مقابل سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں لفظ خُمُر استعمال ہوا ہے، جس کا واحد خِمار ہے اور اس سے چھوٹی اوڑھنی مراد ہے، جسے گھر کے اندر ہر وقت اوڑھا جاتا ہے۔ ''جِلباب'' کی تشریح اہلِ لغت نے یوں کی ہے: ''هو الرداء فوق الخمار'' یعنی جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو اوڑھنی کے اوپر لی جاتی ہے۔

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ﴾ ’’یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔‘‘

تاکہ دیکھنے والے خود بخود پہچان لیں کہ کوئی خاندانی شریف خاتون جا رہی ہے۔ عرب کے اس ماحول میں لونڈیاں بغیر چادر کے کھلے عام پھرتی تھیں۔ اہل ایمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھروں سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوں' بلکہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق یا منافق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵۹﴾ ’’اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ’’اگر باز نہ آئے یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے‘‘

﴿وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ ’’اور جو مدینہ میں سنسنی پھیلانے والے ہیں‘‘

منافقین کی عادت بن گئی تھی کہ وہ ماحول میں سنسنی پھیلانے کے لیے طرح طرح کی من گھڑت ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے رہتے تھے۔ ان افواہوں سے ان کا مقصد مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنا اور ان کی اخلاقی ساکھ کو گرانا ہوتا تھا۔ انہیں خبردار کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ ان حرکات سے باز نہ آئے:

﴿لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو ان پر اُکسا دیں گے‘‘

ہم آپؐ کو ان کے خلاف بھرپور اور مؤثر اقدام کرنے کی اجازت دے دیں گے اور آپؐ کے ہاتھوں انہیں سزا دلوائیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۶۰﴾ ’’پھر وہ آپؐ کے پڑوسی بن کر اس (شہر) میں نہیں رہ سکیں گے مگر بہت تھوڑا عرصہ۔‘‘

آیت ۶۱ ﴿مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝۶۱﴾ ’’یہ پھٹکارے ہوئے لوگ ہیں' جہاں بھی پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور بُری طرح قتل کر دیے جائیں گے۔‘‘

یہ الفاظ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شدید بیزاری اور ناراضی کا مظہر ہیں مگر حضور ﷺ کی سیرت سے منافقین کے خلاف ایسا کوئی اقدام ثابت نہیں ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو ایسا کوئی حکم باقاعدہ طور پر نہیں دیا گیا تھا۔

آیت ۶۲ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ’’اللہ کی یہی سُنّت رہی ہے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں۔‘‘

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝۶۲﴾ ’’اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی۔‘‘

آیات ۶۳ تا ۶۸

يَسۡـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِؕ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا ۝۶۳ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الۡكٰفِرِيۡنَ وَاَعَدَّ لَهُمۡ سَعِيۡرًا ۝۶۴ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًاۚ لَا
يَجِدُوۡنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۝۶۵ يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ يَقُوۡلُوۡنَ يٰلَيۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ
وَاَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ۝۶۶ وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ۝۶۷ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ
ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا ۝۶۸ ع ۸

آیت ۶۳ ﴿يَسۡـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔''

﴿قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

﴿وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا ۝۶۳﴾ ''اور تمہیں کیا معلوم' شاید کہ قیامت قریب ہی آ چکی ہو۔''

آیت ۶۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الۡكٰفِرِيۡنَ وَاَعَدَّ لَهُمۡ سَعِيۡرًا ۝۶۴﴾ ''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًاۚ﴾ ''وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

﴿لَا يَجِدُوۡنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۝۶۵﴾ ''نہیں پائیں گے وہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۶۶ ﴿يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ﴾ ''جس دن ان کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے''

﴿يَقُوۡلُوۡنَ يٰلَيۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَاَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ۝۶۶﴾ ''(اس وقت) وہ کہیں گے: ہائے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسول ؐ کی!''

آیت ۶۷ ﴿وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ۝۶۷﴾ ''اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔''

آیت ۶۸ ﴿رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا ۝۶۸﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تُو ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر لعنت فرما' بہت ہی بڑی لعنت۔''

آیات ۶۹ تا ۷۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ
وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

آیت ۶۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ ”اے اہلِ ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی“

﴿فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾﴾ ”تو اللہ نے اُس کو بری ثابت کر دیا اس بات سے جو انہوں نے کہی تھی‘ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والا تھا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے کئی طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سورۃ الصّف میں آپؑ کے وہ الفاظ نقل ہوئے ہیں جو آپؑ نے اپنی قوم کے طرزِ عمل پر شکوہ کرتے ہوئے فرمائے تھے: ﴿يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ (آیت ۵) ”اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو درانحالیکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں!“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے سب سے بڑی اذیت کا سامنا اُس وقت کرنا پڑا جب آپؑ نے قوم کو اللہ کے راستے میں قتال کرنے کا حکم دیا تو سوائے دو اشخاص کے پوری قوم نے انکار کر دیا۔ قوم کے اس طرزِ عمل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کوفت اور اذیت محسوس کی اس کا اندازہ اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپؑ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے کی: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾ (المائدۃ) ”انہوںؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے‘ تو اب تفریق کر دے ہمارے اور ان نابکار لوگوں کے درمیان۔“

اس کے علاوہ آپؑ پر ذاتی نوعیت کا ایک الزام لگا کر بھی آپؑ کو سخت اذیت پہنچائی گئی۔ اس حوالے سے احادیث میں ایک واقعہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر مرد اپنے ستر کو چھپانے کا خاص اہتمام نہیں کرتے تھے اور سرِ عام برہنہ نہانے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بارے میں غیر معمولی طور پر احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپؑ جسمانی طور پر کسی عیب یا مرض میں مبتلا ہیں جس کو چھپانے کے لیے آپؑ اس قدر

شرم وحیا کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ترکیب کے ذریعے لوگوں پر واضح کر دیا کہ ان کا یہ الزام جھوٹا اور بے بنیاد تھا۔

سورۃ النور میں ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے بہتان تراشی کا وہ واقعہ بھی پڑھ چکے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سخت اذیت کا باعث بنا تھا۔ چنانچہ یہاں تمام افرادِ اُمت کو خبر دار کیا جا رہا ہے کہ دیکھو! تم بھی کہیں بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا کرتے تھے۔ تمہارا کوئی عمل یا قول ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے۔

آیت ۷۰ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾﴾ ’’اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات کیا کرو سیدھی۔‘‘

چونکہ اس سے پہلے کی آیات میں عام گھریلو زندگی کے معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں‘ چنانچہ اس سیاق وسباق میں اس حکم کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے گھریلو معاملات میں بھی تم لوگ تقویٰ کی روش اپنائے رکھو اور اپنی زبان کے استعمال میں محتاط رہو۔ یعنی اپنے اہل وعیال کے ساتھ گفتگو میں بھی راست گوئی اور راست بازی کا خیال رکھو۔

آیت ۷۱ ﴿یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ﴾ ’’اللہ تمہارے سارے اعمال درست کر دے گا اور تمہاری خطائیں بخش دے گا۔‘‘

اگر بھول کر یا جذبات کی رو میں تم سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی تو اللہ اسے معاف کر دے گا۔

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾﴾ ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند ہو گیا تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔‘‘

یہاں کامیابی کا معیار بیان کر دیا گیا کہ اہل ایمان کی کامیابی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں ہے۔

اس سورت کی یہ دو آیات (آیت ۷۰ اور ۷۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں ضمنی طور پر یہ بھی جان لیں کہ ان دو آیات کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات بھی خطبہ نکاح میں شامل ہیں: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ﴿۱﴾﴾ (النساء)۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ (آل عمران) —— خطبہ نکاح میں شامل مذکورہ چار آیات کا لُبِّ لُباب ’’تقویٰ‘‘ ہے۔

آیت ۷۲ ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ ’’ہم نے اس امانت کو پیش کیا آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر‘‘

﴿فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ ’’تو ان سب نے انکار کر دیا اس کو اٹھانے سے اور وہ اس سے ڈر گئے‘‘

﴿وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ﴾ ''اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور بڑا نادان تھا۔''

یعنی انسان نے ایک بھاری ذمہ داری قبول کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور بڑی نادانی کا ثبوت دیا۔ مذکورہ امانت کے بارے میں بہت سی آراء ہیں اور ہر رائے کے بارے میں مفسرین نے اپنے اپنے دلائل بھی دیے ہیں۔ یہاں ان تمام آراء کا ذکر کرنا اور ایک ایک کے بارے میں دلائل کا جائزہ لینا تو ممکن نہیں' البتہ اس حوالے سے میں اپنی رائے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے پورا وثوق ہے۔ میرے نزدیک اللہ کی امانت سے مراد یہاں وہ ''روح'' ہے جو انسان کے حیوانی وجود میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص پھونک رکھی ہے۔ انسان کا مادی وجود عالم خلق کی چیز ہے' جبکہ ''روح'' کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ (عالمِ خلق اور عالمِ امر کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ الاعراف' تشریح آیت ۵۴)۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر کی اس ''امانت'' کو عالمِ خلق کے مادی اور حیوانی وجود کے اندر رکھتے ہوئے اسے خاص اپنی طرف منسوب فرمایا ہے: ﴿وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ﴾ (سورۃ الحجر: ۲۹ اور سورۂ صٓ: ۷۲)۔ چنانچہ اسی روح کی بنا پر انسان مسجودِ ملائک ٹھہرا' اسی کے باعث اسے خلافت کا اعزاز ملا اور اسی کی وجہ سے انسان کا سینہ ''مہبطِ وحی'' بنا۔

وحی کا تعلق چونکہ عالمِ امر سے ہے اور وحی کا حامل فرشتہ بھی عالمِ امر کی مخلوق ہے' اس لحاظ سے انسان اپنے مادی وجود کے ساتھ فرشتے کے ذریعے وحی کو وصول کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا یہ روح ہی ہے جس نے اسے نزولِ وحی کے تجربے کو برداشت کرنے کے قابل بنایا۔ جنّات کے اندر چونکہ یہ روح نہیں ہے اس لیے وہ وحی کے حصول (reception) کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ جنّات کے ہاں کوئی نبی نہیں آیا اور ان کے لیے نبوت کے حوالے سے انسانوں (انبیاء) کی پیروی لازم قرار پائی۔

اس نکتے کو مزید اس طرح سمجھئے کہ یہاں ''ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا'' کے الفاظ میں انسان کے حیوانی وجود کی اس کمزوری کا ذکر ہوا ہے جو اس کے اندر روح پھونکے جانے سے پہلے پائی جاتی تھی۔ اسی کمزوری کو سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۷ میں ﴿خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ﴾ اور سورۃ النساء میں ﴿وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ کمزوری بہرحال ''نفخِ روح'' سے پہلے کے انسان میں تھی۔ لیکن روحِ ربانی کی امانت ودیعت ہو جانے کے بعد اس کا رتبہ اس قدر بلند ہوا کہ وہ مسجودِ ملائک بن گیا۔ انسانی تخلیق کے ان دونوں مراحل کا ذکر سورۃ التین میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ﴾ ''یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین شکل وصورت میں۔ پھر ہم نے اس کو لوٹا دیا نچلوں میں سب سے نیچے۔'' یعنی جب ارواح کی صورت میں انسانوں کو پیدا کیا گیا تو وہ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے مرتبے کی مخلوق تھی' مگر جب اسے دنیا میں بھیجا گیا تو یہ اپنے جسدِ حیوانی کی کمزوریوں کے سبب جنّات سے بھی نیچے چلا گیا۔

بہرحال میرے نزدیک یہاں جس امانت کا ذکر ہوا ہے وہ انسان کی روح ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جسدِ خاکی میں رکھی گئی ہے اور یہی وہ امانت ہے جس کی بنا پر اس کا احتساب ہوگا۔ جس انسان نے اس

امانت کا حق ادا کیا وہ آخرت میں ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾﴾ (الواقعہ) سے نوازا جائے گا۔ یعنی اس کے لیے راحت اور خوشبو اور نعمتوں کے باغ کی ضیافت ہوگی۔ اس کے برعکس جو کوئی حیوانی خواہشات و داعیات کا اتباع کرتا رہا اور یوں اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا وہ گویا حیوان ہی بن کر رہ گیا۔ چنانچہ اس کو وہاں ﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾﴾ (الواقعہ) کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یعنی آخرت میں کھولتے پانی کی مہمانی اور جہنم کے عذاب کی زندگی اس کی منتظر ہوگی۔

آیت ۷۳ ﴿لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ ''تاکہ اللہ عذاب دے منافق مَردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مَردوں اور مشرک عورتوں کو''

﴿وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾ ''اور اللہ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر۔''

آیت کے الفاظ میں ''توبہ قبول فرمائے'' یا ''توبہ کی توفیق عطا فرمائے'' کا مفہوم بھی موجود ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ الاحزاب مکی مدنی سورتوں کے چوتھے گروپ کی آخری سورت ہے۔ اس گروپ میں آٹھ مکیات (سورۃ الفرقان' سورۃ الشعراء' سورۃ النمل' سورۃ القصص' سورۃ العنکبوت' سورۃ الروم' سورۂ لقمان' سورۃ السجدۃ) اور ایک مدنی سورت (سورۃ الاحزاب) شامل تھی۔ اس کے بعد مکی مدنی سورتوں کا پانچواں گروپ ۱۳ مکی اور تین مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہاں پر ضمنی طور پر مدنی سورتوں کی موجودہ ترتیب اور ترتیب نزولی کے بارے میں چند معلومات بھی نوٹ کرلیں۔ مصحف کی ترتیب میں سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ الاحزاب تک تمام مدنی سورتیں طویل ہیں۔ لیکن سورۃ الاحزاب کے بعد اکثر مدنی سورتیں ۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی کے چار رکوع ہیں۔ اب تک پڑھی جانے والی مدنی سورتوں کی ترتیب نزولی اس طرح ہے: پہلے سورۃ البقرۃ' پھر سورۃ الانفال' پھر سورۂ آل عمران' پھر سورۃ النساء' پھر سورۃ الاحزاب' پھر سورۃ النور اور آخر میں سورۃ المائدۃ۔ جبکہ چھوٹی مدنی سورتیں مذکورہ طویل سورتوں کے بین بین میں نازل ہوتی رہی ہیں۔ جیسے سورۃ الصّف سورۃ الاحزاب کے متصلاً بعد نازل ہوئی اور سورۂ محمدؐ سورۃ البقرۃ کے فوراً بعد' لیکن غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔

بیان القرآن

سُوْرَۃُ سَبَا

(۳۴)

سُورۃ سَبَا

تمہیدی کلمات

سورۂ سبا کا آغاز کلمہ حمد (اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ) سے ہو رہا ہے جبکہ اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ فاطر بھی اسی کلمہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم بات یہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے آغاز میں سورۃ الفاتحہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد تقریباً سات سات آٹھ آٹھ پاروں کے فصل سے ایک ایسی سورت آتی ہے جس کا آغاز اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے ہوتا ہے۔ جیسے ساتویں پارے میں سورۃ الانعام کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ......﴾۔ اس کے بعد پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ ......﴾۔ پھر سات پاروں کے بعد بائیسویں پارے میں سورۂ سبا اور سورۂ فاطر دو سورتیں ایک ساتھ آئی ہیں جن کا آغاز اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے ہو رہا ہے۔ یہ دونوں سورتیں جوڑے کی شکل میں ہیں اور کلمۂ حمد سے شروع ہونے والی یہ آخری سورتیں ہیں۔ اس کے بعد کوئی ایسی سورت نہیں ہے جس کا آغاز اس کلمہ سے ہوتا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۹

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ
الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ۝۱ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ۝۲ وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ
بَلٰی وَرَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی
الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ۝۳ۙ لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِیۡمٌ ۝۴ وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا
مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ۝۵ وَیَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ
اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَیَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۝۶ وَقَالَ
الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِیۡ

خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِى
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِىْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ ع

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ﴾ ''کُل حمد اور کُل شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے''

﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①﴾ ''اور آخرت میں بھی اُسی کے لیے حمد ہوگی' اور وہ کمال حکمت والا' ہر چیز سے باخبر ہے۔''

آخرت کی حمد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِىْ))(۱) ''اُس دن (یعنی میدانِ حشر میں) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس روز میں جو حمد کروں گا وہ آج نہیں کر سکتا ـــــ آخرت کی اس حمد کا اس آخری اُمت کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسمائے مبارک محمد' احمد اور حامد کا تعلق بھی لغوی طور پر لفظ ''حمد'' کے ساتھ ہے اور اسی لیے اس امت کو بھی ''حَمَّادُون'' (بہت زیادہ حمد کرنے والے) کہا گیا ہے۔

آیت ۲ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔''

﴿وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②﴾ ''اور وہ نہایت رحم کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔''

آیت ۳ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت کبھی نہیں آئے گی۔''

عام طور پر ''السَّاعۃ'' کا ترجمہ قیامت ہی کر دیا جاتا ہے' مگر جیسا کہ سورۂ لقمان کی آیت ۳۴ کے ضمن میں بھی بتایا جا چکا ہے السَّاعۃ اور قیامت دو مختلف الفاظ ہیں اور دونوں کے معانی بھی الگ الگ ہیں۔ السَّاعۃ سے مراد وہ خاص گھڑی ہے جب زمین میں ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا' ستاروں اور سیاروں کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دنیا مکمل طور پر تباہ ہو جائے گی۔ جبکہ القیامۃ اس کے بعد کی کیفیت کا نام ہے جب دنیا دوبارہ نئی شکل میں پیدا ہوگی اور تمام انسانوں کو زندہ کر کے ایک جگہ اکٹھے کر لیا جائے گا۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ کائنات ابدی ہے اور اس کا اختتام ممکن نہیں' لیکن اب فزکس کے میدان میں نئی نئی تحقیقات کی روشنی میں سائنسدانوں کا جو نیا موقف سامنے آیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یہ کائنات ابدی نہیں ہے' اس کا اختتام ایک

(۱) سنن الترمذی' ابواب المناقب' باب فی فضل النبی ﷺ۔

مسلّمہ حقیقت ہے اور یہ کہ جس طرح اپنے آغاز کے بعد یہ ایک پھلجھڑی کی طرح پھیلتی رہی ہے اسی طریقے سے اختتام پذیر ہو جائے گی۔

﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے' کیوں نہیں! میرے رب کی قسم' جو تمام پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے' وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔''

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ذرّہ برابر بھی کوئی چیز نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں''

﴿وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③﴾ ''اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی' مگر وہ ایک روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) موجود ہے۔''

یہ قیامت کیوں آئے گی؟ اس کا منطقی جواز کیا ہے؟ اس کا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے۔

آیت ۴ ﴿لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ﴾ ''تا کہ وہ جزا دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔''

انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر انسان کو اُس کے اعمال کا بدلہ ملے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے دنیوی لذائذ کو چھوڑا' اپنی آسائشوں کو قربان کیا' حق کا عَلم بلند کرنے کے لیے اپنا دُنیوی مستقبل داؤ پر لگا دیا' اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور اللہ کے راستے میں جہاد و قتال کیا' اگر انہیں ان کی کوششوں کا بھرپور صلہ نہیں دیا جاتا اور انہیں انعام و اکرام سے نہیں نوازا جاتا تو ان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی اور ناانصافی ہو گی۔ چنانچہ تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق بھرپور صلہ دینے کے لیے ایک دوسری دنیا کا قیام ناگزیر ہے۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے (آخرت میں) مغفرت بھی ہو گی اور بہت باعزت روزی بھی۔''

آیت ۵ ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤﴾ ''اور جو لوگ ہماری آیات کو شکست دینے کے لیے کوشاں رہے اُن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ﴾ ''اور (تا کہ) دیکھ لیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے کہ آپؐ پر جو چیز نازل کی گئی ہے آپؐ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے''

﴿وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥﴾ ''اور وہ راہنمائی کرتی ہے' نہایت غالب' لائقِ حمد و ثنا ہستی کے راستے کی طرف۔''

آیت ۷ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں: کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کے بارے میں بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مٹی میں مل کر) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں ازسرِنو پیدا کر دیا جائے گا۔''

یہ اوراس کے بعد والی آیت اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان دونوں کے مضامین کا حوالہ آیت ۴۶ کے ضمن میں بھی آئے گا۔ اگرچہ حضور ﷺ کی مخالفت نبوت کے ابتدائی زمانے سے ہی شروع ہوگئی تھی اور مشرکین اپنی محفلوں میں حضور ﷺ کے بارے میں استہزائیہ جملے بھی دہراتے رہتے تھے' لیکن سات آٹھ سال تک وہ لوگ آپؐ کے بارے میں مسلسل الجھن اور شش و پنج کا شکار رہے کہ یکایک آپؐ میں یہ کیسی تبدیلی آگئی ہے! اگلی آیت ان کی اس کیفیت کا واضح اظہار کر رہی ہے:

آیت ۸ ﴿اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ ''کیا اس نے جھوٹ باندھا ہے اللہ پر''

کیا محمد (ﷺ) نے اتنی بڑی جسارت کی ہے کہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ کہنے کو تو وہ ایک دوسرے سے یوں کہتے تھے اور خود اپنے آپ سے بھی یہ سوال کرتے تھے لیکن اصل حقیقت کو وہ خوب سمجھتے تھے کہ آپؐ کی طرف سے جھوٹ گھڑنے کا کوئی ہلکا سا بھی امکان نہیں تھا۔ اندر سے ان کے دل گواہی دیتے تھے کہ دیکھو! اس شخص کی پچھلے چالیس برس کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ ان کی سیرت و کردار سے تم خوب واقف ہو۔ تم نے خود انہیں الصادق اور الامین کا خطاب دیا ہے۔ تو بھلا ایک ایسا شخص جس نے اپنی معمول کی زندگی میں کبھی کوئی چھوٹا سا بھی جھوٹ نہ بولا ہو' آخر اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے اور وہ بھی اللہ کے بارے میں!

﴿اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ﴾ ''یا اسے جنون ہو گیا ہے!''

کبھی کہتے ممکن ہے کہ ان پر آسیب کا سایہ آگیا ہو یا ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہو' اس لیے اس طرح کی باتیں کرنے لگے ہوں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر ان کا اپنا کوئی قصور نہیں اور انہیں جھوٹ کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس الزام پر بھی ان کے ضمیر پکار اٹھتے کہ اس پر غور تو کرو! کیا اس کلام میں تم لوگوں کو واقعی دیوانگی کے آثار نظر آتے ہیں؟ چنانچہ واقعتاً انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ ماجرا آخر ہے کیا؟

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' اگر بارہ سالہ مکی دور کو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو مکی سورتوں کے درمیانی گروپس (سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ اور سورۂ سبا تا سورۃ الاحقاف) میں' سورۃ الشعراء کو چھوڑ کر کہ وہ ابتدائی دور کی سورت ہے' باقی تمام وہ سورتیں ہیں جو درمیانی چار سالوں میں نازل ہوئی ہیں اور ان سب سورتوں کے مطالعہ کے دوران کفارِ مکہ کی یہی کیفیت سامنے آتی ہے۔ یعنی اس دور میں وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سخت اُلجھن اور شش و پنج کا شکار تھے۔ کبھی وہ آپؐ کو شاعر کہتے' کبھی جادوگر اور کبھی مجنون قرار دیتے' مگر آپؐ کے بارے میں کوئی واضح اور حتمی موقف اپنانے سے قاصر تھے۔ البتہ آخری چار سالہ دور میں نازل ہونے والی پندرہ سورتوں یعنی سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون (اس گروپ میں بھی سورۃ الحجر ایک ایسی سورت ہے جو ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ان کے اندر polarization ہوگئی تھی۔ یعنی مکی دور کے آخری سالوں میں حضور ﷺ کے بارے میں ان کے مختلف لوگ مختلف آراء رکھتے تھے۔

﴿بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾﴾ ''بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر

ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب میں اور دُور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔"
دُنیا میں بھی ان کی جان ضیق (تنگی) میں آئی ہوئی ہے اور وہ بڑی دُور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں آخرت کا یقین ہوتا تو یہ بات جو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی' بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جاتی۔

آیت ۹ ﴿اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ "تو کیا انہوں نے دیکھا نہیں جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے آسمان اور زمین میں سے!"

کیا یہ لوگ اس کائنات کا مشاہدہ نہیں کرتے جو ان کے سامنے ہے اور کیا یہ ان تاریخی شواہد و بصائر سے سبق حاصل نہیں کرتے جو ان کے پیچھے ہیں۔ گویا یہاں اس چھوٹے سے فقرے میں "تذکیر بآلاءِ اللّٰہ" کا حوالہ بھی آ گیا اور "تذکیر بایام اللّٰہ" کا بھی۔

﴿اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ﴾ "اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں"

﴿اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡهِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ﴾ "یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔"

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۹﴾﴾ "یقیناً اس میں نشانی ہے ہر اُس بندے کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔"

آیات ۱۰ تا ۲۱

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَهٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِیۡدَ ﴿ۙ۱۰﴾ اَنِ اعۡمَلۡ
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ
غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ
یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۲﴾ یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ
مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ
شُکۡرًا ؕ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰی مَوۡتِهٖۤ اِلَّا
دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَا
لَبِثُوۡا فِی الۡعَذَابِ الۡمُهِیۡنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدۡ کَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِهِمۡ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ
کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ
سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَیۡهِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ
قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِکَ جَزَیۡنٰهُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلۡنَا بَیۡنَهُمۡ وَبَیۡنَ الۡقُرَی
الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا قُرًی ظَاهِرَةً وَّقَدَّرۡنَا فِیۡهَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ
مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ
فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ ع ۱۲ ۸

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ﴾ ”اور ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے خاص فضل عطا کیا تھا۔“

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر اس سے پہلے سورۃ النمل میں آ چکا ہے۔ وہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہے جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں بھی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہی کا ذکر ہے، مگر یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی شخصیت کو نسبتاً زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔

﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ﴾ ”(ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو! تم تسبیح کو دہراؤ اس کے ساتھ اور پرندوں کو بھی (یہی حکم دیا تھا)۔“

”تاویب“ گویا ”ترجیع“ کا ہم معنی لفظ ہے، یعنی لوٹانا اور دہرانا۔ جیسے کوئی نظم یا غزل پڑھ رہا ہو اور اس میں ایک بول یا مصرعے کو وہ بار بار اس طرح دہرائے کہ اس دوران کچھ دوسرے لوگ بھی اس کی آواز کے ساتھ آواز ملا لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام حمد و تسبیح کے ترانے پڑھیں تو وہ بھی آپؑ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور آپؑ کی آواز کے ساتھ آواز ملائیں۔

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰﴾ ”اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔“

آیت ۱۱ ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ ”کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیاں ملانے میں ٹھیک ٹھیک اندازہ رکھو“

آپؑ کے لیے لوہے کو خصوصی طور پر نرم کر دیا گیا تھا اور زرہیں بنانے کا ہنر بھی آپؑ کو سکھا دیا گیا تھا۔

﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱﴾ ”اور تم سب نیک اعمال کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو میں یقیناً اسے دیکھ رہا ہوں۔“

آیت ۱۲ ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ﴾ ”اور سلیمانؑ کے لیے ہوا کو (مسخر کر دیا تھا)، اُس کا صبح کو چلنا بھی ایک ماہ (کا سفر) تھا اور اُس کا شام کو چلنا بھی ایک ماہ (کا سفر) تھا۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے تیز ہوا آپؑ کے تخت کو اڑا کر وہاں پہنچا دیتی اور جو فاصلہ اُس زمانے کے لوگ مروّجہ سواریوں کے ذریعے ایک ماہ میں طے کرتے حضرت سلیمانؑ وہ فاصلہ ہوا کے ذریعے سے ایک صبح یا ایک شام میں طے کر لیتے تھے۔

﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ﴾ ”اور ہم نے اُس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔“

﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ﴾ ''اور کچھ جن بھی (اسؑ کے تابع کر دیے تھے) جو اُس کے سامنے کام کرتے تھے اُس کے رب کے حکم سے۔''

﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫﴾ ''اور ان میں سے جو کوئی بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اسے ہم جلا دینے والا عذاب چکھاتے تھے۔''

آگے ان کاموں کی تفصیل بھی بتائی جا رہی ہے جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے کرتے تھے۔

آیت ۱۳ ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ﴾ ''وہ بناتے تھے اُس کے لیے جو وہ چاہتا تھا' بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے''

شریعتِ محمدیؐ میں مجسمے بنانا حرام ہے' لیکن ان الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایسا کرنا جائز تھا۔ ویسے ''تِمثال'' عربی زبان میں ہر اُس شبیہ یا پیکر کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنایا جائے' خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔

﴿وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ﴾ ''اور تالابوں کی مانند بڑے بڑے لگن اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک جگہ مستقل پڑی رہتی تھیں۔''

یعنی وہ دیگیں اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ چولہوں کے اوپر ہی پڑی رہتی تھی اور وہاں سے انہیں ہلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس طرح کی دیگیں اجمیر شریف (انڈیا) میں حضرت معین الدین اجمیریؒ کے مزار پر بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ﴾ ''اے داؤدؑ کے گھر والو! عمل کرو شکر ادا کرتے ہوئے''

حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے اس لیے آپؑ کو آلِ داؤدؑ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے کہ آپؑ پر اللہ کی ان نعمتوں کا شکر لازم ہے۔ چنانچہ آپؑ کا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی احسان مندی کا مظہر ہونا چاہیے۔

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬﴾ ''اور (واقعہ یہ ہے کہ) میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہی ہیں۔''

آیت ۱۴ ﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ﴾ ''پھر جب ہم نے اُسؑ پر موت طاری کر دی''

﴿مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ﴾ ''تو کسی نے ان (جنّات) کو اُس کی موت سے آگاہ نہ کیا مگر زمین کے کیڑے نے''

﴿تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ﴾ ''جو اُسؑ کے عصا کو کھاتا تھا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام جنّات کی نگرانی کے لیے اپنے عصا کے سہارے کھڑے تھے کہ آپؑ کی روح قبض ہو گئی مگر آپؑ کا جسد مبارک اسی طرح کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ دیمک نے آپؑ کی لاٹھی کو کھا کر کھوکھلا کر دیا۔ اس دوران جنات آپؑ کی موت سے بے خبر کام میں مصروف رہے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ آپ کھڑے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾﴾ ''پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔''

آیت ۱۵ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ﴾ ''(اسی طرح) قوم سبا کے لیے بھی ان کے مسکن میں ایک نشانی موجود تھی''۔

قوم سبا ۸۰۰ قبل مسیحؑ کے لگ بھگ یمن کے علاقے میں آباد تھی۔ انہوں نے اپنے پہاڑی علاقوں میں بہت سے بند تعمیر کر رکھے تھے جن میں سب سے بڑے بند کا نام ''سدِ مآرب'' تھا۔ ان بندوں سے انہوں نے چھوٹی بڑی نہریں نکال کر میدانی علاقوں کو سیراب کرنے کا ایک مربوط و مؤثر نظام بنا رکھا تھا۔ آب پاشی کے اس نظام کے باعث ان کے ہاں باغات کی کثرت تھی۔ باغات کے دو بڑے سلسلے تو سینکڑوں میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ بہر حال یہ اپنے وقت کی بڑی خوشحال اور طاقتور قوم تھی، مگر آہستہ آہستہ یہ لوگ مذہبی و اخلاقی زوال کا شکار ہوتے گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی ناشکری اور سرکشی کی سزا دی اور ان سے تمام نعمتیں سلب کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا سب سے بڑا بند سد مآرب ٹوٹ گیا اور یوں ایک خوفناک سیلاب قہرِ خداوندی بن کر ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس سیلاب کی وجہ سے اس قوم پر ایسی تباہی آئی کہ جس علاقے میں سینکڑوں میلوں پر پھیلے ہوئے باغات تھے وہاں جنگلی جھاڑیوں اور بیریوں کے چند درختوں کے علاوہ ہریالی کا نام و نشان تک نہ رہا۔

﴿جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬﴾ ''دو باغات (کے سلسلے) تھے دائیں اور بائیں طرف۔''

﴿كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ﴾ ''کھاؤ اپنے رب کے رزق میں سے اور اُس کا شکر ادا کرو۔''

﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾﴾ ''(تمہارا) شہر بہت پاکیزہ ہے اور (تمہارا) رب بہت بخشنے والا ہے!''

یعنی تمہارے لیے یہ ایک مثالی صورتِ حال ہے۔ رہنے کو تمہیں نہایت عمدہ، سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ عطا ہوا ہے اور تمہارا رب بھی بہت بخشنے والا ہے جو تمہارے ساتھ بہت نرمی کا معاملہ فرما رہا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ ''تو انہوں نے اعراض کیا، چنانچہ ہم نے بھیج دیا اُن پر سیلاب بہت زور کا''

اس قوم نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اعراض و سرکشی کی روش اختیار کی تو ان پر اللہ کا عذاب اس انداز سے آیا کہ ایک عظیم سیلاب نے ان کے بند کو توڑ دیا جس سے ان کی بستیاں تباہ ہو گئیں اور ان کے باغات کے سلسلے بھی برباد ہو گئے۔

﴿وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور ہم

نے بدل دیے ان کے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ' جن میں کڑوے کسیلے پھل' جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔''

آیت ۱۷ ﴿ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ﴾ ''یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو ان کے کفرانِ نعمت کی وجہ سے۔''

﴿وَهَلۡ نُجٰزِيۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور ہم ایسا برا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکرے لوگوں کو۔''

چند سال پہلے میرا ذہن پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے ان آیات کی طرف منتقل ہوا کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے دائیں اور بائیں کے دو خوبصورت باغات سے نوازا تھا۔ ایک باغ کا نام مغربی پاکستان تھا اور دوسرے کا مشرقی پاکستان۔ ہمارے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں باغات میں آزادی اور امن وامان کا ماحول فراہم کیا گیا تھا۔ دونوں جگہوں پر کسی نہ کسی حد تک بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ کی عملی تصویر نظر آتی تھی۔ پھر ہم بھی اپنے رب کی ناشکری کے مرتکب ہوئے' ہم نے بھی اس کی اطاعت سے اعراض کیا۔ چنانچہ ہمارے اس طرزِ عمل کے باعث ہم سے بھی بہت سی نعمتیں سلب کر لی گئیں اور پھر ہمیں معاشی بدحالی اور خطرات وخدشات کی اس حالت کو پہنچا دیا گیا جس کا سامنا ہم آج کر رہے ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اے لوگو) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے' اس میں تمہارا ذکر ہے' تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟'' اس فرمانِ الٰہی کے مطابق قرآن کے اندر ہر قوم اور ہر انسان کو اپنے حالات کا عکس کہیں نہ کہیں ضرور نظر آئے گا' بشرطیکہ اسے پڑھنے والے اس کے ''بین السطور'' مطالب ومفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ ہمیں ہلکے سے ہلکے درجے میں ہی سہی اس آیت کا تطابق اپنے قومی وملکی حالات پر کر کے اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

آیت ۱۸ ﴿وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِيۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾ ''ہم نے ان کے (علاقے) اور ان بستیوں کے درمیان جنہیں ہم نے برکت عطا کر رکھی تھی واضح نظر آنے والی بستیاں قائم کر دی تھیں''

یہاں پر ''بابرکت بستیوں'' سے ارضِ فلسطین مراد ہے۔ اس ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ کے الفاظ بھی مدنظر رہنے چاہئیں۔ آیت زیر مطالعہ میں دراصل اس زمانے کی ایک اہم شاہراہ کا ذکر ہوا ہے جس پر یورپ اور ایشیا کے مابین ہونے والی تجارت کے حوالے سے قومِ سبا کی اجارہ داری تھی۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے' یہ اپنے زمانے کی ایک بہت خوشحال اور طاقتور قوم تھی۔ ان کا علاقہ بہت سرسبز وشاداب تھا اور وہاں مختلف اقسام کی خوشبوئیں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں۔ پرانے زمانے کے سیاحوں کے حوالے سے قومِ سبا کے بارے میں ایسی بہت سی معلومات تاریخ میں دستیاب ہیں۔ چنانچہ اپنے دور کی ایک طاقتور اور خوشحال قوم کی حیثیت سے مشرق ومغرب کے درمیان ہونے والی تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی (بعد میں ایک مدت تک اس تجارت پر قریشِ مکہ کی اجارہ داری رہی جس کا ذکر سورۃ القریش میں آیا ہے)۔ ہندوستان' چین اور دیگر مشرقی ممالک سے آنے والا تجارتی سامان یمن کی بندرگاہ پر اُترتا تھا' جبکہ یورپ سے آنے والا سامان بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) کے راستے فلسطین کی بندرگاہ پر پہنچتا تھا۔ چنانچہ یمن

اور فلسطین کے درمیان قومِ سبا کے تجارتی قافلے اس سامان کی نقل و حمل کے سلسلے میں مذکورہ شاہراہ پر سارا سال رواں دواں رہتے تھے۔

یہ تجارتی شاہراہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے بہت پُرسکون، پُرامن اور ہر لحاظ سے مثالی تھی۔ اس کی کیفیت یوں تھی کہ تقریباً سومیل کے فاصلے تک اس شاہراہ کے دونوں طرف ان کے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد عین شاہراہ کے اوپر جگہ جگہ بستیاں اس طرح آباد تھیں کہ ایک بستی کی حدود ختم ہوتے ہی دوسری بستی کے آثار شروع ہو جاتے تھے۔ اس طرح تجارتی قافلے نہ صرف رہزنی وغیرہ کے خطرات سے محفوظ رہتے تھے بلکہ انہیں سفر و قیام کے دوران اشیاءِ ضرورت اور مطلوبہ سہولیات بھی ہر جگہ ہر وقت دستیاب رہتی تھیں۔

﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ ''اور ہم نے اندازہ مقرر کر دیا تھا ان میں سفر کرنے کا۔''

یعنی ان کے درمیان سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ یہ آبادیاں شاہراہ کے عین کناروں پر اس طرح واقع تھیں کہ ایک آبادی سے دوسری آبادی تک کا درمیانی فاصلہ تیس چالیس میل کے لگ بھگ تھا اور یہ فاصلہ سفر کی منزلوں کے حساب سے رکھا گیا تھا تا کہ ہر منزل پر قافلوں کو قیام و طعام کی مطلوبہ سہولیات آسانی سے میسر آ سکیں۔

﴿سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ⑱﴾ ''(ہم نے انہیں کہہ دیا تھا کہ) تم سفر کرو ان میں راتوں کو بھی اور دن کو بھی امن کے ساتھ۔''

یعنی ان میں رات دن بے خوف و خطر سفر کرو۔

آیت ۱۹ ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ ''تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری پیدا کر دے''

ان کی یہ خواہش یا دُعا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مہربانیوں کی ناقدری کی عبرت انگیز مثال ہے۔ گویا وہ سفر کے مذکورہ مثالی انتظامات سے اُکتا چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پُرامن اور پُرسکون سفر کرتے کرتے تن آسانی اور سہل انگاری کا شکار ہو جائیں گے۔ انہیں زعم تھا کہ وہ بہادر اور مہم جو قسم کے لوگ ہیں اور ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی کہ ان کے سفر لمبے ہو جائیں تا کہ سفر کے دوران انہیں مشکلات و خطرات کا سامنا ہو، جن کا وہ مردانہ وار مقابلہ کریں اور یوں انہیں مہم جوئی اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملے۔

﴿وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ ''اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔''

اس زمانے میں یمن تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناشکریوں اور نافرمانیوں کے سبب اس قوم کا ایسا نام و نشان مٹا کہ اب دنیا میں ان کی صرف داستانیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ قومِ سبا پر سیلاب کے عذاب کا واقعہ بہت زیادہ پرانا نہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت سے تقریباً سوا سو سال قبل یعنی ۴۵۰ عیسوی کے لگ بھگ یہ

واقعہ پیش آیا۔ بند ٹوٹنے کی وجہ سے یہ علاقہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا تو زندہ بچ رہنے والے لوگ عراق اور عرب کے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ خود اوس اور خزرج کے قبائل کا تعلق بھی یمن سے تھا اور یہ لوگ اس علاقے کی تباہی کے بعد یمن سے یثرب میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ قوم سبا کی تباہی کے بعد مذکورہ تجارتی شاہراہ پر قریش مکہ کی اجارہ داری قائم ہوگئی اور جس زمانے میں حضور ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا اس زمانے میں قریش کے تجارتی قافلے جنوب میں یمن اور شمال میں شام و فلسطین کے درمیان آزادانہ سفر کرتے تھے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۱۹﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو بڑا صبر کرنے والا، شکر کرنے والا ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ﴾ ''اور یقیناً ابلیس نے اُن کے بارے میں اپنا گمان سچ کر دکھایا''

﴿فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۲۰﴾ ''سو ان سب نے اس (ابلیس) کی پیروی کی' سوائے مومنین کی ایک جماعت کے۔''

آیت ۲۱ ﴿وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''اور اس کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا''

ابلیس کا انسانوں پر کوئی زور نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف مہلت دے رکھی ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ انسانوں کو حیلے بہانے سے ورغلاتا اور انہیں سبز باغ دکھاتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا اور اسے یہ مہلت بھی انسانوں کی آزمائش کے لیے دی گئی ہے۔

﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''مگر یہ کہ ہم دیکھ لیں کہ کون ہے جو آخرت پر یقین رکھتا ہے''
تاکہ آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگوں کی پہچان ہو جائے اور انہیں ہم چھانٹ کر الگ کر لیں:

﴿مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝۲۱﴾ ''ان لوگوں سے جو اس سے متعلق شک میں ہیں۔ اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔''

آیات ۲۲ تا ۳۰

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ۝۲۲ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ۝۲۳ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲۴ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۵ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۝۲۶ قُلْ

اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا
تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

آیت ۲۲ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان مشرکین سے) کہیے کہ تم بلاؤ ان کو جنہیں تم نے (معبود) گمان کیا ہے اللہ کے سوا۔''

جن دیویوں اور دیوتاؤں کو تم اپنے اولیاء اور مددگار سمجھتے ہو انہیں پکار کر دیکھ لو کہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں!

﴿لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''وہ ذرّہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے' نہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں''

﴿وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور نہ ان دونوں (زمین اور آسمان) میں ان کا کوئی حصہ ہے' اور نہ ہی ان میں سے کوئی اُس کا مددگار ہے۔''

مشرکینِ عرب کے ہاں دو طرح کے مشرکانہ اعتقادات پائے جاتے تھے۔ ان کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ محبوب ہستیاں ایسی ہیں جن کی بات کو وہ ٹال نہیں سکتا' چاہے وہ اُس کی بیٹیاں (وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے) ہوں یا انسانوں میں سے اس کی محبوب شخصیات۔ چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی ان محبوب ہستیوں کی سفارش سے آخرت میں وہ بچ جائیں گے۔

ان کا دوسرا مشرکانہ عقیدہ یہ تھا کہ اگرچہ اللہ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے لیکن اس نے اس کائنات کا نظام چلانے کے لیے اپنے کچھ نائبین مقرر کر کے ان میں کچھ اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح دنیا کی سلطنتوں اور حکومتوں کا نظام چلانے کے لیے تمام بادشاہ اور حکمران اپنے نائبین مقرر کر کے انہیں کچھ اختیارات تفویض کر دیتے ہیں اسی طرح اللہ کے مقرر کردہ نائبین اس کائنات کا نظام چلاتے ہیں' اور وہ نہ صرف اللہ کے مددگار ہیں بلکہ اس کے اختیارات میں بھی شریک ہیں۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس دوسری قسم کے مشرکانہ عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔

اس حوالے سے یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ ہندوستانی دیومالا (mythology) میں دیویوں اور دیوتاؤں کا جو تصور پایا جاتا ہے اس میں اور ہمارے ایمان بالملائکہ میں بظاہر بہت باریک اور نازک سا فرق ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ کائنات کے اندر فرشتے اللہ کی طرف سے تفویض شدہ مختلف فرائض ادا کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے فرشتے گویا اللہ کی کائناتی حکومت کی ''سول سروس'' ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے' وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو مدد کے لیے پکارنا' کسی سے کسی قسم کی کوئی دعا کرنا یا استغاثہ کرنا جائز نہیں۔ کسی کے نفع یا نقصان کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے' اس لیے دعا کے لیے پکارنا بھی اسی کو ہے۔ استمداد بھی اسی سے ہے اور استغاثہ بھی اسی سے۔ وہ

قادرِ مطلق ہے‘ وہ چاہے تو کسی کی براہِ راست مدد کردے یا کسی کی تکلیف رفع کرنے کے لیے کسی فرشتے کو بھیج دے۔ اس کے برعکس دیومالائی تصور یہ ہے کہ جو ہستیاں اللہ کے نائبین کے طور پر کائنات کے اندر مختلف فرائض سنبھالے ہوئے ہیں وہ اللہ کے اختیارات میں بھی حصہ دار ہیں۔ چنانچہ ان کے حضور اپنی حاجات بھی پیش کی جاسکتی ہیں‘ ان سے دعا بھی کی جاسکتی ہے اور ان سے استغاثہ بھی کیا جا سکتا ہے‘ جس کے جواب میں وہ اپنے پکارنے والوں کی حاجت روائی بھی کرتے ہیں اور مشکل کشائی بھی۔ چنانچہ نظریاتی طور پر دیکھا جائے تو یہ باریک سا فرق دراصل زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیومالائی مشرکانہ تصورات دراصل ''ایمان بالملائکہ'' ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ﴾ ''اور نہ نفع دے گی اُس کے ہاں کوئی سفارش مگر اُسی کے حق میں جس کے لیے اُس نے اجازت دی ہو۔''

﴿حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ﴾ ''یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے ان کے دلوں سے''

یہ فرشتوں کا حال بیان ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو کوئی حکم بھیجتا ہے تو اس کی عظمت اور جلالت کی وجہ سے ان پر دہشت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب ان سے اس دہشت کا اثر زائل کر دیا جاتا ہے تو:

﴿قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ﴾ ''وہ پوچھتے ہیں تمہارے ربّ نے کیا فرمایا تھا؟''

﴿قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ۝۲۳﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ (اُس نے جو کچھ فرمایا ہے وہ) حق ہے‘ اور وہ بہت بلند و بالا‘ بہت بڑا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''آپؐ (ان سے) پوچھیے کہ کون ہے جو تمہیں رزق بہم پہنچاتا ہے آسمانوں اور زمین سے؟''

﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى اَوۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۲۴﴾ ''آپؐ کہیے کہ اللہ! اور یقیناً ہم یا تم لوگ یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں!''

یعنی ہمارے اور تمہارے عقائد و نظریات میں بُعد المشرقین ہے۔ ان متضاد عقائد میں سے صرف ایک عقیدہ ہی درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ منطق اور عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک گروہ ہدایت پر ہے اور دوسرا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

آیت ۲۵ ﴿قُلۡ لَّا تُسۡـَٔـلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا﴾ ''آپؐ کہیے کہ تم سے نہیں پوچھا جائے گا ہمارے جرائم کے بارے میں''

تم سمجھتے ہو کہ ہم نے نیا دین گھڑ لیا ہے‘ ہم نے تمہارے معبودوں کو جھٹلایا ہے اور ہم نے تمہارے خاندانوں میں پھوٹ ڈال دی ہے اور یوں ہم بہت سنگین جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ لیکن اس حوالے سے تم لوگ خاطر جمع رکھو‘ ہمارے ان جرائم کے بارے میں تم سے پوچھ گچھ نہیں ہو گی۔ اپنے ان ''جرائم'' کا حساب ہم خود ہی دیں

گے۔ یہاں پر مخالف فریق کو گمراہ کہنے کے بجائے دونوں میں سے کسی ایک فریق کی گمراہی کی بات کر کے اور ان کے الزام کے مطابق جرائم کو خود اپنی طرف منسوب کر کے ''حکمتِ تبلیغ'' کا بہت اہم سبق سمجھایا گیا ہے۔

﴿وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور نہ ہی ہم سے پوچھا جائے گا تمہارے اعمال کے بارے میں۔''

تبلیغ کا حکیمانہ اسلوب ملاحظہ ہو' جہاں اپنے لیے لفظ ''جرم'' استعمال ہوا ہے' وہاں مخالف کے لیے صرف ''عمل'' کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ کسی کی مخالفانہ عصبیت کو انگیخت کا بہانہ نہ ملے اور کسی کے اندر اگر کچھ سوچنے اور غور کرنے کی آمادگی پائی جاتی ہو تو اس کا دروازہ بند نہ ہونے پائے۔

آیت ۲۶ ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو (ایک دن) جمع کرے گا' پھر وہ فیصلہ کر دے گا ہمارے مابین حق کے ساتھ' اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا' خوب جاننے والا ہے۔''

اس دن جو فیصلہ بھی ہو گا بر بنائے علم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایک شخص کی ایک ایک حرکت کا علم ہے۔

آیت ۲۷ ﴿قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾﴾ ''آپ کہیے کہ ذرا مجھے دکھاؤ تو وہ (معبود) جنہیں تم نے شریک بنا کر اُس کے ساتھ ملا رکھا ہے! کوئی نہیں! بلکہ وہی اللہ ہے' بہت زبردست' نہایت حکمت والا۔''

وہ اپنی ذات میں خود ''العزیز'' (غالب' زبردست) ہے' اُس کی قدرت کسی اور کے بل پر قائم نہیں' اُسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں' وہ کسی اور کی مدد کا محتاج نہیں۔

آیت ۲۸ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام بنی نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''

تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں یہ اعزاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آیا کہ آپ کو تمام بنی نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اس سلسلے میں یہ اہم نکتہ بھی نوٹ کیجیے کہ یہ فیصلہ تاریخ انسانی کے اس مرحلے پر کیا گیا جب انسانی تمدن اور ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کے باعث آپ ﷺ کی دعوت کو دنیا کے کونے کونے میں ایک ایک شخص تک پہنچانا عملی طور پر ممکن ہونے کے قریب تھا۔ ورنہ اس سے پہلے عملی طور پر کسی نبی یا رسول کی دعوت کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا ممکن ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آئے وہ مخصوص علاقوں میں ایک ایک قوم کی طرف مبعوث ہو کر آئے۔ اسی لیے آپ سے پہلے کے پیغمبروں کی بعثت کا تعارف قرآن حکیم میں اس طرح کرایا گیا ہے: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ (ھود: ۵۰) ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ﴾ (ھود: ۶۱)' ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ﴾ (ھود: ۸۴)۔ لیکن حضور ﷺ کی بعثت کے بارے میں یہاں یوں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾۔

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ ”اور وہ پوچھتے ہیں کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ، اگر تم لوگ سچے ہو!“

مشرکین کے اس سوال میں عذاب یا قیامت دونوں کی طرف اشارہ موجود ہے کہ آپؐ ہمیں جو عذاب کی دھمکیاں دیتے ہیں یا قیامت برپا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ذرا یہ بھی تو بتائیں کہ آپؐ کے یہ وعدے کب پورے ہوں گے؟

آیت ۳۰ ﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝﴾ ”آپؐ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے ایک خاص دن کی میعاد مقرر ہے، جس سے تم نہ تو ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے۔“

آیات ۳۱ تا ۳۳

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

آیت ۳۱ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ﴾ ”اور کہا ان کافروں نے کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ہی اُس (قرآن) پر جو اس سے پہلے تھا۔“

یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں لفظ قرآن کا اطلاق تورات پر بھی ہوا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے سورۃ القصص کی آیت ۴۸ کی تشریح بھی مدنظر رہنی چاہیے، جس میں کفار کا وہ قول نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے قرآن اور تورات کو سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا قرار دیا تھا۔ ان کے اس الزام کا مطلب یہ تھا کہ تورات اور قرآن دراصل دو جادو ہیں جنہوں نے باہم گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ تورات میں قرآن اور محمد (ﷺ) کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں جبکہ محمد (ﷺ) کا قرآن تورات کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس طرح ان دونوں نے ایکا کر کے ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا ہے۔ گویا انہوں نے اپنے اس بیان کے ذریعے قرآن اور تورات کے ایک ہونے کی تصدیق کی تھی۔ آیت زیر مطالعہ میں یہی بات ایک دوسرے انداز میں بیان کی گئی ہے۔

قرآن حکیم کے اس مطالعے کے دوران یہ اصول کئی بار دہرایا جا چکا ہے کہ قرآن نے تورات کے جن

احکام کی نفی نہیں کی وہ احکام حضورﷺ نے اپنی شریعت میں قائم رکھے ہیں۔ مثلاً قتلِ مُرتد اور رجم تورات کے احکام تھے جن کو حضورﷺ نے برقرار رکھا۔ اور اسی اصول کے تحت قرآن میں کوئی صریح حکم نہ ہونے کے باوجود بھی حضورﷺ نے رجم کیا ہے اور خلفائے راشدین ؓ سے بھی رجم کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ سوائے خوارج کے اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع کے تمام مکاتب فکر اس پر متفق ہیں کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ البتہ قرآن پہلی الہامی کتابوں پر مُھَیمِنْ (نگران) ہے یعنی اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہوگئی تھیں ان کی تصحیح اس قرآن کے ذریعے ہوئی ہے۔

یہاں پر میں ایک حدیث کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ نبی اکرمﷺ کے پاس ایک کتاب (تورات کا نسخہ) لے کر آئے جو انہیں اہلِ کتاب میں سے کسی نے دی تھی اور اسے آپﷺ کو پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔ اس پر آپﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا:

((أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهٖ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَا تَسْأَلُوْهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوْكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوْا بِهٖ اَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوْا بِهٖ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ))(۱)

''اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ اس (تورات) کے بارے میں متحیر ہو؟ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس یہ (قرآن) روشن اور پاکیزہ اور ہر آمیزش سے پاک لے کر آیا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھو مبادا وہ تمہیں حق بتائیں اور تم اس کو جھٹلا دو یا باطل خبر دیں اور تم اس کی تصدیق کر دو۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔''

حضورﷺ کے اس فرمان کا مدعا بہت واضح ہے کہ قرآن کے احکام آخری اور حتمی ہیں' تورات کے کسی حکم سے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن کے کسی حکم کے سامنے تورات کے کسی حکم کا حوالہ دینے کا کوئی جواز نہیں۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے۔''

﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ﴾ ''وہ ایک دوسرے کی طرف بات لوٹائیں گے۔''

یعنی آپس میں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔

﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱﴾ ''جو لوگ کمزور تھے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم ضرور مؤمن ہوتے۔''

تاویلِ خاص کے لحاظ سے یہاں قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے عوام کو

(۱) البداية والنهاية لابن كثير: ۱۲۲/۲' اسناده على شرط مسلم۔

حضور ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزماتے تھے۔ چنانچہ قیامت کے دن ان کے عوام انہیں کوس رہے ہوں گے کہ اگر تم لوگ ہماری راہ میں حائل نہ ہوتے تو ہم ایمان لا چکے ہوتے اور آج ہمیں یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔

آیت ۳۲ ﴿قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰکُمْ عَنِ الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَکُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''(جواباً) وہ کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے ان سے جو کمزور تھے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا' اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ گئی تھی؟ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا بَلْ مَکْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''اس پر کہیں گے وہ جو کمزور تھے ان سے جو بڑے بنے ہوئے تھے بلکہ یہ (تمہاری) رات دن کی سازشیں تھیں''

﴿اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّکْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ﴾ ''جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کا کفر کریں اور اس کے لیے مدِ مقابل ٹھہرائیں۔''

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ﴾ ''اور وہ چھپائیں گے ندامت کو جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔''

﴿وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ﴾ ''اور ہم نے طوق ڈال دیے ہیں ان کافروں کی گردنوں میں۔''

﴿هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''ان کو بدلہ نہیں ملے گا مگر اُسی کا جو عمل وہ کرتے تھے۔''

آیات ۳۴ تا ۳۹

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا
نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ
وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَاۤ اَمْوَالُکُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ ع
عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ
فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

آیت ۳۴ ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا مگر (ہمیشہ ایسا ہوا کہ) اُس کے آسودہ حال

لوگوں نے کہا کہ جو چیز آپ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس کے منکر ہیں۔"

آیت ۳۵ ﴿وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ۝۳۵﴾ "اور انہوں نے کہا کہ ہم اموال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں دولت اور اولاد جیسی نعمتوں سے نوازا گیا ہے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہم سے خوش ہے اور ہم اس کے منظورِ نظر ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہمیں دنیا میں خوشحالی حاصل ہے اسی طرح ہمیں آخرت میں بھی عیش کی زندگی ملے گی اور عذاب تو ہمیں بالکل بھی نہیں دیا جائے گا۔

آیت ۳۶ ﴿قُلۡ اِنَّ رَبِّيۡ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ﴾ "آپؐ کہیے کہ یقیناً میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے (دنیا کا) رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے"

اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی نعمتوں کی تقسیم لوگوں کے اعمال یا اعتقاد کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کسی کے ہاں مال و دولت کی کثرت ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کا منظورِ نظر ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ))(۱) "اگر دنیا کی وقعت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے ایک پَر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی پینے کو نہ دیتا"۔ چنانچہ جس مال اور اولاد پر یہ لوگ اتراتے پھرتے ہیں اللہ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۶﴾ "لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔"

اکثر لوگ اللہ کی اس تقسیم کے فلسفے کے بارے میں لاعلم ہیں۔ وہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ رزق کی کمی یا زیادتی کا تعلق کسی انسان کے اللہ کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے سے نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿وَمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِيۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰٓى﴾ "اور (دیکھو!) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں کہ وہ تمہیں مرتبے میں ہمارا مقرب بنا دیں"

﴿اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫﴾ "سوائے اُس شخص کے جو ایمان لایا اور اُس نے نیک اعمال کیے۔"

﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِي الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ۝۳۷﴾ "تو ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا دوگنا اجر ہے اور وہ بالاخانوں میں امن سے رہیں گے۔"

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيۡنَ يَسۡعَوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ فِي الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ۝۳۸﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کر رہے ہیں ہماری آیات کو ناکام کرنے کی وہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔"

آیاتِ الٰہی کے نزول کا مقصد تو ایمان کی روشنی کو پھیلانا اور لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ عزوجل۔ قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث صحیح غریب۔

لے جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس عمل کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں وہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

آیت ۳۹ ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ یقیناً میرا ربّ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (جسے چاہتا ہے) اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔''

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ﴾ ''اور جو کچھ بھی تم لوگ خرچ کرتے ہو تو وہ اسے لوٹا دیتا ہے۔''

یعنی اللہ کی رضا کے لیے جو مال خرچ کیا جاتا ہے ایک تو اس کا اجر آخرت میں ملے گا جو دس گنا سے سات سو گنا تک ہوگا' بلکہ قرآن میں اس سے بھی زیادہ کی بشارت ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہوئے انسان کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے اور دل میں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس کا نقد معاوضہ بھی عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے رزق کے نئے نئے مواقع پیدا فرماتا ہے اور ان کے وسائل میں خصوصی برکتیں نازل فرماتا ہے۔

﴿وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔''

آیات ۴۰ تا ۴۵

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا
یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ
كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ
یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا
وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ؕ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ
اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾ ع ۹/۱۱

آیت ۴۰ ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾

''اور جس دن وہ جمع کرے گا ان سب کو' پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہیں پوجا کرتے تھے؟''

آیت ۴۱ ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ﴾ ''وہ کہیں گے: تُو پاک ہے' تُو ہمارا ولی ہے ان کے سوا۔''

یعنی ہمارا آقا اور مالک تو تُو ہی ہے' ان سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔

﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (۴۱)﴾ ''بلکہ یہ لوگ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے' ان کی اکثریت ان ہی پر ایمان رکھتی تھی۔''

آیت ۴۲ ﴿فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ﴾ ''تو آج کے دن تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا' نہ نفع کا اور نہ نقصان کا''

﴿وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (۴۲)﴾ ''اور ہم کہیں گے ان ظالموں سے کہ اب چکھو اس آگ کے عذاب کا مزا جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

آیت ۴۳ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ﴾ ''اور جب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات' تو وہ (آپس میں ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ یہ شخص تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم کو ان سے روک دے جن کی عبادت تمہارے آباء و اَجداد کرتے تھے''

﴿وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ﴾ ''اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر ایک گھڑا ہوا جھوٹ۔''

یعنی یہ قرآن دراصل محمد (ﷺ) کا اپنا کلام ہے جس کو وہ وحی کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۴۳)﴾ ''اور ان کافروں نے حق کے بارے میں جبکہ یہ ان کے پاس آ گیا' کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر ایک کھلا ہوا جادو۔''

آیت ۴۴ ﴿وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا﴾ ''اور ہم نے انہیں ایسی کوئی کتابیں نہیں دیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں''

یعنی ان لوگوں پر ہماری طرف سے کوئی ایسی کتاب تو نازل نہیں ہوئی جس میں لکھا ہو کہ لات' منات اور عزیٰ وغیرہ کو ہم نے کچھ خصوصی اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ اگر ان کے پاس ان کے ایسے دعووں کی کوئی سند ہے تو پیش کریں۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ (۴۴)﴾ ''اور نہ ہی ہم نے آپؐ سے پہلے ان کی طرف کوئی خبردار کرنے والا بھیجا تھا۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور نبی آخر الزماں ﷺ کے درمیان تین ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے کے دوران بنو اسماعیلؑ کے ہاں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔

آیت ۴۵ ﴿وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ﴾ ''اور ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے''

﴿وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ ''اور یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو کچھ ہم نے انہیں

دے رکھا تھا''

مثلاً قومِ عاد کو جو شان و شوکت عطا ہوئی تھی اور اپنے علاقے میں جیسا ان کا رعب و دبدبہ تھا قریش مکہ کو تو اُس کا عُشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہے۔

﴿فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾﴾ ''تو انہوں نے میرے رسولوںؑ کو جھٹلایا' پس کیسی رہی (ان کے لیے) میری پکڑ!''

آیات ۴۶ تا ۵۴

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ
فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ
بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ
فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى
اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ
مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع ۶ ۱۲

آیت ۴۶ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔''

اس آیت کا تعلق آیت ۸ سے ہے۔ مذکورہ آیت کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں مختلف لوگ مختلف آراء رکھتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ابھی شش و پنج میں تھے کہ یہ معاملہ آخر ہے کیا؟ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ان کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ کچھ سمجھتے تھے کہ انہیں جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے' جبکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کسی منصوبہ بندی کے تحت جان بوجھ کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ!) لیکن ایسے لوگوں کے ذہنوں میں ایک بہت بڑا سوال یہ بھی گردش کرتا رہتا تھا کہ ایک ایسا شخص آخر اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے جس نے کبھی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی جھوٹ نہیں بولا اور جس کو ہم خود الصادق اور الامین کا خطاب دے چکے ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس بارے میں ابھی ذہنی خلجان کا شکار تھے اور کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہے تھے کہ آپؐ کی دعوت کی اصل حقیقت ہے کیا! ایسے تمام لوگوں کو ان آیات میں سنجیدہ غور و فکر پر آمادہ کرنے کے لیے دعوت دی جا رہی ہے کہ اس طرح شاید انہیں اپنے گریبانوں

میں جھانکنے‘ اپنے موروثی عقائد کی عصبیت سے بالاتر ہو کر سوچنے اور کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے کا موقع مل جائے۔ اس لحاظ سے یہ آیات بہت اہم ہیں۔

﴿اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۟﴾ ''یہ کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو ہو کر یا اکیلے اکیلے‘ پھر غور کرو!''

یعنی کسی وقت تم دو دو آدمی باہم گفتگو کر کے یا الگ الگ کچھ دیر کے لیے اپنی توجہ کو مرتکز کر کے اللہ کو اپنے سامنے تصور کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ‘ پھر غور و فکر کرو۔ اگر تم اس انداز میں سنجیدگی سے غور کرو گے تو حقیقت ضرور تم پر واضح ہو جائے گی۔

﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ﴾ ''تمہارے ساتھی کو جنون کا کوئی عارضہ نہیں ہے!''

اگر کسی شخص پر جنون یا آسیب کے اثرات ہوں تو اس کے کچھ شواہد بھی نظر آتے ہیں۔ تم لوگ ہمارے نبی ﷺ کی گزشتہ زندگی کے شب و روز کے بارے میں سوچو‘ آپؐ کی بات چیت پر غور کرو‘ آپؐ کے اخلاق و معاملات کا جائزہ لو‘ کیا تمہیں کسی بھی پہلو سے ان میں جنون کے کچھ آثار نظر آتے ہیں؟ کیا آسیب زدہ لوگوں کے اقوال و افعال اور معمولاتِ زندگی ایسے صاف ستھرے اور مثالی ہوتے ہیں؟

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶﴾ ''وہ نہیں ہیں مگر تمہارے لیے ایک خبردار کرنے والے‘ ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے۔''

آیت ۴۷ ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر میں نے تم سے کچھ اجرت مانگی ہو تو وہ تمہارے ہی لیے ہے۔''

یہ ایک ایسا اندازِ بیان ہے جس میں ''نفی'' کی گویا انتہا ہے کہ میں نے اس کام کے عوض اگر کوئی اجرت طلب کی ہو تو وہ تم ہی کو مبارک ہو! میں دن رات دعوت کے اس کام میں ہمہ تن مصروف ہوں‘ مگر میں اس پر تم لوگوں سے کسی قسم کی کوئی اُجرت‘ کوئی معاوضہ اور کوئی صلہ طلب نہیں کرتا۔ تم لوگ اس کلام کو کبھی شاعری کہتے ہو اور کبھی پرانے زمانے کی کہانیوں سے تشبیہ دیتے ہو۔ مگر تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شاعروں کی شاعری اور قصہ خوانوں کی کہانیوں کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ وہ لوگ تو اپنے سامعین کا دل بہلا کر اُجرت کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور اپنے کلام کی داد انعامات کی صورت میں وصول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا تمہیں مجھ میں اور ایسے پیشہ ور فنکاروں میں واقعی کچھ فرق نظر نہیں آتا؟

﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷﴾ ''میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے‘ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ یقیناً میرا رب حق کے ساتھ ضرب لگاتا ہے (باطل کو)‘ وہ خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔''

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ ''بلکہ ہم حق کو دے مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے' پھر وہ مٹ جاتا ہے''۔ آیت زیر مطالعہ کا بھی بالکل یہی مفہوم ہے' اس لیے یہاں ''يَقْذِفُ بِالْحَقِّ'' کے بعد ''عَلَى الْبَاطِلِ'' کے الفاظ کو محذوف سمجھا جانا چاہیے۔

آیت ۴۹ ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ حق آ گیا ہے''

آپؐ اعلان کر دیجیے کہ حق کا بول بالا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اب چند ہی برسوں بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کے دین کا غلبہ ہو جائے گا۔

﴿وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور باطل نہ تو (کسی چیز کی) ابتدا کر سکتا ہے اور نہ ہی اعادہ۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ﴾ ''آپؐ (ان سے یہ بھی) کہیے کہ اگر میں بھٹک گیا ہوں تو اس کا وبال میرے اوپر ہی آئے گا۔''

﴿وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کے طفیل ہے جو میرا رب میری طرف کرتا ہے۔ یقیناً وہ خوب سننے والا' بہت قریب ہے۔''

یہ انتہائی متواضع اندازِ بیان ہے کہ اگر بالفرض میں بھٹک گیا ہوں تو یہ میرے نفس کی شرارت کے باعث ہے اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا۔ اور اگر میں سیدھے راستے پر ہوں تو یقیناً میرے رب کی راہنمائی کی وجہ سے ایسا ممکن ہوا ہے۔ میں اپنی محنت اور کوشش سے ہدایت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

آیت ۵۱ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے' تب بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا''

انسانوں کی گھبراہٹ اور پریشانی کی اس کیفیت کو سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۳ میں ''الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کیفیت قیامت کے اس ''زلزلے'' کے باعث ہوگی جس کا ذکر سورۃ الحج کی ابتدائی آیت میں اس طرح ہوا ہے: ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾﴾ ''یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہوگا۔''

﴿وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾﴾ ''اور وہ پکڑ لیے جائیں گے قریبی جگہ سے۔''

جیسے کوئی پاس پڑی ہوئی چیز کو ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیتا ہے اسی طرح انہیں آسانی کے ساتھ قابو میں کر لیا جائے گا۔

آیت ۵۲ ﴿وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور (اُس وقت) وہ کہیں گے کہ اب ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور (اُس وقت) کہاں ہوگی ان کی رسائی (ایمان تک) اتنی دُور کی جگہ سے!''

''تناوش'' اور ''تناول'' ہم معنی الفاظ ہیں۔ یعنی پا لینا' کسی چیز کا پہنچ میں ہونا اور اس تک رسائی ہونا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان لانے کا فائدہ تو دنیا کی زندگی میں ہے جو انسانوں کے لیے امتحانی عرصہ ہے۔ جب

امتحان کی مہلت ختم ہو جائے گی تو ایمان لانے کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ چنانچہ اس روز کسی کا ایمان لانا اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

آیت ۵۳ ﴿وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ”اور پہلے تو انہوں نے اس کا کفر کیا تھا‘ اور وہ (اٹکل کے) تیر تکّے چلاتے رہے بن دیکھے دور کی جگہ سے۔“

اپنی دنیا کی زندگی میں تو وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں کبھی کہتے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں‘ کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں اور یہ ان کا اپنا کلام ہے‘ کبھی کہتے کہ انہوں نے گھر میں کوئی آدمی چھپا رکھا ہے جو انہیں یہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ ان پر جن آ گیا ہے۔ بہر حال جب ان کے سوچنے اور ایمان لانے کا موقع تھا اس وقت تو وہ قرآن اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار کرتے رہے اور ان کے بارے میں بغیر کسی علمی اور عقلی دلیل کے یاوہ گوئی کرتے رہے۔ اب جبکہ حساب کی گھڑی آن پہنچی ہے تو اب ان کے ایمان لانے کا کیا فائدہ؟

آیت ۵۴ ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ ”اور آڑ کر دی جائے گی ان کے اور ان کی مَن پسند چیزوں کے مابین“

مَا يَشْتَهُوْنَ سے مراد جنت اور جنت کی نعمتیں ہیں۔ سورۂ قٓ‘ آیت ۳۵ میں اہلِ جنت کے لیے ان نعمتوں کا ذکر یوں آیا ہے: ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا﴾ ”ان کے لیے اس میں ہوگا جو وہ چاہیں گے“۔ یعنی جو جو چیزیں انسان کو مرغوب ہوتی ہیں وہ اہل جنت کو جنت میں فراہم کی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ ”اور تمہارے لیے اس میں وہ کچھ ہوگا جس کی خواہش تمہارے جی کریں گے“۔ جبکہ مجرموں کو اس دن ان نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا۔

﴿كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ﴾ ”جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسا طرزِ عمل اختیار کرنے والے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔“

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ﴾ ”وہ لوگ بھی (ایسے ہی) اضطراب والے شک میں پڑے رہے تھے۔“

ان لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں شکوک و شبہات جنم لیتے رہے اور اسی طرح انہیں بھی حق کی تصدیق کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

بیان القرآن

سُورَۃُ فَاطِر

(۳۵)

سُوْرَةُ فَاطِر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱ تا ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ
وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝٢ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝٣ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ
قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٤ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝٥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا
يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۛ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧ ع ۷/۱۲

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”کُل حمد اور کُل شکر اللہ کے لیے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا“

فاطِر کے لغوی معنی ہیں: عدم کے پردے کو چاک کر کے کسی چیز کو وجود بخشنے والا۔ یہاں پر ایک اہم لغوی نکتہ ضمنی طور پر نوٹ کر لیں کہ ”ف“ سے شروع ہونے والے عربی کے اکثر الفاظ میں توڑنے‘ چاک کرنے‘ پھاڑنے وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً فَطَرَ کے علاوہ فَلَقَ‘ فَرَطَ‘ فَلَحَ‘ فَتَحَ‘ فَصَلَ‘ فَتَرَ وغیرہ الفاظ میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ (فَتْرَةُ الوحی سے وہ عرصہ مراد ہے جس میں وحی رکی رہی‘ یعنی وحی کا تسلسل ٹوٹ گیا اور فترۃ من الرسل سے مراد چھ سو برس کا وہ زمانہ ہے جس کے دوران پیغمبروں کا سلسلہ رکا رہا۔)

﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ﴾ ”فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا‘ جو دو دو‘ تین تین اور چار چار پَروں والے ہیں۔“

فرشتوں کے پَروں کی ہیئت اور کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن تمثیل کے انداز میں سمجھنے کے لیے مختلف اقسام کے طیاروں کا تصور ذہن میں رکھا جا سکتا ہے‘ جیسے کسی طیارے میں دو انجن ہوتے ہیں اور کسی میں چار۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کو اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق مختلف نوعیت کی صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔

﴿یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①﴾ ''اللہ اضافہ کرتا رہتا ہے تخلیق میں جو چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آج سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ تخلیق کا سلسلہ جاری وساری ہے' مسلسل نئے نئے ستارے وجود میں آ رہے ہیں اور نئی نئی کہکشائیں بن رہی ہیں۔ اقبال نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید — کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکُون

آیت ۲ ﴿مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ﴾ ''جو رحمت (کا دروازہ) بھی اللہ لوگوں کے لیے کھول دے تو اُسے بند کرنے والا کوئی نہیں۔''

یہاں ''رحمت'' سے مراد نبوت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے وحی کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔ اسی لیے سورۃ الانبیاء میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۱۰۷﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر''۔ بنی نوعِ انسان کو چونکہ ایک بہت بڑے امتحان سے سابقہ ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آسانی کے لیے نبوت کا دروازہ کھول دیا ہے اور اپنے رسول کی شخصیت اور سیرت کو ان کے سامنے رکھ دیا ہے' جو بذاتِ خود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے' تاکہ لوگ احکام وحی سے راہنمائی حاصل کریں اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی پیروی کر کے اس امتحان میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں۔ بہرحال یہاں پر اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت' مشیت اور اختیار کا ذکر اس طرح فرمایا گیا کہ انسانیت کی راہنمائی کے لیے اس نے نبوت کی صورت میں اپنی رحمت کا جو دروازہ کھولا ہے اسے کوئی بند نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ ''اور جسے وہ روک لے تو پھر اسے کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے اس کے بعد۔''

جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت سے نبوت کا دروازہ بند فرما دے گا تو پھر اسے کوئی کھول نہیں سکے گا۔ چنانچہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے' اس لیے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ البتہ مختلف ادوار میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی صورت میں دجالوں کا ظہور ہوتا رہے گا۔

﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②﴾ ''اور یقیناً وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے۔''

آیت ۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ﴾ ''اے لوگو! اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی ہے۔''

اللہ کے جو احسانات تم پر ہوئے ہیں انہیں یاد کرو اور ان کی قدر کرو!

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں رزق بہم پہنچاتا ہو آسمان سے اور زمین سے؟''

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ③﴾ ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے' تو تم کہاں سے اُلٹے پھرائے جارہے ہو!''

آیت ۴ ﴿وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوںؑ کو جھٹلایا گیا ہے۔''

﴿وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ④﴾ ''اور (بالآخر) تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

آیت ۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ٜ﴾ ''اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے' تو دیکھو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے''

﴿وَلَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ⑤﴾ ''اور نہ ہی تمہیں دھوکے میں ڈالے اللہ کے بارے میں وہ بڑا دھوکے باز۔''

اس سے پہلے ہم یہی الفاظ سورۂ لقمان کی آیت ۳۳ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ لفظ 'غرور'' اگر ''غ'' کی پیش کے ساتھ ہو تو مصدر ہے' اور اگر ''غ'' کی زبر کے ساتھ (فَعول کے وزن پر) ہو تو یہ مبالغے کا صیغہ ہوگا۔ چنانچہ ''الغَرُور'' کے معنی ہیں بہت بڑا دھوکے باز' یعنی ابلیس لعین جو اکثر لوگوں کو اللہ کے بارے میں اس طرح بھی ورغلاتا ہے کہ اللہ بڑا رحیم' کریم' شفیق اور مغفرت کرنے والا ہے۔ تمہیں کاہے کی فکر ہے؟ تم نے کون سے ایسے بڑے گناہ کیے ہیں۔ اور یہ سودی کاروبار! اس کا کیا ہے؟ یہ تو سب کرتے ہیں۔ اور وہ فلاں غلط کام اگر تم سے ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ اللہ غفورٌ رحیم ہے' وہ تو بڑے بڑے گناہگاروں کو بخش دیتا ہے' چنانچہ پریشانی کی کوئی بات نہیں' تم جو کچھ کر رہے ہو کرتے جاؤ اور جس راستے پر چل رہے ہو چلتے جاؤ!

اللہ کی شانِ کریمی اور صفتِ غفاری کے نام پر انسان کو دھوکے میں ڈالنے کا یہ ایک ابلیسی حربہ ہے جس سے یہاں خبردار کیا گیا ہے کہ دیکھو! یہ ابلیس بہت بڑا دھوکے باز ہے' یہ کہیں تمہیں اللہ کی رحمت کے حوالے سے ہی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بہلاوے میں آکر تم دنیوی زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو کر اللہ کو بھول جاؤ اور اس طرح تمہاری یہ زندگی تمہارے لیے ایک بہت بڑا دھوکہ بن جائے۔ اور دیکھو! دُنیوی زندگی کے بارے میں یہ حقیقت کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے: ﴿وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ⑱⑤﴾ (آل عمران) ''اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

آیت ۶ ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ﴾ ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے' چنانچہ تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھو!''

﴿اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِیَکُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ⑥﴾ ''یہ تو بلاتا ہے اپنے ہی گروہ کے لوگوں کو تا کہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسا انسان جس کی نیت درست نہیں اور اس کے اندر شیطانی رجحانات بالقُوّہ

(potentially) موجود ہیں وہ شیطان کا آسان شکار ہے۔ چنانچہ شیطان ہر ایسے انسان کی طرف خصوصی طور پر دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑنے کے بعد اسے راستے میں نہیں چھوڑتا' بلکہ اس کی منزل (جہنم) تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ''بُرے'' کو اس کے گھر تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الاعراف کے ۲۲ ویں رکوع میں بلعم بن باعوراء کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھا۔ صرف عابد و زاہد نہیں' عالم بھی تھا۔ لیکن جب وہ غلطی کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور اسے دھکے دیتا ہوا گمراہی اور بے حیائی میں آگے سے آگے بڑھاتا چلا گیا: ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ (الاعراف) ''پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے''۔ گویا جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ اور ارادوں میں فتور ہو' شیطان انہیں چُن چُن کر ڈھونڈتا ہے' انہیں اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنے گروہ (حزب الشیطان) میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولیاء الرحمٰن اور عباد الرحمٰن کے زمرے میں آتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔

اس حوالے سے یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ جس طرح بعض لوگوں میں حزب الشیطان سے موافقت کا رُجحان (potential) پہلے سے موجود ہوتا ہے اسی طرح کچھ لوگ بالقُوّہ (potentially) حزب اللہ والے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما میں شروع ہی سے حزب اللہ میں شامل ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ اگرچہ ان کے فیصلے میں کچھ تاخیر ہوئی' قبولِ اسلام میں چھ سال لگ گئے' لیکن بالآخر وہ صلاحیت ظاہر ہو گئی —— ''حزب اللہ'' اور ''حزب الشیطان'' قرآنی اصطلاحات ہیں' ان کی وضاحت سورۃ المجادلہ کی آخری آیات میں آئی ہے۔

آیت ۷ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ ''وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ !

آیات ۸ تا ۱۴

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُـثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ

الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّـيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ
يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ
اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۱ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا
مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى
الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ڮ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا
يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ ع

آیت ۸ ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ ﴾ ’’تو کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دی گئی ہو اُس کے عمل کی برائی اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو (ہدایت پا سکتا ہے)!‘‘

آج من حیث القوم ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج ہم فحاشی اور بے حیائی کو کلچر اور ثقافت کے خوبصورت ناموں کے ساتھ نہ صرف معاشرے میں ترویج دے رہے ہیں بلکہ اس ’’ترقی‘‘ پر فخر بھی کرتے ہیں۔ ٹی وی، کیبل اور انٹرنیٹ نے اس فحاشی کو گھر گھر میں پہنچا دیا ہے اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ کسی کو اس ’’اشاعتِ فاحشہ‘‘ میں کوئی قباحت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ امریکہ میں تو ایسی nudists societies بھی پائی جاتی ہیں جن سے تعلق رکھنے والے لوگ نہ صرف لباس کو محض ایک تکلف سمجھتے ہیں بلکہ مادر زاد برہنہ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی حالت میں مخلوط محفلیں بھی سجاتے ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک میں ہم جنس پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان بھی فحاشی اور بے حیائی کی زندہ مثال ہے۔ ہم جنس پرست مرد (gays) ہوں یا عورتیں (lesbians) وہ نہ صرف انتہائی بے شرمی اور بے باکی سے اس فعل شنیع میں ملوث ہیں بلکہ انہوں نے باقاعدہ تنظیمیں بنا رکھی ہیں اور ان تنظیموں کے پلیٹ فارم سے وہ سرعام اپنے نظریات کا پرچار کرتے ہیں اور اپنے قانونی و معاشرتی ’’حقوق‘‘ کے لیے سینہ تان کر مظاہرے کرتے ہیں۔ بہرحال آج کی دنیا میں بے شمار لوگ اس آیت کے الفاظ کا مصداق نظر آتے ہیں جن کے برے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دیے گئے ہیں اور وہ ان برے اعمال کو نہ صرف اچھا سمجھتے ہیں بلکہ ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ ﴾ ’’تو اللہ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔‘‘

یہاں پر ''مَنْ'' کا تعلق دوطرفہ ہے۔ چنانچہ اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اسے جو گمراہ ہونا چاہتا ہے۔

﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ کی جان نہ گھلے ان لوگوں پر رنج کی وجہ سے۔''

اب جبکہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے تو آپؐ ان کے انجام کے تصور سے ان پر افسوس کرتے ہوئے اپنی جان مت گھلائیں' اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں —— یہ مضمون سورۃ الکہف میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے' اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر''۔ پھر یہی مضمون سورۃ الشعراء میں بھی مذکور ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③﴾ ''(اے نبی ﷺ!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧﴾ ''یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ کہ یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۹ ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ﴾ ''اور اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے''

﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ''پھر وہ اٹھا لیتی ہیں بادلوں کو' پھر ہم ہانک دیتے ہیں اس (بادل) کو ایک مُردہ زمین کی طرف''

﴿فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ ''پھر ہم اس سے اس زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔''

﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨﴾ ''اسی طرح سے ہوگا (تمہارا) اٹھایا جانا بھی!''

جس طرح بے آب و گیاہ بنجر زمین پر بارش کے برستے ہی زندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کا سبزہ اس میں سے نمودار ہونے لگتا ہے' اسی طرح وقت آنے پر تم بھی اللہ کے حکم سے زمین سے نکل کھڑے ہو گے۔

آیت ۱۰ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ﴾ ''جو کوئی عزت کا طالب ہے تو (وہ جان لے کہ) عزت سب کی سب اللہ کے پاس ہے۔''

جو شخص اللہ کے جتنا قریب ہوگا اسی قدر وہ سزاوارِ عزت اور صاحبِ توقیر ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ سے جتنا دور ہوگا اسی قدر وہ ذلیل ہوگا' چاہے دنیا میں وہ بظاہر کتنا ہی باعزت اور صاحبِ ثروت ہو۔ سورۃ المنافقون میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧﴾ ''اور عزت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسولؐ کے لیے اور مؤمنین کے لیے' لیکن منافقین (یہ بات) نہیں جانتے۔''

﴿اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ﴾ ''اُسی کی طرف اٹھتی ہیں اچھی باتیں''

ہر اچھی بات' ہر اچھا نظریہ' اچھا خیال' دعوتِ حسنہ اور موعظہ حسنہ گویا ''کلمۂ طیبہ'' ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ''الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر' دعا' تلاوتِ قرآن اور علم و نصیحت کی باتیں ہیں۔ چنانچہ ''ایمان'' بھی کلمۂ طیبہ ہے۔ ظاہر ہے اگر کہیں کسی خیال یا نظریہ کا اظہار کیا جائے گا تو لامحالہ اس کا اظہار ایک ''کلمہ'' ہی کی شکل میں پیش کرنا ممکن ہوگا۔ بہرحال ہر کلمۂ طیبہ (پاکیزہ بات) میں ترفّع (اوپر اٹھنے) کی خداداد صلاحیت موجود ہوتی ہے اور یوں ہر کلمۂ طیبہ اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے' لیکن ترفّع کی اس صلاحیت کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے محنت اور کوشش کی بھی ضرورت ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا:

﴿وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ ؕ﴾ ''اور عملِ صالح اسے اوپر اٹھاتا ہے۔''

یعنی ایمان' یقین' اچھے خیالات' اچھے نظریات اور اچھے عزائم اکیلے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں گے جب تک ان کے ساتھ محنت اور تگ و دو نہیں ہوگی۔ گویا حقیقی کامیابی کے لیے ایمان اور عمل صالح دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

﴿وَالَّذِیۡنَ یَمۡکُرُوۡنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ؕ﴾ ''اور جو لوگ بری سازشیں کر رہے ہیں ان کے لیے سخت سزا ہوگی۔''

﴿وَمَکۡرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوۡرُ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور ان کی سازشیں ناکام ہو کر رہ جائیں گی۔''

آیت ۱۱ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَکُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ﴾ ''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا۔''

﴿وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ﴾ ''اور نہ ہی کسی مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ جنتی ہے مگر یہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔''

انسان ہو یا حیوان' اس حوالے سے کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

﴿وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ﴾ ''اور کسی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ ہی کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر یہ سب ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔''

﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۱﴾﴾ ''یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یعنی اپنی نوع (species) کے اعتبار سے انسان کی ایک اوسط (average) عمر ہے' لیکن کوئی شخص اس اوسط عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے جبکہ ایک دوسرا شخص اوسط عمر کے بعد بھی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ایک طے شدہ نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ کون طویل عمر پائے گا' کون چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے گا اور کس کو کب موت آئے گی' اس بارے میں تمام فیصلے اللہ کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖ﴾ ''اور دو سمندر ایک جیسے نہیں ہیں''

﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ﴾ ''یہ میٹھا ہے فرحت بخش' اس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے سخت کڑوا۔''

﴿وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ ''اور ان سب سے تم کھاتے ہو تازہ گوشت''

دونوں طرح کے سمندروں سے تم لوگ مچھلیاں شکار کر کے کھاتے ہو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کھاری سمندر کی مچھلیوں کا گوشت کڑوا ہو اور میٹھے پانی کی مچھلیاں کھانے میں خوش ذائقہ ہوں۔

﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ﴾ ''اور (دونوں سے ہی) تم نکالتے ہو زیورات جنہیں تم پہنتے ہو۔''

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ چلتی ہیں (اس کے سینے کو) چیرتے ہوئے تا کہ تم اُس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔''

آیت ۱۳ ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ﴾ ''وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں''

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ﴾ ''اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ''ہر چیز چل رہی ہے ایک معیّن وقت تک۔''

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ﴾ ''یہ اللہ ہے تمہارا ربّ! کُل بادشاہی اُسی کی ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور جنہیں تم پکارتے ہو اُس کے سوا' وہ ایک ذرّہ بھر اختیار نہیں رکھتے۔''

عرب میں کھجور عام پائی جاتی تھی بلکہ یہ ان کی بنیادی غذائی جنس تھی' اس لیے اس کے حوالے سے مختلف مثالیں بھی دی جاتیں۔ چنانچہ کسی حقیر چیز کا ذکر کرنے کے لیے قرآن میں کھجور سے متعلق دو الفاظ قِطمِیر اور فَتِیل استعمال ہوئے ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے اسے قِطمِیر کہا جاتا ہے' جبکہ فَتِیل وہ باریک سا دھاگا ہے جو کھجور کی گٹھلی کی ناف کے اندر ہوتا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ﴾ ''اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے۔''

﴿وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ﴾ ''اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے۔''

جیسے کہ وہ لوگ فرشتوں کو بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ اگر فرشتہ سن بھی لے کہ مجھے پکارا جا رہا ہے تو وہ اس پکارنے والے کی حاجت روائی تو نہیں کر سکتا۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ﴾ ''اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔''

﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور نہیں آگاہ کرے گا کوئی بھی آپ کو اُس (اللہ) کی طرح جو

ہر چیز سے باخبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اس لیے جس طرح وہ آپ کو حقائق سے آگاہ کر رہا ہے کوئی دوسرا اس طرح کی آگاہی فراہم نہیں کر سکتا۔

آیات ۱۵ تا ۲۶

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ
اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي
الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ
اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾
وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ
وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۲ / ۱۵

آیت ۱۵ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾﴾ ''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو الغنی اور الحمید ہے۔''

تمہاری بے شمار احتیاجات ہیں جو اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے' لیکن وہ خود بے نیاز ہے' اس کی کوئی حاجت نہیں جو تمہیں پوری کرنا ہو۔ اور وہ ستودہ صفات ہے' اپنی ذات میں خود محمود ہے' کوئی اُس کی حمد کرے یا نہ کرے' مگر حمد (شکر و تعریف) کا استحقاق اُسی کو پہنچتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾﴾ ''اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔''

آیت ۱۷ ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور یہ اللہ پر ہرگز بھاری نہیں ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ﴾ ''اور کوئی جان نہیں اٹھائے گی کسی دوسری جان کا بوجھ۔''

﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا﴾ ''اور اگر بوجھ تلے دبی کوئی جان کسی کو پکارے گی اپنے بوجھ (کے ہٹانے) کے لیے''

﴿لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ﴾ ''تو نہیں اٹھائے گا کوئی اس میں سے کچھ بھی اگر چہ وہ قرابت دار ہی ہو۔''

میدانِ حشر میں اگر کوئی گنہگار اپنے گناہوں کے بوجھ کو نا قابل برداشت پا کر اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو بھی مدد کے لیے پکارے گا تو وہ بھی بیگانوں کی طرح اس کے قریب سے گزر جائے گا اور اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ تو انہی لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں جو ڈرتے ہیں اپنے ربّ سے غیب میں رہتے ہوئے اور نماز قائم کرتے ہیں۔''

اللہ پر ایمان لانے اور اس سے ڈرنے کی اہمیت تو اسی وقت تک ہے جب تک کہ غیب کے پردے حائل ہیں۔ جب یہ پردے اٹھ جائیں گے اُس وقت کسی کا ایمان لانا اس کے لیے مفید نہیں ہوگا۔ اس وقت تو بڑے بڑے سرکش اور نافرمان لوگ بھی سر تسلیم خم کر دیں گے۔

﴿وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ﴾ ''اور جو کوئی بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔''

﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) پلٹنا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲﴾ ''اور برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور دیکھنے والا۔''

آیت ۲۰ ﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳﴾ ''اور نہ اندھیرے اور روشنی (برابر ہو سکتے ہیں)۔''

آیت ۲۱ ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ㉑﴾ ''اور نہ سایہ اور دھوپ (برابر ہو سکتے ہیں)۔''

آیت ۲۲ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ﴾ ''اور نہ برابر ہو سکتے ہیں زندہ اور مُردہ لوگ۔''

یہاں مُردوں سے مراد وہ مُردے نہیں جو قبروں میں دفن ہیں' بلکہ یہ ان جیتے جاگتے انسانوں کا تذکرہ ہے جن کی روحیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اگرچہ جسمانی اعتبار سے تو ایسے لوگ زندوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ چلتے پھرتے مقبرے اور تعزیے ہیں' کیونکہ ان کی انسانیت مر کر ان کے جسموں کے اندر دفن ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہاں زندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی روحیں اور جن کے دل زندہ ہیں۔ زندگی کے اس فلسفے کو میر درد نے اس طرح بیان کیا ہے: ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے	کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

اگر کسی شخص کا دل مر گیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اس کی روح دم توڑ گئی تو انسانی سطح پر اس شخص کی موت واقع ہو گئی۔ اب اگر وہ زندہ ہے تو حیوانی سطح پر زندہ ہے۔ جس طرح حیوان کھاتے پیتے ہیں اور زندگی کی دوسری ضروریات و خواہشات پوری کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح اب وہ بھی زندگی بسر کر رہا ہے' مگر یہ زندگی ایک انسان کی زندگی ہرگز نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل بظاہر اچھی بھلی زندگی بسر کر رہا تھا مگر اس کے اندر کا انسان چونکہ زندہ نہیں تھا اس لیے نہ تو وہ آفتابِ نبوت کو دیکھ سکا' نہ اس کی تمازت محسوس کر سکا اور نہ ہی اس

کی روشنی سے مستفیض ہو سکا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾﴾ ”یقیناً اللہ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے‘ اور (اے نبی ﷺ!) آپ نہیں سنا سکتے انہیں جو قبروں کے اندر ہیں۔“

قبروں میں مدفون سے مراد یہاں وہی لوگ ہیں جن کے جسم اپنی مُردہ روحوں کے چلتے پھرتے مقبرے بن چکے ہیں۔

آیت ۲۳ ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾﴾ ”آپؐ نہیں ہیں مگر صرف خبردار کرنے والے!“

آپؐ کا کام تو بس لوگوں کو خبردار کر دینا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ہوش میں نہیں آتا اور اپنی گمراہیوں میں بھٹکتا رہتا ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری آپؐ پر نہیں ہے۔

آیت ۲۴ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ﴾ ”یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپؐ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر۔“

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾﴾ ”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔“

آیت ۲۵ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلائیں تو جھٹلا چکے ہیں وہ لوگ بھی جو ان سے پہلے تھے۔“

﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾﴾ ”ان کے پاس آئے تھے ان کے رسولؑ واضح نشانیاں‘ صحیفے اور روشن کتابیں لے کر۔“

آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء و رسل علیہم السلام کو ان کی قومیں جھٹلا چکی ہیں‘ حالانکہ وہ ان کے پاس بہت واضح معجزات‘ صحیفے اور کتابیں لے کر آئے تھے۔ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحائف کا ذکر ہے جبکہ تین الہامی کتابوں (تورات‘ زبور اور انجیل) کا ذکر قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾﴾ ”پھر میں نے پکڑ لیا ان کو جنہوں نے کفر کیا‘ تو (دیکھ لو) کیسی رہی میری سزا؟“

آیات ۲۷ تا ۳۷

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا
وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ
لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ
فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ
نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا
نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱ ۱۲

آیت ۲۷ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ﴾ ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی؟“

﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ﴾ ”پھر ہم نے نکالے اس سے پھل جن کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں!“

﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾﴾ ”اور پہاڑوں میں بھی دھاریاں ہیں سفید اور سرخ‘ ان کے مختلف رنگ ہیں اور کوّوں جیسے سیاہ بھی۔“

پہاڑوں کے اندر مختلف رنگوں کی دھاریاں (layers) اور چٹانیں کاغان کے راستے میں بہت نظر آتی ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ﴾ ”اور اسی طرح انسانوں‘ جانوروں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں۔“

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾﴾ ”یقیناً اللہ سے ڈرتے تو اس کے بندوں میں سے وہی ہیں جو اہلِ علم ہیں۔ یقیناً اللہ بہت زبردست ہے‘ نہایت بخشنے والا۔“

انسان کے دل میں اگر ایمان موجود ہے تو اس کے اندر لازماً خوفِ خدا بھی ہوگا۔ پھر جس قدر اُس کے علم میں اضافہ ہوگا‘ ارضیات‘ حیوانات‘ نباتات وغیرہ سے متعلق اس کی معلومات بڑھیں گی اور کائنات کے دیگر

اَسرار و رموز کے بارے میں اس کا مطالعہ وسیع ہوتا چلا جائے گا اسی قدر اس کے دل میں اللہ کی عظمت اور خشیت بھی بڑھتی چلی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص بنیادی طور پر صاحبِ ایمان نہیں ہے تو اللہ کی معرفت کے حوالے سے اس کی سماعت و بصارت اور سمجھ بوجھ سب بے کار ہیں۔ اس حوالے سے آج کے سائنسدانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ آئے دن نئے نئے مشاہدات کرتے ہیں' اور کائنات کے عجیب و غریب رازوں سے پردے اٹھاتے ہیں مگر اس ساری تدقیق و تحقیق کے دوران انہیں اللہ کی ذات کہیں نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور حکمت و صناعی کی پہچان صرف وہی دل کر سکتا ہے جس کے اندر ایمان کی روشنی موجود ہے۔ ایسے دل میں اللہ کی معرفت جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے اس کی خشیت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

آیت ۲۹ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں''

﴿وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً﴾ ''اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خفیہ اور اعلانیہ''

﴿یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾﴾ ''وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا۔''

اللہ کے راستے میں جان و مال خرچ کرنے کو قرآن میں تجارت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ سورۃ الصّف میں اس حوالے سے پہلے اہلِ ایمان سے سوال کیا گیا: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۰﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟'' اور پھر جواب میں یوں فرمایا گیا: ﴿تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ﴾ (آیت ۱۱) ''(وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس کے راستے میں جہاد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔''

کسی بھی کاروبار اور تجارت کو کامیاب کرنے کے لیے سرمایہ اور محنت دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح دنیا میں تم اپنی تجارت کو فروغ دینے اور زیادہ منافع کمانے کے لیے بڑھ چڑھ کر سرمایہ لگاتے ہو اور پھر اس میں دن رات کی محنت سے جان بھی کھپاتے ہو' اسی طرح جان و مال لگا کر اگر تم اللہ کے ساتھ تجارت کرو گے تو اس میں تمہیں کبھی نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا اور منافع بھی ایسا ملے گا کہ تم آخرت کے عذاب سے چھٹکارا پا کر ہمیشہ کی کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

آیت زیرِ مطالعہ میں نیک اعمال کی ترغیب کو عام فہم بنانے کے لیے تجارت کی تشبیہہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل قرآن مجید بنیادی باتوں کو سمجھانے کے لیے عموماً ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسانی سے آ جائیں۔ جیسے سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔'' اس آیت میں بھی ایک ''سودے'' کی بات کی گئی ہے تاکہ ہر آدمی

مضمون کے اصل مدعا کو سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرلے جو اس کے ساتھ اپنے مال وجان کا سودا کرنے والے ہیں!

آیت ۳۰ ﴿لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۰﴾ ''تاکہ اللہ ان کو ان (کے اعمال) کے بھرپور اجر دے اور اپنے فضل سے انہیں مزید عطا کرے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا' بہت قدردان ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور ان کے اعمال کی بہت قدر افزائی فرمانے والا ہے۔

آیت ۳۱ ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے جو وحی بھیجی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے' وہی حق ہے' تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس (کتاب) کی جو اس سے پہلے موجود ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۳۱﴾ ''یقیناً اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر' انہیں دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ﴾ ''پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کتاب کی وراثت کے لیے چُن لیا ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الحج کی آخری آیت میں واضح تر انداز میں آچکا ہے: ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسے کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے' اس نے تمہیں چن لیا ہے''۔ سورۃ الحج میں اس مفہوم کے لیے لفظ ''اِجْتَبٰی'' استعمال ہوا ہے جبکہ آیت زیر مطالعہ میں لفظ ''اِصْطَفٰی'' آیا ہے۔ سورۃ الحج کے مطالعے کے دوران بھی ذکر ہوا تھا کہ اجتباء اور اصطفاء دونوں قریب المفہوم الفاظ ہیں' لیکن لغوی مفہوم کے اعتبار سے ان دونوں میں ایک لطیف سا فرق بھی ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے آپ انگریزی کے دو الفاظ to select اور to choose کو ذہن میں رکھیے۔ choose میں پسند (choice) کارفرما ہوتی ہے اور اس کا تعلق ''ذوق'' سے ہے کہ کوئی اپنے ذوق کے مطابق کیا پسند (choose) کرتا ہے' جبکہ انتخاب (selection) ہمیشہ کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس فرق کو اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے:

selection for something - and - choice out of something

ان دونوں الفاظ کے مذکورہ معانی کو اگر امت مسلمہ پر منطبق کریں تو یہ اہم حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اس امت کے اجتباء (selection) میں ایک عظیم مقصد کارفرما ہے جبکہ اصطفاء (choice) کے حوالے سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی آئے ہیں (محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ) اور مذکورہ دونوں آیات (زیر مطالعہ آیت اور سورۃ الحج کی آخری آیت) کے حوالے سے حضور ﷺ کی اُمت کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

بہرحال اس اُمت کو پسندیدہ (chosen) قرار دے کر اجتباء (selection) کے اعزاز سے نواز تو دیا گیا لیکن بعد میں کیا ہوا؟

﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ﴾ ''توان میں سے کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔''
یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تو مانتے ہیں' مگر عملاً کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾﴾ یعنی انبیاءؑ کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے جاتے ہیں وہ اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ﴾ ''اور ان میں کچھ درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں۔''
یعنی ایسے لوگ جو نیکی بھی کرتے ہیں اور ان سے برائی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ سورۃ التوبہ میں ایسے اہلِ ایمان کا ذکر بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ۭ﴾ (آیت ۱۰۲) ''انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔''

﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور ان میں سے کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں' اللہ کی توفیق سے۔''
ان میں سے کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی عطا کردہ توفیق سے دین کی خدمت کرنے' حق کی دعوت کو پھیلانے' اللہ کی کتاب کا حق ادا کرنے اور ہر اچھے عمل میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾﴾ ''یہی بہت بڑی فضیلت ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا﴾ ''(ان کے لیے) باغات ہوں گے رہنے کے جن میں وہ داخل ہوں گے''
''جَنّٰتُ عَدْنٍ'' کا ترجمہ ''ہمیشگی کے باغات'' بھی کیا گیا ہے اور ''رہنے کے باغات'' (residential gardens) بھی۔

﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾﴾ ''ان میں انہیں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی' اور ان میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔''
سورۃ الحج کی آیت ۲۳ میں بھی بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔

آیت ۳۴ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ﴾ ''اور وہ (جب جنت میں داخل ہوں گے تو) کہیں گے کہ کُل حمد اور کُل شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔''

واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں قبل ازیں آیت ۳۲ میں ''سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ'' کا لقب ملا ہے۔ آیت ماقبل میں اس اُمت کے تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے یعنی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے درمیانی راہ پر چلنے والے اور بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے۔ یہاں پر ربطِ کلام کو مدنظر رکھا جائے تو آیات ۳۳، ۳۴ اور ۳۵ کے مضمون کا تعلق آیت ۳۲ کے آخری الفاظ سے ہے۔ یعنی ان آیات میں اُمت کے مذکورہ آخری گروہ (سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ) کو عطا کیے جانے والے انعامات کا ذکر ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس کی تعبیر یوں بھی کرتے ہیں کہ یہ نعمتیں اور خوشخبریاں امت کے ان تینوں گروہوں کے لیے ہیں جن کا ذکر آیت ماقبل میں ہوا ہے۔ یہ تعبیر گویا ان لوگوں کے دل کی آواز ہے جو چاہتے ہیں کہ انہیں بغیر کوئی محنت اور کوشش کیے اور بغیر کوئی قربانی دیے جنت کے انعامات اور اونچے اونچے مقامات مل جائیں۔

﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾﴾ ''یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا اور بہت قدر افزائی فرمانے والا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ''جس نے ہمیں ہمیشہ آباد رہنے والے گھر میں لا اُتارا ہے اپنے خاص فضل سے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہم پر خاص فضل اور کرم فرمایا ہے کہ اس نے ہمیں جنت میں جگہ عطا کی ہے۔ اہلِ جنت کی اس سے ملتی جلتی دعا اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کی آیت ۴۳ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ ''کل تعریف اور کل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا، اور ہم ہرگز نہ پہنچ پاتے اگر اللہ ہی ہمیں نہ پہنچاتا۔''

﴿لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾﴾ ''اب ہمیں اس میں نہ تو کوئی مشقت جھیلنی پڑے گی اور نہ ہی اس میں ہمیں کوئی تکان لاحق ہوگی۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ﴾ ''(اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی۔''

﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ﴾ ''نہ تو ان کا قصہ چکایا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے لیے اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔''

اُس وقت اہلِ جہنم کی سب سے بڑی خواہش تو یہی ہوگی کہ انہیں موت آجائے اور وہ اس کے لیے دعا بھی کریں گے۔ سورۃ الفرقان میں ان کی اس خواہش اور دعا کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ہے: ﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾﴾ ''(تب ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو!''

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکرے انسان کو۔''

آیت ۳۷ ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ﴾ ''اور وہ

اس میں چیخ و پکار کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے) نکال لے! اب ہم نیک اعمال کریں گے‘ ان اعمال سے مختلف جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے۔“

﴿اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ﴾ ”کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں سبق حاصل کر لیا جس نے سبق حاصل کرنا چاہا“

ہم نے تمہیں عمر کی مناسب مہلت دی تھی۔ اسی مہلت میں کچھ لوگوں نے دنیا میں رہتے ہوئے غیب کے پردوں میں ہمیں پہچانا۔ وہ ہم پر ایمان لائے اور بھلائی کا راستہ اختیار کر کے جنت میں پہنچ گئے۔ عمر کی اس مہلت میں اگر وہ لوگ راہِ راست پر آ سکتے تھے تو تم لوگ ایسا کیوں نہیں کر سکتے تھے؟

﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ﴾ ”اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی تو آیا تھا!“

﴿فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ۝۳۷﴾ ”تو اب چکھو (مزہ اس عذاب کا اور یاد رکھو کہ) ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔“

آیات ۳۸ تا ۴۵

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِيۡ
جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ
شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ
شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ يَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ
بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ
زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ۝۴۱ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ
جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا
جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۝۴۲ اۨسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيۡقُ
الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ
تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ۝۴۳ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَكَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعۡجِزَهٗ
مِنۡ شَىۡءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ۝۴۴ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ

النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا
جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵/۱۷

آیت ۳۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کا۔''

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾﴾ ''یقیناً وہ واقف ہے سینوں میں چھپے رازوں سے۔''

آیت ۳۹ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تمہیں جانشین بنایا زمین میں۔''

﴿فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ﴾ ''تو جس کسی نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہوگا۔''

﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ﴾ ''اور کافروں کے لیے ان کا کفران کے رب کے نزدیک سوائے غضب کے کسی چیز میں اضافہ نہیں کرے گا۔''

﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾﴾ ''اور کافروں کے لیے ان کا کفر سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں بڑھائے گا۔''

ان کے کفر کے سبب ان کے خلاف اللہ کے غصے اور اس کی بے زاری میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اس طرح ان کی تباہی اور بربادی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیت ۴۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ کیا تم نے اپنے ان شریکوں کے بارے میں کبھی غور کیا جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟''

﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ﴾ ''ذرا مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا ان کی کوئی شراکت ہے آسمانوں میں!''

﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ﴾ ''یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی تھی اور وہ اس کی کسی واضح دلیل پر ہیں!''

کیا ان کے پاس ہماری نازل کردہ کوئی کتاب موجود ہے جس کی کسی واضح دلیل کی بنیاد پر انہوں نے اپنے اعتقادات اخذ کیے ہیں؟

﴿بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾﴾ ''بلکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کو وعدے نہیں دے رہے مگر فریب کے۔''

یہ ظالم ایک دوسرے سے محض پُرفریب وعدے کر رہے ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ﴾ ''یقیناً اللہ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ وہ (اپنے راستے سے) ہٹ نہ جائیں۔''

﴿وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ’’اور اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی نہیں جو ان کو تھام سکے اس کے بعد!‘‘

﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝﴾ ’’یقیناً وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی لوگوں کی غلطیوں پر فوراً پکڑ نہیں کرتا اور انہیں مہلت دیے جاتا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آیا تو وہ لازماً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے کسی بھی اُمت سے بڑھ کر۔‘‘

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝﴾ ’’پھر جب آ گئے ان کے پاس خبردار کرنے والے (محمد ﷺ) تو اس چیز نے ان کے اندر (حق سے) فرار کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا۔‘‘

جب محمد عربی ﷺ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے انہیں دعوت دینا شروع کی تو وہ آپؐ کی دعوت سے بدکنے اور دُور بھاگنے لگے۔

آیت ۴۳ ﴿اِۨ سْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ ’’زمین میں تکبّر کرتے ہوئے اور بُری چالیں چلتے ہوئے۔‘‘

انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف متکبّرانہ رویہ بھی اختیار کیا اور آپؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں بھی کیں۔

﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ ’’اور بُری چال کا وبال نہیں پڑتا مگر اس کے چلنے والے پر ہی۔‘‘

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ’’تو وہ کس چیز کے انتظار میں ہیں سوائے پہلے والوں کے انجام کے!‘‘

’’سُنَّتُ الْاَوَّلِيْن‘‘ سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے مطابق پچھلی نافرمان قومیں ہلاک ہوئیں۔ گویا اب یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ قانونِ خداوندی کا انطباق جس طرح پچھلی اقوام پر ہوا تھا اسی طرح اب ان پر بھی ہو اور جس طرح ماضی میں نافرمان اقوام کو ہلاک کیا جاتا رہا اسی طرح انہیں بھی ہلاک کر دیا جائے۔

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝﴾ ’’تو تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی، اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون کو رُخ پھیرتے ہوئے۔‘‘

تبدیل اور تحویل دو الگ الگ لیکن قریب المعانی الفاظ ہیں۔ تبدیل یا تبدیلی کا مفہوم تو عام فہم ہے، جبکہ

تحویل کے معنی رخ پھیرنے یا سمت بدلنے کے ہیں۔ آیت زیرِ مطالعہ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا قانون کسی کے لیے اپنا رخ نہیں بدلتا اور اگر کوئی شخص یا کوئی قوم اللہ کے قانون کی زد میں آنے والی ہو تو اس قانون کے رخ کو کسی طور سے پھیرا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو اللہ کا قانون بھی بدلنے والا نہیں۔ ان سے پہلے کی قومیں اگر ایسی روش کو اپنا کر نشانِ عبرت بنتی رہی ہیں تو یہ لوگ بھی سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

آیت ۴۴ ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں، پس یہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے''

﴿وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ ''حالانکہ وہ طاقت میں اُن سے کہیں بڑھ کر تھے!''

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور اللہ کی شان ایسی نہیں کہ اسے کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں عاجز کر سکے۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۴﴾ ''یقیناً وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا، ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ ''اور اگر اللہ (فوری) گرفت کرتا لوگوں کی ان کے اعمال کے سبب تو اس (زمین) کی پشت پر کوئی جاندار بھی باقی نہ چھوڑتا''

﴿وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''لیکن وہ مؤخر کرتا رہتا ہے ان کو ایک وقت مقرر تک۔''

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ کسی مجرم یا نافرمان کی فوری طور پر پکڑ کرنے کے بجائے اسے ایک طے شدہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝۴۵﴾ ''پھر جب ان کا وقتِ معیّن آ جائے گا تو اللہ یقیناً اپنے بندوں کے حالات کو خود دیکھنے والا ہے۔''

اللہ کی مشیت کے مطابق طے شدہ وقت پر جب بھی کسی مجرم کی گرفت ہوگی تو اسے اپنے ایک ایک جرم کا حساب دینا پڑے گا، کیونکہ ان کا کوئی معاملہ بھی اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

بیان القرآن

سُورَۃُ یٰسٓ

(۳۶)

سُورۃُ یٰسٓ

تمہیدی کلمات

سورۂ یٰسٓ بالکل منفرد سورت ہے‘ اس کا کوئی جوڑا نہیں۔ مسند احمد‘ سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((یٰسٓ قَلْبُ الْقُرْآنِ)) یعنی سورۂ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے۔ اس حوالے سے اس کی ایک خصوصیت جو واضح طور پر محسوس ہوتی ہے وہ اس کا اسلوب ہے‘ جس کی وجہ سے اسے پڑھنے یا سننے سے انسان اپنی روح کے اندر ایک ارتعاش سا محسوس کرتا ہے جیسے انسان کے سینے میں دل دھڑکتا ہو۔ دوسری خصوصیت جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ اس کے مضمون کے اعتبار سے ہے اور اس خصوصیت کے درست ادراک کے لیے ضروری ہے کہ مکی سورتوں کے گروپس کی تقسیم کو ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔ مکی سورتوں کے کُل چھ گروپس ہیں جو مضامین کے اعتبار سے مزید دو دو گروپس پر مشتمل تین ضمنی گروپس میں منقسم ہیں۔ پہلے دو گروپس (ان کے پہلے گروپ میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف اور دوسرے گروپ میں سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں شامل ہیں) کی سورتوں کا بنیادی موضوع ایمان بالرسالت ہے۔ درمیانی دو گروپس (ان کے پہلے گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ سورتیں جبکہ دوسرے گروپ میں سورۂ سبا سے سورۃ الاحقاف تک تیرہ سورتیں شامل ہیں) میں اللہ تعالیٰ کی شانِ توحید کو اُجاگر کرنے اور شرک کا رد کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ البتہ آخری دو گروپس کی سورتوں میں ایمان بالآخرت اور بعث بعد الموت کی تذکیر کو مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے سورۂ یٰسٓ کے بارے میں جو نکتہ یہاں واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ درمیانی دو گروپس کی اکیس سورتوں میں (جن کا بنیادی مضمون توحید ہے) اس سورت کا مقام بالکل درمیان میں ہے۔ یعنی سورۃ الفرقان تا سورۂ فاطر دس سورتیں ایک طرف اور سورۃ الصّٰٓفّٰت سے سورۃ الاحقاف تک دس سورتیں دوسری طرف ہیں اور ان کے درمیان میں سورۂ یٰسٓ ہے۔ گویا توحید کے مضمون کی حامل سورتوں کا مقام مکی سورتوں کے وسط میں ہے اور پھر ان سورتوں کے عین وسط میں سورۂ یٰسٓ کو رکھا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن کا بنیادی مضمون توحید ہے اور اس مضمون کی حامل سورتوں میں مقام کے اعتبار سے اس سورت کو گویا مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ’’قلب القرآن‘‘ ہونے کے حوالے سے سورۂ یٰسٓ کے بارے میں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ مصحف کے اندر اس کا مقام انسانی جسم میں دل کے مقام سے مشابہ ہے‘ یعنی عین درمیان سے تھوڑا ہٹ کر ایک سمت میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۱۲

یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ؕ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ
الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی
اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ
مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا
یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ
اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ
الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ع ۱/۱۲ ۱۸

آیت ۱ ﴿یٰسٓ ﴿۱﴾﴾ ''یٰسٓ !''

زیادہ تر مفسرین کی رائے میں ''یٰسٓ'' حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی طرح ''طٰہٰ'' کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا نام ہے۔ واللہ اعلم!

آیت ۲ ﴿وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾﴾ ''قسم ہے قرآن حکیم کی!''

عربی زبان میں ''قسم'' سے گواہی مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ یہ حکمت بھرا قرآن گواہ ہے۔ اس قسم کا مقسم علیہ کیا ہے؟ یعنی یہ قسم کس چیز پر کھائی جا رہی ہے؟ اور یہ قرآن کس عظیم حقیقت پر گواہ ہے؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے:

آیت ۳ ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾﴾ ''کہ (اے محمد ﷺ!) یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔''

گویا حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے بڑا ''مُصدِّق'' (تصدیق کرنے والا) اور سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے۔ اور قرآن حکیم ہی آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کی قسم اور بھی کئی سورتوں کے آغاز میں کھائی گئی ہے مگر وہاں قسم کے بعد مقسم علیہ کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ صٓ کی پہلی آیت میں یوں فرمایا گیا: ﴿صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ﴿۱﴾﴾ سورۃ الزخرف کے شروع میں یوں فرمایا گیا: ﴿حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾﴾ سورۂ قٓ کا آغاز یوں ہوتا ہے: ﴿قٓ ۟ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ﴿۱﴾﴾۔ اب چونکہ سورۂ یٰسٓ کی اِن آیات میں قرآن کی قسم کے مقسم علیہ کا ذکر بھی ہے اس لیے قرآن کی جن قسموں کا مقسم علیہ مذکور نہیں ان کا مقسم علیہ بھی وہی قرار پائے گا جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کے ان تمام

مقامات پر جہاں قرآن کی قسم تو کھائی گئی ہے لیکن قسم کے بعد مقسم علیہ کا ذکر نہیں ہے' وہاں ان تمام قسموں کے بعد اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کا جملہ بطور مقسم علیہ محذوف (understood) مانا جائے گا۔ اس اعتبار سے سورۃ یٰسٓ ایسی تمام سورتوں کے لیے ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتی ہے جن کے آغاز میں قرآن کی قسم کا ذکر ہے۔

آیت ۴ ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴﴾ ''سیدھے راستے پر ہیں۔''

آیت ۵ ﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝۵﴾ ''(اور اس قرآن کا) نازل کیا جانا ہے اُس ہستی کی جانب سے جو بہت زبردست' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۶ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶﴾ ''تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُس قوم کو جن کے آباء واَجداد کو خبردار نہیں کیا گیا' پس وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ السجدۃ کی آیت ۳ میں بھی آ چکا ہے۔ یعنی آپؐ سے پہلے چونکہ اس قوم میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا' اس لیے نہ تو انہیں نبوت و رسالت کے بارے میں کچھ معلوم ہے اور نہ وہ کتاب و شریعت سے واقف ہیں۔

یہاں پر فَهُمْ غٰفِلُوْنَ کے الفاظ میں رعایت کا انداز بھی پایا جاتا ہے' یعنی چونکہ اس قوم میں اس سے پہلے نہ تو کوئی پیغمبر آیا ہے اور نہ ہی کوئی الہامی کتاب ان لوگوں تک پہنچی ہے اس لیے ان کا ''غافل'' ہونا بالکل قرین قیاس تھا۔ لیکن اب جبکہ ان میں پیغمبر بھی مبعوث ہو چکا ہے اور ایک حکمت بھری کتاب کی آیات بھی ان تک پہنچ چکی ہیں تو اس کے بعد ان کی گمراہی کا کوئی جواز نہیں۔ لیکن یہ لوگ ہیں کہ اب بھی گمراہی سے چمٹے ہوئے ہیں اور چونکہ انہوں نے ہمارے رسول ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہے اس لیے:

آیت ۷ ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷﴾ ''ان کی اکثریت پر ہمارا قول (قانونِ عذاب) سچ ثابت ہو چکا ہے تو اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

گویا حضور ﷺ کی دعوت کا مسلسل انکار کر کے یہ لوگ قانونِ الٰہی کی عذاب سے متعلق ''شق'' کی زد میں آ چکے ہیں۔

آیت ۸ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸﴾ ''ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں اور وہ ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' پس ان کے سر اونچے اٹھے رہ گئے ہیں۔''

یعنی ان کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جس کی گردن میں طوق پڑا ہو اور وہ طوق اس کی ٹھوڑی کے نیچے جا پھنسا ہو۔ ایسے شخص کے چہرے کا رخ مستقل طور پر اوپر کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ مطلب یہ کہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ لوگ واضح حقائق کو بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں۔

آیت ۹ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹﴾ ''اور ہم نے ایک دیوار کھڑی کر دی ہے ان کے آگے اور ایک ان کے پیچھے' اس طرح ہم نے انہیں

ڈھانپ دیا ہے' پس اب وہ دیکھ نہیں سکتے۔''

یہ مضمون آگے چل کر آیت ۴۵ میں پھر آئے گا ــــ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حق کی پہچان کے لیے اگر انسان کو راہنمائی چاہیے تو اس مقصد کے لیے بے شمار آفاقی آیات (آلاء اللہ) ہر وقت ہر جگہ اس کے سامنے ہیں۔ قرآن حکیم بار بار انسان کو ان آیات کے مشاہدے کی دعوت دیتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ میں بہت سی آفاقی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق ان ''آیات'' کے مشاہدے سے ان کے خالق کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی آیات (ایام اللہ) سے بھی انسان کو راہنمائی مل سکتی ہے۔ یعنی اگر کوئی انسان چاہے تو اقوامِ سابقہ کے حالات سے بھی اسے سبق اور عبرت کا وافر سامان حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایسے بد بخت لوگ ہیں جو نہ تو التذکیر بآلاء اللہ سے استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ التذکیر بایام اللہ سے کچھ سبق حاصل کرنے کے اہل ہیں۔ گویا یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے دیوار حائل ہو چکی ہے کہ وہ اللہ کی کسی بڑی سے بڑی نشانی کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے اور یوں وہ تاریخ اور اقوام ماضی کے حالات سے بھی کسی قسم کا سبق حاصل کرنے سے قاصر و معذور ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۰﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان کے حق میں برابر ہے' خواہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں' یہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۶ میں بھی ہو بہو یہی الفاظ آئے ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ۚ﴾ ''آپؐ تو بس اُسی شخص کو خبردار کر سکتے ہیں جو الذّکر (قرآن) کی پیروی کرے اور غیب میں ہوتے ہوئے رحمٰن سے ڈرے۔''

آپؐ کے انذار سے تو صرف وہی لوگ متاثر ہو سکتے ہیں جو اس قرآن کے پیغام کو سمجھیں' اس کی پیروی کریں اور غیب میں ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اپنے دلوں میں رکھیں۔

﴿فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ۝۱۱﴾ ''تو ایسے لوگوں کو آپؐ خوشخبری دے دیجیے مغفرت اور باعزت اجر کی۔''

آیت ۱۲ ﴿اِنَّا نَحۡنُ نُحۡيِ الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ۚ﴾ ''یقیناً ہم ہی زندہ کریں گے مُردوں کو' اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور جو اثرات وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔''

انسان مرنے سے پہلے اپنی زندگی میں جو اچھے بُرے اعمال آگے بھیجتا ہے وہ ساتھ ہی ساتھ اس کے اعمال نامے میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن انسان کے کچھ اعمال و افعال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی اس دنیا میں رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر ''آثار'' سے مراد انسان کے ایسے ہی کام ہیں۔ بہر حال انسان کو آخرت میں ان ''آثار'' کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں کسی ایسے نیک عمل کی بنیاد ڈالی جس کے اثرات دیرپا ہوں تو جب تک اس نیک کام کا تسلسل اس دنیا میں رہے گا' اس کا اجر و ثواب اس شخص کے حساب میں لکھا جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے گناہ اور بے حیائی کے کسی کام کی بنیاد رکھی

توجب تک اس کام یا منصوبے کے منفی اثرات اس دنیا میں رہیں گے' اس میں سے متعلقہ شخص کے حصے کے گناہوں کا اندراج اس کے اعمال نامے میں مسلسل ہوتا رہے گا۔

﴿وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور ہر چیز کا احاطہ ہم نے ایک واضح کتاب میں کر رکھا ہے۔''

''اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے جسے سورۃ الرعد کی آیت ۳۹ اور سورۃ الزخرف کی آیت ۴ میں ''اُمّ الْکِتٰب'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۳۲

وَاضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَۃِ ۘ اِذۡ جَآءَہَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿ۚ۱۳﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمُ اثۡنَیۡنِ
فَکَذَّبُوۡہُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ
اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوۡا رَبُّنَا یَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ
لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہُوۡا
لَنَرۡجُمَنَّکُمۡ وَلَیَمَسَّنَّکُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ
قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿ۙ۲۰﴾
اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِیَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡہِ
تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُہُمۡ
شَیۡئًا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿ۚ۲۳﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿ؕ۲۵﴾ قِیۡلَ
ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ
الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا
مُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا
یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ
اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾ وَاِنۡ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿٪۳۲﴾

الجزء الثالث والعشرون (۲۳)

ع ۲

آیت ۱۳ ﴿وَاضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَۃِ ۘ اِذۡ جَآءَہَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''ان کے لیے آپ اُس بستی والوں کی مثال بیان کیجیے' جب کہ ان کے پاس رسول آئے۔''

آیت ۱۴ ﴿اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمُ اثۡنَیۡنِ﴾ ''جب ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول''

اس بارے میں مفسرین کی عام رائے یہ ہے کہ وہ دو حضرات ''رسول من جانب اللہ'' نہیں تھے بلکہ کسی ''رسول کے رسول'' تھے۔ یعنی ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے وقت کے رسول کسی دوسرے مقام پر موجود ہوں اور انہوں نے اپنے دو شاگردوں کو کسی خاص بستی کی طرف دعوت کے لیے بھیجا ہو۔ اس بارے میں غالب رائے یہ ہے کہ وہ حضرات حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری تھے جو آپؑ کے حکم سے ترکی اور شام کی سرحد پر واقع شہر انطاکیہ میں تبلیغ کے لیے آئے تھے۔

''رسول کے رسول'' کی اصطلاح ہمیں احادیث میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے حُدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لی تو مدینہ واپسی پر آپؐ نے خواتین سے بھی بیعت لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور اس کے لیے آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواتین کے پاس بھیجا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کے مجمع میں آ کر فرمایا: اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ (میں اللہ کے رسول ﷺ کا رسول ہوں)۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے سامنے اپنا تعارف ان الفاظ میں کروایا تھا ''اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا...... '' یعنی ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا نمائندہ بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ بہر حال یہاں یہ دونوں امکان موجود ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بستی میں اللہ نے ایک ساتھ دو رسول مبعوث فرمائے ہوں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اکٹھے مبعوث فرمایا گیا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دو اصحاب کسی رسول کے نمائندے بن کر متعلقہ بستی میں گئے ہوں۔

﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ ''پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا' تو ہم نے (ان کو) تقویت دی ایک تیسرے کے ساتھ''

اُس قوم کی طرف سے ان دونوں رسولوں کی تکذیب کے بعد ہم نے ان کی مدد کے لیے ایک تیسرا رسول بھی بھیجا۔

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ⑭﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔''

آیت ۱۵ ﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان!''

﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮﴾ ''اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم محض جھوٹ بول رہے ہو۔''

آیت ۱۶ ﴿قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ⑯﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔''

انہوں نے بستی والوں کی ہٹ دھرمی کے جواب میں کوئی اور دلیل تو نہیں دی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ان کے سامنے اپنے اس یقین اور اِذعان کا اظہار کیا کہ ہم اُسی کی طرف سے بھیجے گئے رسول ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑰﴾ ''اور نہیں ہے ہم پر کوئی اور ذمہ داری سوائے (اللہ کا پیغام) صاف صاف پہنچا دینے کے۔''

آیت ۱۸ ﴿قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمیں تم سے نحوست کا اندیشہ ہے۔''
یعنی ہم تمہیں اپنے لیے فالِ بد سمجھتے ہیں۔ تم نے آ کر ہمارے معبودوں کے خلاف جو باتیں کرنی شروع کر دی ہیں ان کی وجہ سے ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کی نحوست کہیں ہم پر نہ پڑ جائے اور اس کی پاداش میں کہیں ہم خدا کی گرفت میں نہ آ جائیں۔

﴿لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہُوۡا لَنَرۡجُمَنَّکُمۡ﴾ ''اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیں گے''

﴿وَ لَیَمَسَّنَّکُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور تمہیں ضرور پہنچے گی ہماری طرف سے دردناک سزا۔''

آیت ۱۹ ﴿قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے اپنے ساتھ ہے۔''

﴿اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ ؕ﴾ ''کیا اس لیے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟''
کیا تم یہ باتیں اس لیے بنا رہے ہو کہ تمہیں نصیحت اور یاد دہانی کرائی گئی ہے؟ جبکہ یہ نصیحت بھی کوئی نئی اور انوکھی بات سے متعلق نہیں ہے۔ اللہ کی معرفت تو پہلے سے تمہارے دلوں کے اندر موجود ہے۔ ہم تو تم لوگوں کو صرف اس کی یاد دہانی کرانے کے لیے آئے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورۃ الذاریات میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور تمہارے اپنے اندر بھی (اللہ کی نشانیاں) ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَ جَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی﴾ ''اور شہر کے پرلے سرے سے آیا ایک شخص بھاگتا ہوا''

﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم ان رسولوںؑ کی پیروی کرو!''

تم لوگ ان پر ایمان لاؤ' ان کی تصدیق کرو اور ان کی اطاعت کرو۔

آیت ۲۱ ﴿اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''پیروی کرو ان کی جو تم سے کسی اُجرت کے طالب نہیں ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں۔''
دیکھو! یہ لوگ تمہیں نصیحت کرنے اور تمہیں راہِ راست کی طرف بلانے کے لیے دن رات مشقت کر رہے ہیں' لیکن اس سب کچھ کے عوض وہ تم سے کسی صلے یا اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے۔ جبکہ ان کی سیرتیں خود اُس حقیقت پر گواہ ہیں کہ یہ لوگ واقعی ہدایت یافتہ ہیں۔

آیت ۲۲ ﴿وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور مجھے کیا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اُس ہستی کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔''
دیکھو! یہ لوگ جو دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ تم اُس اکیلے معبود کی پرستش کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوگوں نے پلٹ کر بھی جانا ہے۔ چنانچہ مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ میں اُس

اللہ کی عبادت نہ کروں جو میرا خالق ہے۔

آیت ۲۳ ﴿ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ ''کیا میں اُس کے سوا دوسروں کو معبود بنالوں؟''

کیا میں اس معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دوں؟

﴿اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝۲۳﴾ ''اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان (جھوٹے معبودوں) کی سفارش میرے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔''

آیت ۲۴ ﴿اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲۴﴾ ''تب تو میں یقیناً بہت کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔''

اگر میں معبودِ حقیقی کے ساتھ جھوٹے خداؤں کو شریک کرنے کی حماقت کر لوں جنہیں کسی چیز کا بھی اختیار نہیں تو ایسی صورت میں تو میں سیدھے راستے سے بالکل ہی بھٹک جاؤں گا۔

آیت ۲۵ ﴿اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝۲۵﴾ ''میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں' سو میری بات سنو!''

یعنی اللہ کے یہ تینوں رسول تمہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور تمہیں تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان کی یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آئیں نہ آئیں میں ان کی حقیقت تک پہنچ چکا ہوں۔ اور تم ان کی تصدیق کرو نہ کرو میں تو ان پر ایمان لا چکا ہوں۔ یوں اللہ کے اس بندے نے ڈنکے کی چوٹ اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ یہ سنتے ہی اس کی قوم کے لوگ غصے سے پاگل ہو گئے۔ انہیں ان رسولوں پر تو زیادہ غصہ نہ آیا' کیونکہ وہ باہر سے آئے ہوئے افراد تھے' لیکن اپنی قوم کے ایک فرد کی طرف سے اس ''اعلانِ بغاوت'' کو وہ برداشت نہ کر سکے' چنانچہ اللہ کے اس بندے کو اسی لمحے شہید کر دیا گیا۔

آیت ۲۶ ﴿قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ﴾ ''کہہ دیا گیا کہ تم داخل ہو جاؤ جنت میں!''

وہ شخص چونکہ اللہ کی راہ کا مقتول تھا' اس لیے جنت تو گویا اس کے انتظار میں تھی۔ شہادت کے رتبے پر فائز ہو جانے والے خوش قسمت لوگوں کو جنت میں داخلے کے لیے روزِ حشر کا انتظار نہیں کرنا پڑتا' بلکہ جس لمحے ایسے کسی مؤمن کی شہادت ہوتی ہے اسی لمحے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

﴿قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اس نے کہا: کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا۔''

آیت ۲۷ ﴿بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝۲۷﴾ ''وہ جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر لیا ہے۔''

ذرا تصور کیجیے! ادھر جنت کا تو یہ منظر ہے' مگر دوسری طرف دنیا میں اس کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوگی۔ بیوی بچے ہوں گے تو وہ رو رو کر بے حال ہو رہے ہوں گے' والدین ہوں گے تو ان پر غشی کے دورے پڑ رہے ہوں گے۔ غرض بہن بھائی' عزیز و اقارب سب نوحہ کناں ہوں گے کہ اسے اس طرح ناحق قتل کر دیا گیا۔ بہر حال ان دونوں جہانوں کے معاملات علیحدہ علیحدہ ہیں' درمیان میں غیب کا پردہ حائل ہے۔ دنیا والوں کو پردۂ

غیب کی دوسری طرف اُس جہان کی کیفیات کا کچھ علم نہیں' جہاں اللہ کا ایک بندہ جنت کے تخت پر بیٹھا کہہ رہا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں میری کیسی قدر و منزلت ہوئی ہے اور مجھے کیسے کیسے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا ہے تو وہ میری شہادت پر رنجیدہ و غمگین نہ ہوتے۔

آیت ۲۸ ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا تھا اور نہ ہی ہم (لشکر) نازل کرنے والے تھے۔''

اپنے منکروں اور نافرمانوں کو سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو آسمانوں سے کوئی فوج اتارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آیت ۲۹ ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''وہ تو بس ایک زوردار چنگھاڑ تھی' جبھی وہ سب بجھ کر رہ گئے۔''

اس یکبارگی خوفناک چنگھاڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پوری آبادی چشم زدن میں گویا راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔

آیت ۳۰ ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''افسوس ہے بندوں کے حال پر! نہیں آتا ان کے پاس کوئی پیغمبر مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے ہیں۔''

آیت ۳۱ ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کر دیا کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے!''

ایک دفعہ دنیا سے چلے جانے کے بعد کسی کو بھی دوبارہ یہاں آنے کا موقع نہیں ملتا۔ چنانچہ ان اقوام کے لوگ نیست و نابود ہو کر ماضی کا حصہ بن چکے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور وہ سب کے سب ہمارے ہی سامنے حاضر کیے جائیں گے۔''

اگرچہ دنیا میں واپس آنے کی تو انہیں اجازت نہیں مگر وہ معدوم نہیں ہوئے۔ عالمِ برزخ میں وہ سب کے سب اب بھی موجود ہیں اور وقت آنے پر ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کر دیا جائے گا۔

آیات ۳۳ تا ۵۰

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ
تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا
ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّشَاْ
نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ
يَرْجِعُوْنَ ۝ ع ۱۸

آیت ۳۳ ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ﴾ ”اور ان کے لیے ایک نشانی مُردہ زمین ہے“
﴿اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝﴾ ”ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا' تو اس میں سے وہ کھاتے ہیں۔“

بارش برستے ہی بظاہر مردہ اور بنجر زمین میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کا سبزہ' فصلیں اور پودے اُگ آتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا ذریعہ بنتے ہیں۔

آیت ۳۴ ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ ”اور ہم نے بنا دیے ہیں اس میں باغات کھجور اور انگور کے“

﴿وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝﴾ ”اور جاری کر دیے ہیں ہم نے اس میں چشمے۔“

آیت ۳۵ ﴿لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ ”تاکہ یہ ان کے پھلوں میں سے کھائیں' اور یہ سب ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنایا۔ تو کیا یہ شکر نہیں کرتے؟“

یہ کھجوریں' انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل جو یہ لوگ کھاتے ہیں' یہ ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے تو نہیں ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الواقعہ کے دوسرے رکوع میں زیادہ زوردار اور مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے۔ وہاں تکرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مختلف تخلیقات کا ذکر کر کے ہر بار یہ سوال کیا گیا ہے کہ ذرا بتاؤ! یہ چیز تم نے بنائی ہے یا اس کو بنانے والے ہم ہیں؟ علامہ اقبال نے اس مضمون کی ترجمانی یوں کی ہے: ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟ خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

آیت ۳۶ ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا ہے تمام جوڑوں کو''

﴿مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اُس میں سے بھی جو زمین اُگاتی ہے' اور خود ان کی اپنی جانوں سے بھی اور اُس میں سے بھی جن کے بارے میں یہ نہیں جانتے۔''

زمین سے اُگنے والے سب نباتات بھی جوڑوں کی شکل میں ہیں' انسانوں کی تخلیق بھی جوڑوں کی صورت میں ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی دوسری مخلوقات بھی جوڑوں کی شکل میں ہیں جن کے بارے میں انسان ابھی جانتا بھی نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''اور ان کے لیے ایک نشانی رات بھی ہے' ہم کھینچ لیتے ہیں اُس سے دن کو' تو اُس وقت یہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔''

یہ ایسے ہے جیسے ایک سیاہ چادر بچھی ہو' جسے ایک چمکدار چادر نے ڈھانپ رکھا ہو۔ پھر اوپر والی سفید اور چمکدار چادر کھینچ لی جائے اور نیچے سے سیاہ چادر نمودار ہو جائے۔

آیت ۳۸ ﴿وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ﴾ ''اور سورج چلتا رہتا ہے اپنے مقررہ راستے پر۔''

یعنی اپنے ایک معیّن مدار پر گردش کرتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۳۸﴾﴾ ''یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس کا جو بہت زبردست' بہت علم والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں' یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی پرانی سوکھی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔''

ستائیسویں شب کی صبح کو دیکھیں تو چاند واقعی ایک سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ﴾ ''نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔''

جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہی چلتے رہیں گے۔

﴿وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''اور یہ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔''

یہ تمام اجرامِ سماویہ بہت منظّم انداز میں اپنے اپنے مدار کے اندر محوِ گردش ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿وَ اٰیَۃٌ لَّہُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَہُمۡ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔''

اس بارے میں عام رائے یہی ہے کہ اس سے خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَ خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ مَا یَرۡکَبُوۡنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور ہم نے ان کے لیے اسی طرح کی اور چیزیں

بھی پیدا کر دیں جن پر یہ لوگ سواری کرتے ہیں۔''

آیت ۴۳ ﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ ہی وہ چھڑائے جائیں گے۔''

آیت ۴۴ ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴾ ''مگر یہ ہماری طرف سے رحمت ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقتِ معیّن تک کے لیے۔''

ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے اس زمین کے ماحول کو انسانی زندگی کے لیے سازگار بنایا ہے اور اس میں انسانوں کے رہنے اور بسنے کے لیے ضرورت کا تمام ساز وسامان فراہم کر دیا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ سبق حاصل کرو اُس سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

یہاں پر اِتَّقُوْا بچنے اور ڈرنے کے بجائے سوچنے، توجہ کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اس طرح نگاہوں کے سامنے سے مراد آیاتِ آفاقیہ (آلاء اللہ) اور پیچھے سے مراد نسل انسانی کی پرانی تاریخ (ایام اللہ) ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زیر مطالعہ سورۃ کی آیت ۹ کی تشریح)

آیت ۴۶ ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴾ ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔''

آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے''

یعنی اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے غریبوں کی حاجت روائی کرو، بھوکوں کو کھلاؤ، یتیموں کی سرپرستی کرو، خلقِ خدا کی بہبود اور بھلائی کے دوسرے کاموں میں خرچ کرو۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ﴾ ''تو یہ کافر کہتے ہیں اہلِ ایمان سے کہ کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا!''

اس کے جواب میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اگر چاہتا کہ یہ لوگ بھوکے نہ رہیں تو وہ انہیں خود ہی وافر رزق عطا کر دیتا، لیکن اگر اللہ نے انہیں ان کی ضروریات کے مطابق رزق نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود انہیں اسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے۔ تو کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اللہ نے ہی کھلانا نہیں چاہا؟

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''تم تو خود ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو!''

یہ جواب ہے ان کافروں کا نصیحت کرنے والوں کو کہ تم لوگ ہمیں کیا نصیحتیں کرتے ہو، تمہاری تو مت ماری گئی ہے، تم تو خود بھٹکے ہوئے ہو، تمہاری یہ بات اور نصیحت عقل اور منطق ہی کے خلاف ہے کہ خوشحال لوگ غرباء و

مساکین کا خیال رکھیں اور بھوکوں کو کھانا کھلائیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا' اگر تم لوگ سچے ہو!''

یہاں وعدے سے قیامت کا وعدہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور عذاب آنے کا وعدہ بھی۔ یعنی آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے گا۔ چنانچہ ہم آپ کی دعوت کا انکار تو کر چکے ہیں' اب وہ عذاب ہم پر آخر کب آئے گا؟ یا اگر قیامت کے بارے میں آپ کا دعویٰ سچا ہے تو ذرا یہ بھی بتا دیں کہ قیامت آخر کب برپا ہوگی؟

آیت ۴۹ ﴿مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''یہ لوگ نہیں انتظار کر رہے مگر ایک چنگھاڑ کا' وہ انہیں آ پکڑے گی اور یہ (اسی طرح) جھگڑ رہے ہوں گے۔''

آیت ۵۰ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے۔''

وہ معاملہ اس قدر اچانک ہوگا کہ جو کوئی جس حالت میں ہوگا اسی حالت میں اس کا شکار ہو جائے گا۔ قبل ازیں اسی سورت میں اس منظر اور کیفیت کا ایک نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے: ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''وہ تو بس ایک زوردار چنگھاڑ تھی' تو جبھی وہ سب بجھ کر رہ گئے۔''

آیات ۵۱ تا ۶۸

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا
مِنْ مَّرْقَدِنَا ٚ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ
مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا
الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

ع وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ
نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

آیت ۵۱ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اور صُور پھونکا جائے گا تو وہ یکا یک قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔''

وہ چارو ناچار' کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے لیے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے۔

آیت ۵۲ ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ﴾ ''وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت! ہمیں کس نے اُٹھا دیا ہماری قبروں سے؟''

﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''(پھر خود ہی کہیں گے:) ارے یہ تو وہی (دن) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔''

پیغمبروں نے بعث بعد الموت کے بارے میں جو خبریں دی تھیں وہ سب کی سب سچ ثابت ہوئیں اور آج واقعی وہ دن آن پہنچا ہے جس کے بارے میں وہ ہمیں بار بار یاد دہانی کرایا کرتے تھے۔

آیت ۵۳ ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''(پھر) ایک ہی چنگھاڑ ہوگی تو (اس کے نتیجے میں) وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر دیے جائیں گے۔''

آیت ۵۴ ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''پس آج کے دن کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلے میں نہیں دیا جائے گا مگر وہی کچھ جو تم عمل کرتے رہے تھے۔''

آیت ۵۵ ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''یقیناً اہلِ جنت اُس دن مزے کرنے میں مشغول ہوں گے۔''

آیت ۵۶ ﴿هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِــُٔوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''وہ اور ان کی بیویاں سائے میں تختوں کے اوپر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

آیت ۵۷ ﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اس میں ان کے لیے تمام میوے ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ شے ہوگی جو وہ طلب کریں گے۔''

آیت ۵۸ ﴿سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾﴾ ''سلام کہا جائے گا ربِّ رحیم کی طرف سے۔''

جنت میں اللہ کی طرف سے ان کے لیے سلامتی کے پیغامات آتے رہیں گے۔

آیت ۵۹ ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''اور (اعلان کیا جائے گا:) اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔''

پھر تمام کافر اور مشرک لوگوں کو چھانٹ کر الگ کر لیا جائے گا اور انہیں مخاطب کر کے پوچھا جائے گا:

آیت ۶۰ ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰﴾ ''اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی مت کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۶۱ ﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱﴾ ''اور میری ہی بندگی کرنا۔یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲﴾ ''اور وہ تو تم میں سے بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر کے لے گیا' تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے تھے!''

آیت ۶۳ ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳﴾ ''اب یہ جہنم حاضر ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا۔''

آیت ۶۴ ﴿اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶۴﴾ ''آج اس میں داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے جو تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۶۵ ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے''

﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۶۵﴾ ''اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کمائی کے بارے میں جو وہ کرتے رہے تھے۔''

مجرمین کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ ہمارے ذریعے سے انہوں نے فلاں فلاں غلط کام کیے تھے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹا دیں''

﴿فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝۶۶﴾ ''پھر یہ دوڑیں راستہ پانے کے لیے' لیکن کہاں دیکھ سکیں گے؟''

آیت ۶۷ ﴿وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو ان کی صورتیں مسخ کر دیں ان کے اپنے مقام پر''

یعنی اگر اللہ چاہے تو وہ جہاں' جس حالت میں ہوں وہیں پر ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں۔

﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝۶۷﴾ ''تو نہ وہ آگے چل سکیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ﴾ ''اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کی خلقت میں ضعف پیدا کر دیتے ہیں۔''

ظاہر ہے جب بڑھاپا آتا ہے تو انسان کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

﴿اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۸﴾ ''تو کیا یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیات ۶۹ تا ۸۳

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا
وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ
لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ۭ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ
اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا
فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ
يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ع

آیت ۶۹ ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ﴾ ”اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔“

اس سے پہلے سورۃ الشعراء میں شعراء کے بارے میں یہ حکم ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝۲۲۴ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝۲۲۵ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝۲۲۶﴾ ”اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں“۔ سورۃ الشعراء کی ان آیات کے بعد اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے استثناء کا ذکر بھی فرمایا ہے‘ لیکن شعراء اور شاعری کے بارے میں عام قاعدہ کلیہ بہر حال یہی ہے جو ان آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا کہ شاعری کے ساتھ ہمارے رسول ﷺ کی طبیعت کی مناسبت ہی نہیں۔ آپ ﷺ کی طبیعت میں شعر فہمی اور شعر شناسی کا ملکہ تو تھا لیکن شعر پڑھنے کا ذوق نہیں تھا‘ اس لیے اگر آپؐ کبھی کوئی شعر پڑھتے بھی تو اس کے الفاظ آگے پیچھے ہو جاتے اور شعر کا وزن خراب ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شعر پڑھا اور پڑھتے ہوئے حسبِ معمول شعر بے وزن ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پاس تھے‘ آپؓ سن کر مسکرائے اور عرض کیا: اِنِّی اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں“۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے آپؐ کو شعر کی تعلیم نہیں دی تو پھر آپؐ درست شعر کیونکر پڑھیں گے! گویا آپؐ کی زبانِ مبارک سے بے وزن شعر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثبوت مل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے

آپؐ میں شعر کے فنی رموز اور وزن وغیرہ کا ذوق پیدا ہی نہیں فرمایا۔ البتہ معنوی اعتبار سے حضور ﷺ شعر کو خوب سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپؐ کا فرمان ہے: ((اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً (۱)...... اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا))(۲) کہ بہت سے اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بہت سے خطبات جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''یہ تو بس ایک یاد دہانی اور نہایت واضح قرآن ہے۔''

یہ ایک صاف واضح اور روشن کلام ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ ''تا کہ وہ خبردار کر دے اُس کو جو زندہ ہو''

یہاں ''زندہ ہونے'' سے مراد روح کا زندہ ہونا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ قبل ازیں بھی متعدد مقامات پر بیان ہو چکا ہے، لیکن اس آیت میں یہ واضح تر انداز میں آیا ہے۔ گویا کچھ انسان جیتے جی مردہ ہوتے ہیں، جیسے ابوجہل اور ابولہب بحیثیت انسان زندہ نہیں تھے، وہ صرف حیوانی سطح پر زندہ تھے، جبکہ ان کے اندر ان کی روحوں کی موت واقع ہو چکی تھی۔ چنانچہ قرآن کا اِنذار صرف اسی انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے جس کے اندر اس کی روح زندہ ہو اور اس کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو۔

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر لفظ ''فطرت'' کے مترادف کے طور پر ''خِلقت'' کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے اور اسی کو فارسی زبان میں ''سرشت'' بھی کہتے ہیں۔ لیکن زیر بحث مضمون کی وضاحت کے لیے جس سیاق وسباق میں لفظ ''فطرت'' کا حوالہ آیا ہے اس کا مفہوم لفظ ''خِلقت'' سے یکسر مختلف ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ''خِلقت'' کا تعلق عالمِ خَلق یعنی مٹی اور زمین سے ہے، اس لیے یہ ضعف اور خامیوں سے عبارت ہے۔ مثلاً قرآن کے مطابق انسان کمزور (النساء: ۲۸) بھی ہے اور جلد باز (بنی اسرائیل: ۱۱) بھی۔ گویا انسانی خلقت میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس انسانی ''فطرت'' کا تعلق ''روح'' سے ہے جو اللہ کی طرف سے انسان میں پھونکی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰) ''یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے''۔ چنانچہ فطرت کمزوریوں اور خامیوں سے پاک ہے، کیونکہ اس کا تعلق عالمِ اَمر یا عالمِ بالا سے ہے۔

﴿وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور کافروں پر قول واقع ہو جائے۔''

یعنی ان پر حجت تمام ہو جائے اور وہ عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

آیت ۷۱ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے جن کے اب یہ مالک بنے پھرتے ہیں۔''

یہ میری بھینس ہے، میں اس کا مالک ہوں! یہ اُس کی گائے ہے! یہ فلاں کا گھوڑا ہے! بکریوں کے ریوڑ کا

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب الشعر، راوی: أبی بن كعب رضی اللہ عنہ۔

(۲) صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب الخطبة، راوی: عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

مالک فلاں ہے! گویا یہ لوگ بڑے فخر سے ان مویشیوں اور چوپایوں پر اپنا حق ملکیت جتاتے ہیں، لیکن یہ حقیقت وہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ انہیں تخلیق تو اللہ نے ہی کیا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴾ ''اور ہم نے ان (مویشیوں) کو ان کا مطیع کر دیا ہے تو ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔''

انسان سے کئی کئی گنا زیادہ طاقتور جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کے تابع کر دیا ہے۔ چنانچہ کئی جانور تو ایسے ہیں جن کو انسان سواری اور بار برداری کے کام میں لاتا ہے اور کئی وہ ہیں جن کے گوشت سے اس کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ ''اور ان کے لیے ان میں بہت سی منفعتیں اور پینے کی جگہیں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے!''

انسانی زندگی میں جانوروں کی اہمیت اور افادیت کے بہت سے دوسرے پہلو بھی ہیں۔ بار برداری کی خدمات اور غذائی ضروریات کے علاوہ ان کی اون اور کھالوں سے انسانی استعمال کی بے شمار چیزیں بنتی ہیں۔ اور اب تو ان جانوروں کی کوئی ایک چیز بھی ضائع نہیں جاتی، حتیٰ کہ ان کے خون اور گوبر کو بھی مختلف طریقوں سے استعمال کر لیا جاتا ہے۔

''مَشَارِب'' جمع ہے اور اس کا واحد ''مشرب'' ہے جس کے معنی پینے کی جگہ اور گھاٹ کے ہیں۔ گویا دودھ دینے والے جانور اور ان جانوروں کے تھن انسان کے لیے ''مشرب'' یعنی دودھ کے گھاٹ ہیں۔ دودھ ایک بہترین مشروب اور انسانی زندگی کے لیے بے حد مفید غذا ہے۔ جانوروں سے حاصل ہونے والی اس ایک نعمت پر ہی انسان اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسماعیل میرٹھی صاحب نے یہ انتہائی اہم اور سنجیدہ بات کتنے سادہ انداز میں بچوں کی زبان میں کہہ دی ہے:

رب کا شکر ادا کر بھائی ــــ جس نے ہماری گائے بنائی
اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں ــــ جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں!

آیت ۷۴ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود گھڑ لیے ہیں، شاید کہ ان کی مدد کی جائے۔''

انہیں اُمید ہے کہ اللہ کے ہاں ان معبودوں کی سفارش سے وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے۔

آیت ۷۵ ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ﴾ ''وہ ہرگز کوئی استطاعت نہیں رکھتے ان کی مدد کی''

﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴾ ''بلکہ یہ تو خود ہوں گے ان کے پکڑے ہوئے قیدی۔''

یعنی جنہیں یہ لوگ پوجتے تھے وہی انہیں پکڑ پکڑ کر اللہ کے حضور پیش کریں گے اور کہیں گے: اے اللہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ہمارے ساتھ یہ ظلم کیا تھا کہ ہمیں تیرا شریک ٹھہراتے رہے۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) ان کی بات آپ کو رنجیدہ نہ کرے۔''

آپؐ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور دل گرفتہ نہ ہوں۔

﴿اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپا رہے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں۔“

آیت ۷۷ ﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾﴾ ”تو کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے بنایا ہے ایک قطرہ سے‘ تو اب یہ بن گیا ہے کھلا جھگڑنے والا!“

اب اس کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ یہ ہماری آیات پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے نبی (ﷺ) کے ساتھ کج بحثی کرتا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ﴾ ”اور یہ ہمارے بارے میں تو مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے!“

﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾﴾ ”کہتا ہے کہ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جبکہ وہ بالکل بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟“

وہ اعتراضات کرتا ہے کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور ہمارے جسموں کے اعضاء منتشر ہو جائیں گے تو کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟

آیت ۷۹ ﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔“

اس اعتراض کے جواب میں یہ دلیل قرآن حکیم میں متعدد بار بیان فرمائی گئی ہے جسے معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ یعنی کسی چیز کا ابتدائی طور پر پیدا کرنا‘ یا کسی بھی کام کا پہلی مرتبہ انجام دینا‘ اس کا اعادہ کرنے کے مقابلے میں بظاہر زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ تو جس ہستی نے پہلی دفعہ انسان کو بنایا ہے اس کے لیے اسے دوبارہ بنانا بھلا کیونکر مشکل ہو گا!

﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾﴾ ”اور وہ ہر مخلوق کا مکمل علم رکھنے والا ہے۔“

کون کہاں دفن ہوا‘ کس کے جسم کے کون کون سے اجزاء کس کس حالت میں کہاں کہاں منتشر ہوئے‘ یہ سب معلومات اللہ تعالیٰ کے علم قدیم اور علم کامل کے اندر محفوظ ہیں۔

آیت ۸۰ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ ”جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی“

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہرے بھرے درختوں کے اندر جلنے اور آگ پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے۔ ان کی لکڑیوں کو تم لوگ خشک کر کے جلاتے ہو اور آگ کے حوالے سے اپنی مختلف ضروریات پوری کرتے ہو۔ اس کے علاوہ اس سے بعض ایسے درخت بھی مراد ہیں جن کی سبز ٹہنیوں کو رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بانس کی بعض اقسام میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحراؤں

میں خاص طور پر بعض ایسے درخت پیدا کر رکھے ہیں جن کی مدد سے مسافر ضرورت پڑنے پر آگ پیدا کر سکیں۔ جیسے کہ عرب کے صحراؤں میں مَرخ اور عفار نامی دو درخت پائے جاتے تھے' جن کی سبز شاخوں کو آپس میں رگڑ کر آگ پیدا کی جاسکتی تھی۔

﴿فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝﴾ ''تو تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔''

آیت ۸۱ ﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۣ﴾ ''تو کیا جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو' وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسی مخلوق دوبارہ پیدا کر دے!''

یہاں پر یَخْلُقَ مِثْلَهُمْ کے الفاظ میں ایک اہم مضمون بیان ہوا ہے جو اس آیت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا تو ہم میں سے ہر ایک کو بعینہٖ دنیا والا جسم نہیں دیا جائے گا بلکہ ''اس جیسا'' جسم دیا جائے گا۔ اس کی عقلی توجیہہ یہ ہے کہ انسان کا جسم تو اس کی زندگی میں بھی مسلسل تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس میں مسلسل تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کھال سمیت جسم کے تمام اعضاء کے خلیات اور خون کے سرخ وسفید خلیات مسلسل ختم ہوتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے نئے خلیات بنتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا جو جسم دس سال پہلے تھا وہ آج ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بالکل ایک نیا جسم بن چکا ہے۔ اسی طرح آج میرا جو جسم ہے چند سال بعد اس کی یہ ہیئت تبدیل ہو جائے گی۔ گویا بچپن میں جسم کی جو کیفیت ہوتی ہے' جوانی تک پہنچتے پہنچتے وہ کیفیت بالکل بدل جاتی ہے' جبکہ بڑھاپے کی عمر میں جوانی والے جسم کی ہیئت بھی مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ بہرحال ہر انسان کو دوبارہ اٹھنے پر جو جسم دیا جائے گا وہ بعینہٖ دنیا والا جسم نہیں ہوگا' بلکہ ''اس جیسا'' جسم ہوگا اور اس کی شکل کی سی شکل ہوگی۔ دنیا کی زندگی میں جس جسم سے اس نے نیک یا برے اعمال کمائے ہوں گے' اسی طرح کے جسم کے ساتھ اسے ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی اس کے لیے دلیل فراہم کرتا ہے جو بالعموم آپؐ کی خوش طبعی کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک دفعہ ایک بوڑھی خاتون حاضر ہوئی اور اپنے لیے جنت کی دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اے اُمّ فلاں! جنت میں بوڑھی عورتیں تو داخل نہیں ہوں گی''۔ اس پر وہ سادہ لوح خاتون رنجیدہ ہو کر رونے لگی۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھا تو اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ((اَنَّ الْعَجُوْزَ لَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ عَجُوْزًا بَلْ يُنْشِئُهَا اللّٰهُ خَلْقًا آخَرَ، فَتَدْخُلُهَا شَابَّةً بِكْرًا)) ''بوڑھی عورتیں بڑھاپے کی حالت میں ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور ہی اٹھان پر اٹھائے گا' پس تم نوجوان کنواری بن کر جنت میں داخل ہو گی''۔ اور پھر آپ ﷺ نے اس خاتون کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں: ﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝﴾ (الواقعة) ''ان کو ہم ایک خاص اٹھان پر اٹھائیں گے' اور ان کو باکرہ بنائیں گے' محبت کرنے والی' ہم عمر۔''(۱)

﴿بَلٰي ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ ''کیوں نہیں! جبکہ وہ تو بہت تخلیق فرمانے والا' سب کچھ جاننے

(۱) غاية المرام للالبانی' ح: ۳۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو: سلسلة الاحاديث الصحيحة' ح: ۲۹۸۷۔

والا ہے۔“

آیت ۸۲ ﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾﴾ ”اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔“

یہاں پر یہ اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ یہ ”عالَمِ امر“ کا معاملہ ہے‘ جبکہ عالَمِ خلق کے قوانین مختلف ہیں۔ قرآن میں یہ آیت متعدد بار آئی ہے اور اسی مفہوم اور انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ عالَمِ امر اور عالَمِ خلق کے بارے میں وضاحت سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالَمِ امر میں چیزوں کو وقوع پذیر ہونے کے لیے کوئی وقت درکار نہیں‘ جبکہ عالَمِ خلق میں تخلیق کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں چھ دنوں میں بنایا۔ ان چھ دنوں سے مراد چھ ادوار (Eras) ہو سکتے ہیں۔ انہیں آپ میلینیم (millennlums) کہہ لیں۔ عین ممکن ہے کہ جس عرصہ کو یہاں ”دن“ کا نام دیا گیا ہے وہ لاکھوں برس پر محیط ہو۔ لیکن چھ دنوں کے ذکر سے یہ حقیقت تو بہرحال واضح ہوتی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں کچھ وقت لگا۔ اس لیے کہ یہ ”عالَمِ خلق“ کی تخلیق ہے۔

اس کے برعکس ”عالَمِ اَمر“ میں ”وقت“ کا تکلف نہیں پایا جاتا۔ مثلاً روحِ انسانی اور فرشتوں کا تعلق عالَمِ امر سے ہے‘ اس لیے روح کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کے لیے کوئی وقت درکار نہیں۔ اسی طرح حضرت جبریل امین علیہ السلام آنِ واحد میں عرش سے زمین پر آ جاتے ہیں اور آنِ واحد میں زمین سے عرش پر پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ کے امر کی خصوصی شان کا ذکر عالَمِ امر کے حوالے سے ہوا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِيۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَيۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ”تو بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کا اختیار ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔“

بیان القرآن

سُوۡرَۃُ الصّٰفّٰت

(۳۷)

سُورۃ الصّٰفّٰت

تمہیدی کلمات

سورۃ الصّٰفّٰت کا آغاز جس انداز سے ہو رہا ہے قرآن حکیم کی مزید چار سورتوں کا آغاز بھی بالکل اسی انداز سے ہوتا ہے یعنی سورۃ الذّٰریٰت، سورۃ المُرسلٰت، سورۃ النّٰزعٰت اور سورۃ العٰدیٰت۔ ان پانچوں سورتوں کے آغاز میں ایک جیسے انداز میں قسمیں کھائی گئی ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض مقامات پر مفسّرین کے درمیان اشکال پایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی مقام پر اگر کچھ مفسّرین کا خیال ہے کہ ان قسموں میں فرشتوں کا ذکر ہے تو بعض دوسرے مفسرین کی رائے ہے کہ ان سے ہوائیں مراد ہیں۔ بہرحال سورۃ الصّٰفّٰت کی ان ابتدائی آیات کے بارے میں تقریباً تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں فرشتوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت کے بارے میں یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے اور اس کا انداز سورۃ الحجر اور سورۃ الشعراء سے مشابہت رکھتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی آیات' تیز ردھم اور نمایاں صوتی آہنگ (جسے میں ''ملکوتی غنا'' اور Divine Music کہا کرتا ہوں) ان تینوں سورتوں کی مشترکہ خصوصیات ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی سورتوں کے ہر گروپ کے اندر ابتدائی زمانے کی ایک سورت بھی رکھ دی ہے۔ اس کی حکمت جواب تک میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے (ممکن ہے کوئی اور بڑی حکمت بھی ہو جواب تک ہماری سمجھ میں نہ آئی ہو) کہ فطری طور پر انسان یکسانیت سے اُکتا جاتا ہے۔ انسانی فطرت کی اس کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے سورتوں کو ترتیب دیتے ہوئے اسلوب اور مضامین میں تنوع پیدا کیا گیا ہے تاکہ مسلسل پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہ کرے۔ مثلاً ایک شخص اگر روزانہ قرآن کے ایک پارے کی تلاوت کرتا ہے تو اسے مسلسل کئی دن تک ایک جیسے اسلوب کے ساتھ ایک جیسے مضامین ہی پڑھنے کو نہ ملیں، بلکہ اس کے ذوقِ تنوع کی تسکین کے لیے مضامین اور اسلوب بدل بدل کر اس کے سامنے آئیں۔ واللہ اعلم!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۰

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۝۲ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰـہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِۣ الۡکَوَاکِبِ ۝۶ وَحِفۡظًا مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَیُقۡذَفُوۡنَ

مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوۡرًا وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ
شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

آیت ۱ ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱﴾ ''قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو قطار در قطار صفیں باندھے حاضر رہتے ہیں۔''
گویا وہ بارگاہِ خداوندی میں ہمہ وقت حاضر رہنے والے خادمین ہیں جو احکامات کی تعمیل کے لیے ہر لمحہ کمربستہ رہتے ہیں۔

آیت ۲ ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۝۲﴾ ''پھر قسم ہے اُن کی جو ڈانٹنے والے ہیں۔''
یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بستی پر عذاب کا حکم دیتا ہے تو فرشتوں کی ایک ڈانٹ (صَیۡحَة) سے وہ بستی تباہ اور متعلقہ قوم ہلاک ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں ایک قوم کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ۝۲۹﴾ ''وہ تو بس ایک زوردار چنگھاڑ تھی' تو اسی وقت وہ سب بجھ کر رہ گئے۔''

آیت ۳ ﴿فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۝۳﴾ ''پھر قسم ہے اُن کی جو تلاوت کرنے والے ہیں ذکر کی۔''
یعنی اللہ کا جو کلام انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل ہوتا ہے اسے فرشتے ہی لے کر آتے ہیں ـــــ اب اگلی آیت میں ان قسموں کے مقسم علیہ کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی یہ تمام فرشتے اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ:

آیت ۴ ﴿اِنَّ اِلٰهَکُمۡ لَوَاحِدٌ ۝۴﴾ ''یقیناً تمہارا الٰہ ایک ہی ہے۔''
جیسے کہ قبل ازیں بھی ذکر ہوا ہے' ان سورتوں (زیر مطالعہ گروپ) کا مرکزی مضمون توحید اور ردِّ شرک ہے۔ اسی لیے یہاں ان قسموں کی گواہی کے بعد جو حقیقت بیان فرمائی گئی ہے وہ معبودِ حقیقی کے اکیلے اور تنہا ہونے کے بارے میں ہے۔ البتہ اس کے بعد مکی سورتوں کے جو آخری دو گروپس ہیں ان کا مرکزی مضمون چونکہ انذارِ آخرت ہے' اس لیے ان گروپس کی جن سورتوں کے آغاز میں ایسی قسمیں کھائی گئی ہیں وہاں ان قسموں کے بعد مقسم علیہ کے طور پر ﴿وَّاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۶﴾ (الذّٰریٰت) (جزاوسزا اور حساب کتاب کا معاملہ یقیناً ہونے والا ہے) جیسی آیات آئی ہیں۔

آیت ۵ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ۝۵﴾ ''جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اور تمام مشرقوں کا۔''
یہاں ''مشارق'' کے بعد ''مغارب'' کا ذکر نہیں ہوا☆۔ اس لیے کہ زمین کا ہر مقام اور ہر نقطہ مشرق بھی ہے اور مغرب بھی۔ یعنی اگر ہم کسی وقت سورج کو کسی مقام پر غروب ہوتا دیکھ رہے ہیں تو عین اسی وقت اسی مقام سے کسی دوسرے علاقے کے لوگ اسے طلوع ہوتا بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے سورج کے طلوع و غروب کے حوالے سے مشرق اور مغرب کا ذکر الگ الگ بھی ہو سکتا ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمین کے تمام مقامات

☆ سورۃ المعارج میں ''مشارق'' کے ساتھ ''مغارب'' بھی مذکور ہے! ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَالۡمَغٰرِبِ......﴾ (آیت ۴۰) ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تمام مشرقوں اور مغربوں کے رب کی......'' (مرتب)

مشارق ہی ہیں۔ یعنی ہر جگہ سے کسی نہ کسی وقت سورج طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔

آیت ۶ ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَةِ ۣالۡكَوَاكِبِ ۝۶﴾ ’’ہم نے مزین کر دیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زیبائش سے۔‘‘

السَّمَآءَ الدُّنۡیَا مرکب توصیفی ہے‘ یعنی سب سے قریب والا آسمان۔ دَنَا یَدۡنُوۡ کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور اسی سے ادنیٰ ہے یعنی ’’قریب ترین‘‘ جبکہ ’’دُنۡیَا‘‘ کا لفظ اس کا مؤنث ہے۔

آیت ۷ ﴿وَحِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷﴾ ’’اور حفاظت کی خاطر ہر سرکش شیطان سے۔‘‘

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت ۱۷ کے ضمن میں اس کی وضاحت قدرے تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ بہرحال اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جنّات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور میری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ ان کو سورج کی آگ کی لپٹ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی لیے نظامِ شمسی کی حدود میں جنّات آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں کسی اہتمام یا کسی بیرونی مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جیسے پرندے فضا میں آسانی سے اِدھر اُدھر اڑتے پھرتے ہیں اسی طرح جنات بھی نظامِ شمسی کی پوری فضا یا حدود میں اپنی مرضی سے جہاں چاہیں آجا سکتے ہیں۔ البتہ نظامِ شمسی کی حدود سے تجاوز کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض سرکش جنّات عالَم بالا کے معاملات کی سُن گُن لینے کے لیے اپنی حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تخلیق کے اعتبار سے جنّوں اور فرشتوں میں چونکہ قرب پایا جاتا ہے (فرشتے نوری ہیں اور یہ ناری) اس لیے شیاطین جن فرشتوں سے رابطہ کرنے اور کسی نہ کسی حد تک ان سے کچھ معلومات اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے عالَم بالا سے احکام لے کر جب آسمانِ دنیا کی طرف نزول کرتے ہیں تو شیاطین جن ان سے کچھ معلومات قبل از وقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے حفاظتی انتظام کر رکھا ہے۔ خصوصی طور پر نزولِ وحی کے زمانے میں اس حفاظتی نظام کو غیر معمولی طور پر فعال کیا جاتا رہا ہے۔

آیت ۸ ﴿لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی﴾ ’’وہ سن نہیں پاتے ملأ اعلیٰ کی باتیں‘‘

اصل میں یہ فعل یَتَسَمَّعُوۡنَ (باب تفعّل) تھا‘ جو یَسَّمَّعُوۡنَ بن گیا ہے۔

﴿وَیُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸﴾ ’’اور ان کو مار پڑتی ہے ہر طرف سے۔‘‘

عالم بالا تک ان کی رسائی کو روکنے کے لیے ان پر میزائل فائر کیے جاتے ہیں۔

آیت ۹ ﴿دُحُوۡرًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹﴾ ’’بھگانے کے لیے‘ اور ان کے لیے (پھر) ایک دائمی عذاب ہے۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰﴾ ’’سوائے اس کے کہ جو کوئی اُچک لے کوئی چیز تو اس کا پیچھا کرتا ہے ایک چمکتا ہوا انگارہ۔‘‘

یعنی ان میں سے جو کوئی اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہوا پایا جاتا ہے وہ اس میزائل کا شکار ہو جاتا ہے۔

آیات ۱۱ تا ۲۶

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ
وَيَسْخَرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿١٦﴾ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿١٧﴾ قُلْ
نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا
يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ع ٢١ ٥
وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾
وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

آیت ۱۱ ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) ان سے پوچھئے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا وہ کچھ جو ہم نے پیدا کیا ہے!“

یہ کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ مر جانے کے بعد ان کا پھر سے زندہ ہو جانا کیسے ممکن ہے؟ آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ تم جیسے انسانوں کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس وسیع و عریض کائنات کو بنانا؟ اور یہ کہ جس اللہ نے یہ کائنات پیدا کی ہے‘ اس کے اندر سورج اور چاند کا نظام بنایا ہے‘ سیاروں‘ ستاروں اور کہکشاؤں کی دنیائیں آباد کی ہیں‘ کیا تم اس اللہ کے بارے میں خیال کرتے ہو کہ وہ تمہیں پھر سے پیدا نہیں کر سکے گا!

﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾﴾ ”ان کو تو ہم نے پیدا کیا ہے ایک لیس دار گارے سے۔“

یعنی وہ ایسا گارا تھا جس میں عملِ تخمیر (fermentation) کی وجہ سے چپچپاہٹ اور لیس پیدا ہو چکی تھی۔

واضح رہے کہ انسان کے مادۂ تخلیق کے بارے میں قرآن نے مختلف مقامات پر تُراب (مٹی) طِین (گارا) طِینٍ لاَّزِب (لیس دار گارا) صلصالٍ مِّن حماٍ مسنون (سڑاند والا گارا) اور صلصالٍ کالفخّار (ٹھیکری جیسی کھنکھناتی ہوئی مٹی) کے الفاظ کا ذکر کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الحجر: ۲۶ کی تشریح)۔

آیت ۱۲ ﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿١٢﴾﴾ ”بلکہ (اے نبی ﷺ!) آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں!“

آپ ﷺ کو بجا طور پر ان کے رویے پر تعجب ہوتا ہے یہ سوچتے ہوئے کہ میں تو انہیں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں‘ انہیں توحید کی طرف بلاتا ہوں‘ اس توحید کی طرف جس کا ایک واضح تصور ہر انسان کی فطرت کے اندر پیدائشی طور پر بھی موجود ہے‘ جبکہ یہ لوگ میری ان باتوں پر غور کرنے اور میری اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اُلٹا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾﴾ ”اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔“

آیت ۱۴ ﴿وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭﴾ ''اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔''

آیت ۱۵ ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ نہیں مگر ایک کھلا جادو۔''

آیت ۱۶ ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯﴾ ''(وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا؟''

مرنے کے بعد انسانی گوشت تو جلد ہی گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے' لیکن ہڈیوں کا الگ سے ذکر اس لیے ہوا ہے کہ یہ سخت ہوتی ہیں اور بوسیدہ ﴿عِظَامًا نَّخِرَةً ⑪﴾ (النّٰزعٰت) ہو جانے کے باوجود بھی لمبے عرصے تک موجود رہتی ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰﴾ ''اور کیا پہلے زمانے کے ہمارے آباء واَجداد کو بھی!''

تو کیا ہمارے ان آباء واَجداد کو بھی زندہ کر لیا جائے گا جنہیں فوت ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں اور ان کی ہڈیاں تک بھی مٹی میں تحلیل ہو چکی ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱﴾ ''آپ کہیے: ہاں! (تم اٹھائے بھی جاؤ گے) اور تم ذلیل بھی ہو گے۔''

نہ صرف تم سب کو اٹھا لیا جائے گا بلکہ اس وقت تمہیں اپنے اس کفر اور انکار کے باعث ذلت وخواری کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

آیت ۱۹ ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲﴾ ''بس وہ ایک زور کی ڈانٹ ہو گی' تو جبھی وہ (زندہ ہو کر) دیکھنے لگیں گے۔''

ہماری طرف سے ایک زوردار ڈانٹ کی صورت میں حکم دیا جائے گا جس کی تعمیل میں تمام انسانوں کے ذراتِ اجسام آنِ واحد میں مجتمع ہو کر جیتے جاگتے انسانوں کی صورت اختیار کر لیں گے۔

آیت ۲۰ ﴿وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑳﴾ ''اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت' یہ تو بدلے کا دن ہے!''

یہ تو وہی جزاء وسزا کا دن آ گیا ہے جس کے بارے میں ہمیں بار بار بتایا جاتا تھا اور ہم بار بار اس کی نفی کرتے تھے۔

آیت ۲۱ ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑﴾ ''(اُس وقت انہیں کہا جائے گا: ہاں) یہ وہی فیصلے کا دن ہے جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔''

آیت ۲۲ ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ㉒ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''(پھر حکم دیا جائے گا) جمع کرو ان سب ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی یہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے' اللہ کے سوا''

پھر فرشتوں کو حکم ہو گا کہ ان کافروں' مشرکوں اور ہر طرح کے مجرموں کو' چاہے وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنّوں میں سے' سب کو ایک جگہ جمع کر لو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی ساتھ ہی لے آؤ۔

آیت ۲۳ ﴿فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡجَحِيۡمِ ۝۲۳﴾ ''پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ!''
اب ذرا جہنم کے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کرؤ ان کو escort کرو۔
آیت ۲۴ ﴿وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ۝۲۴﴾ ''اور انہیں ذرا روکو! ابھی ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔''
آیت ۲۵ ﴿مَا لَـكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ۝۲۵﴾ ''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کر رہے ہو؟''
دُنیا میں تو تمہارے جتھے بہت طاقتور تھے' وہاں تو تمہیں اپنی محفلوں اور ان کے شرکاء پر بڑا غرور تھا' وہاں تو یہ ابوجہل بہت فخر سے کہا کرتا تھا کہ دیکھو میری مجلس کس قدر آباد ہے (مریم:۷۳) اور دیکھو میرے ہاں کیسے کیسے لوگ آکر بیٹھتے ہیں۔ تو آج وہ تمہارے جتھے دار اور حمایتی سب کے سب بے بس کیوں ہو گئے ہیں؟ اب تم ایک ہی حکم پر جہنم کی طرف کیوں چل پڑے ہو؟ اب تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کر رہے ہو؟
آیت ۲۶ ﴿بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ۝۲۶﴾ ''بلکہ آج تو یہ بہت فرمانبردار بنے ہوئے ہیں!''
آج تو یہ بغیر کسی مزاحمت کے اپنے آپ کو حوالے کر کے بلا چون و چرا سزا کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

آیات ۲۷ تا ۷۴

وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝۲۷ قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡيَمِيۡنِ ۝۲۸
قَالُوۡا بَلْ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ ۚ بَلۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا
طٰغِيۡنَ ۝۳۰ فَحَقَّ عَلَيۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ۝۳۱ فَاَغۡوَيۡنٰكُمۡ اِنَّا كُنَّا غٰوِيۡنَ ۝۳۲ فَاِنَّهُمۡ
يَوۡمَئِذٍ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ۝۳۳ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۳۴ اِنَّهُمۡ كَانُوۡۤا اِذَا
قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝۳۵ وَيَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ
مَّجۡنُوۡنٍ ۝۳۶ بَلۡ جَآءَ بِالۡحَـقِّ وَصَدَّقَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۳۷ اِنَّكُمۡ لَذَآئِقُوا الۡعَذَابِ الۡاَلِيۡمِ ۝۳۸ ۚ
وَمَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝۴۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ رِزۡقٌ
مَّعۡلُوۡمٌ ۝۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمۡ مُّكۡرَمُوۡنَ ۝۴۲ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝۴۳ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ۝۴۴
يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِكَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ ۝۴۵ بَيۡضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۝۴۶ ۚ لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ
عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ ۝۴۷ وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ ۝۴۸ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ ۝۴۹ فَاَقۡبَلَ
بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝۵۰ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ ۝۵۱ يَّقُوۡلُ
اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ۝۵۲ ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ۝۵۳ قَالَ هَلۡ
اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ۝۵۴ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۝۵۵ قَالَ تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَـتُرۡدِيۡنِ ۝۵۶
وَلَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّىۡ لَـكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ۝۵۷ اَفَمَا نَحۡنُ بِمَيِّتِيۡنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰى

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ
اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا
الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا
عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾ ع

آیت ۲۷ ﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾﴾ ''اور پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھنے لگیں گے۔''

آیت ۲۸ ﴿قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾﴾ ''کہیں گے کہ تم ہی تو آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے دبدبے کے ساتھ!''

یعنی تم ہمارے سردار تھے اور اپنی اس حیثیت کا رعب جما کر ہمیں اپنی پیروی پر مجبور کیا کرتے تھے۔ تم ہمارے پاس بہت رعب' دبدبے' طاقت اور زور کے ساتھ آیا کرتے تھے۔ لفظ ''یمین'' کے معنی طاقت کے بھی ہیں اور داہنی طرف کے بھی۔ چنانچہ آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے کہ ''تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس دائیں طرف سے۔''

آیت ۲۹ ﴿قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾﴾ ''وہ کہیں گے (کہ نہیں!) بلکہ تم لوگ خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾﴾ ''اور ہمیں تم پر کوئی اختیار تو تھا نہیں' بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھ جانے والے لوگ تھے۔''

آیت ۳۱ ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾﴾ ''تو اب ثابت ہو گیا ہے ہم پر ہمارے رب کا قول' اب تو ہمیں (عذاب کا) مزہ چکھنا ہی ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر فرما دیا تھا: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣﴾﴾ (السجدۃ) ''میں بھر کر رہوں گا جہنم کو تمام (نافرمان) جنوں اور انسانوں سے''۔ تو اللہ تعالیٰ کا وہ قول اب ہم پر واقع ہو چکا ہے اور ہم جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾﴾ ''تو ہم نے تم لوگوں کو گمراہ کیا' ہم خود بھی تو گمراہ تھے۔''

تم لوگ درست کہتے ہو کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا' لیکن ایسا تو نہیں تھا کہ ہم خود ہدایت پر تھے اور تمہاری

گمراہی کا باعث بنے۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ہم خود بھی گمراہ تھے اس لیے تم لوگوں کو بھی ہم اسی تباہی کے راستے پر لے آئے۔

آیت ۳۳ ﴿فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾﴾ ''تو اس دن وہ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔''

آیت ۳۴ ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾﴾ ''یقیناً ہم مجرموں کے ساتھ ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔''

آیت ۳۵ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾ ''ان کا معاملہ یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ استکبار کرتے تھے۔''

جب بھی ان کے سامنے کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اپنے گھمنڈ میں اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

آیت ۳۶ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾﴾ ''اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ دیں!''

حضور ﷺ کی شان میں یہ لوگ ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ان کے کہنے پر اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہم کئی نسلوں سے پرستش کرتے آئے ہیں!

آیت ۳۷ ﴿بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾﴾ ''بلکہ وہ تو حق لے کر آئے اور انہوںؐ نے تصدیق کی تمام رسولوںؑ کی!''

آیت ۳۸ ﴿اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾﴾ ''اب تمہیں یقیناً دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔''

آیت ۳۹ ﴿وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾﴾ ''اور تمہیں بدلہ نہیں مل رہا مگر اسی کا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾﴾ ''سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔''

آج اللہ کے چیدہ بندے ہی اس انجامِ بد سے محفوظ رہیں گے۔ مُخلَص (لام کی زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں ''خالص کیا گیا''۔ یہاں وہ بندے مراد ہیں جنہیں اللہ نے خاص کر لیا ہو' جنہیں اپنے لیے چُن کر الگ کر لیا ہو۔

آیت ۴۱ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے طے شدہ رزق ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾﴾ ''(یعنی) میوے' اور ان کا اکرام کیا جائے گا۔''

آیت ۴۳ ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾﴾ ''نعمتوں والے باغات میں۔''

آیت ۴۴ ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾﴾ ''وہ تختوں کے اوپر بیٹھے ہوں گے آمنے سامنے۔''

آیت ۴۵ ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾﴾ ''گردش کر رہے ہوں گے ان پر (خُدّام) نفیس

شراب کے پیالوں کے ساتھ۔"

وہ شراب صاف شفاف اور بغیر کسی نشے کے ہوگی۔

آیت ۴۶ ﴿ بَيۡضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴾ "بالکل سفید، انتہائی لذیذ پینے والوں کے لیے۔"

آیت ۴۷ ﴿ لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ ﴾ "اس میں نہ تو سر گرانی (کی کیفیت) ہوگی اور نہ ہی وہ اس سے بہکیں گے۔"

اس مشروب کو پی کر ایک سرور کی کیفیت تو ہوگی مگر نہ تو اس سے سر بھاری ہوگا اور نہ ہی وہ مدہوشی لائے گا اور فتورِ عقل کا باعث ہوگا۔

آیت ۴۸ ﴿ وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ ﴾ "اور ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی بڑی بڑی آنکھوں والی (بیویاں)۔"

آیت ۴۹ ﴿ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴾ "گویا وہ انڈے ہوں چھپا کر رکھے گئے۔"

آیت ۵۰ ﴿ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴾ "پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال کریں گے۔"

آیت ۵۱ ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ ﴾ "ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی ہوا کرتا تھا۔"

آیت ۵۲ ﴿ يَّقُوۡلُ ءَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ﴾ "وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟"

آیت ۵۳ ﴿ ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا ہمیں (زندہ کر کے) بدلہ دیا جائے گا؟"

یعنی میرا وہ ساتھی دنیا میں حیرت سے مجھے پوچھا کرتا تھا کہ کیا تم بھی محمد (ﷺ) کی ان باتوں پر یقین رکھتے ہو کہ ہمارے مر کھپ جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد ہمیں پھر سے زندہ کیا جائے گا اور ہمارے اچھے برے اعمال کی ہمیں سزا و جزا دی جائے گی؟

آیت ۵۴ ﴿ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴾ "(کوئی کہنے والا) کہے گا کہ کیا اب تم اسے جھانک کر دیکھنا چاہو گے؟"

یعنی جو شخص تمہیں اس طرح گمراہ کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا اس وقت تم اسے دیکھنا چاہو گے کہ اب وہ کس حال میں ہے؟ گویا اہل جنت کے لیے وہاں یہ بھی اہتمام ہوگا کہ وہ جس سے ملنا چاہیں مل لیں اور جو دیکھنا چاہیں دیکھ لیں۔

آیت ۵۵ ﴿ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴾ "تو وہ جھانکے گا اور اسے دیکھے گا دوزخ کے عین درمیان میں۔"

آیت ۵۶ ﴿قَالَ تَاللّٰہِ اِنۡ کِدۡتَّ لَتُرۡدِیۡنِ ﴿۵۶﴾﴾ ”وہ پکار اُٹھے گا: اللہ کی قسم‘ تم تو قریب تھے کہ مجھے بھی برباد کر دیتے!“

یہ تو اللہ کا مجھ پر بڑا فضل ہوا کہ میں نے تمہاری باتوں پر زیادہ دھیان دینے کے بجائے اس آواز کی طرف توجہ دی جو میرے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی اور میں نے اسی بات کو قبول کیا جس کو میرے دل نے حق جانا۔ ورنہ اگر خدانخواستہ میں نے کہیں تمہاری بات مان لی ہوتی تو آج میں بھی تمہارے ساتھ جہنم کے اس گڑھے میں پڑا ہوتا۔

آیت ۵۷ ﴿وَلَوۡلَا نِعۡمَۃُ رَبِّیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ”اور اگر میرے رب کی نعمت مجھ پر نہ ہوتی تو میں بھی لازماً پکڑے گئے لوگوں میں سے ہوتا۔“

آیت ۵۸ ﴿اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ ”تو کیا اب ہمیں مرنا تو نہیں!“

آیت ۵۹ ﴿اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰی وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ ”سوائے ہماری اُس پہلی موت کے‘ اور اب ہمیں کوئی عذاب بھی نہیں دیا جائے گا۔“

یہ اہل جنت کی آپس کی گفتگو کا حوالہ ہے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ کیا اس کے بعد ہماری کوئی پکڑ تو نہیں ہوگی؟ کیا اب مزید کسی چھانٹی کے لیے کوئی چھلنی تو نہیں لگے گی؟ اور کیا اب ہم مطمئن ہو جائیں کہ آئندہ ہمیں کسی قسم کے عذاب کا کوئی کھٹکا نہیں ہوگا؟ اہل جنت کی ان باتوں سے ان کی سادہ لوحی‘ تواضع اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ جنت میں ٹھکانہ ملنے پر وہ لوگ فخر و تعلّی کا اظہار نہیں کریں گے اور یوں نہیں سمجھیں گے کہ ہم نے اپنی محنت کا پھل پایا ہے اور اب ہم یہاں ہمیشہ ہمیش دھڑلے سے رہیں گے‘ بلکہ اپنی اس کامیابی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ قرار دیں گے اور اس حوالے سے بار بار اس کے حضور شکر کا اظہار کریں گے۔

آیت ۶۰ ﴿اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۶۰﴾﴾ ”یقیناً یہی بہت بڑی کامیابی ہے!“

آیت ۶۱ ﴿لِمِثۡلِ ہٰذَا فَلۡیَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾﴾ ”ایسی ہی چیز کے لیے عمل کرنا چاہیے عمل کرنے والوں کو!“

ایسی ہی کامیابی کو ہدف بنا کر ہر کسی کو دنیا میں محنت اور بھاگ دوڑ کرنی چاہیے۔ بھاگ دوڑ تو سب ہی کرتے ہیں مگر اکثر و بیشتر سب کے پیش نظر دنیا اور اس کا مال و متاع ہے۔ ہر کوئی اسی کے حصول کے لیے رات دن سرگرداں ہے اور اپنا خون پسینہ ایک کر رہا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ لیکن غور کیا جائے تو چار دن کا یہ عیش و آرام حاصل کر لینا کوئی بہت بڑی کامیابی تو نہیں‘ اور اس قسم کا عارضی ہدف کوئی قابل ذکر ہدف بھی نہیں۔ بہرحال انسان کا وقت اور خون پسینہ اتنی ارزاں چیز نہیں کہ اسے عارضی اور وقتی کامیابی کے لیے ضائع کر دیا جائے۔ ایسی قیمتی پونجی کو تو کسی بڑے ہدف کے حصول کے لیے کام میں لانا چاہیے‘ اور وہ بڑا ہدف ہے جنت اور اس کی نعمتوں کا حصول! چنانچہ تمام بھاگ دوڑ کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس ہدف کے حصول کے لیے بھاگ دوڑ کریں۔

آیت ۶۲ ﴿اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾﴾ ”بھلا مہمانی کے طور پر یہ بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟“

جنت کی مذکورہ نعمتوں کے مقابلے میں اہلِ جہنم کی ابتدائی مہمان نوازی زقوم (تھوہر) کے درخت سے کی جائے گی۔ اس ابتدائی مہمان نوازی کی نوعیت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد اہل جہنم کو کن حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ اب اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو جنت کی دائمی نعمتوں کے حصول کو اپنا ہدف بنا لے یا جہنم اور اس کے خوفناک عذابوں کے ساتھ اپنی عاقبت کو وابستہ کر لے۔

آیت ۶۳ ﴿اِنَّا جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ۝۶۳﴾ ''ہم نے اس (درخت) کو فتنہ بنا دیا ہے ظالموں کے لیے۔''

آیت ۶۴ ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِيۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ۝۶۴﴾ ''وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ میں سے نکلے گا۔''

یہی بات کافروں کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی' جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ میں بھی آ چکا ہے۔ اس میں ان کے لیے آزمائش کی وجہ دراصل ان کی یہ سوچ تھی کہ جہنم کی آگ کے اندر آخر درخت کیسے اُگیں گے؟ ایسی سوچ دراصل ان لوگوں کو پریشان کرتی ہے جو آخرت کے معاملات کو بھی اس دنیا کے قوانین وضوابط پر قیاس کرنے لگتے ہیں۔ اس حوالے سے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قیامت کے بعد ایک ایسے عالم کا ظہور ہوگا جس کے قوانین کا اس دنیا کے قوانین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں تو انسان آگ میں جل کر مر جاتا ہے' مگر جہنم کی آگ جلائے گی بھی اور مرنے بھی نہیں دے گی (الاعلیٰ:۱۳)۔ اس دنیا میں انسان کی جِلد اگر ایک دفعہ آگ سے جھلس جائے تو پھر درست نہیں ہوسکتی' مگر وہاں جہنمیوں کی جِلدیں جل جانے کے بعد کپڑوں کی طرح تبدیل کر دی جائیں گی (النساء:۵۶)۔

آیت ۶۵ ﴿طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ۝۶۵﴾ ''اُس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیاطین کے سر۔''

یعنی جسامت میں غیر معمولی طور پر بڑے' جبکہ دیکھنے میں بہت ہی بھدّے اور بدنما۔

آیت ۶۶ ﴿فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِئُوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ۝۶۶﴾ ''پھر وہ اس میں سے کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹوں کو بھریں گے۔''

ویسے تو وہ درخت ایسا ہوگا کہ کوئی اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا لیکن' اہل جہنم بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر اس درخت کو کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹوں کو بھریں گے۔

آیت ۶۷ ﴿ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ۝۶۷﴾ ''پھر اس کے اوپر ان کے لیے گرم پانی کا آمیزہ ہوگا۔''

زقوم کے برگ و بار کھانے کے بعد جب پیاس بھڑکے گی تو پیپ ملا کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔

آیت ۶۸ ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ۝۶۸﴾ ''پھر ان کا لوٹ کر آنا ہے جہنم کی طرف۔''

یعنی زقوم کا کھانا اور کھولتا ہوا مشروب تو ان لوگوں کو ابتدائی ''مہمان نوازی'' کے طور پر دیا جائے گا۔ اس کے بعد انہیں ان کے مستقل ٹھکانے یعنی جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلك!

آیت ۶۹ ﴿اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ۝۶۹﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آباء واجداد کو گمراہ پایا۔''

آیت ۷۰ ﴿فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ۝۷۰﴾ ''تو وہ ان ہی کے نقوشِ قدم پر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔''
بے شک ان کے باپ دادا گمراہ تھے' لیکن انہوں نے اپنی عقل سے کام نہ لیا اور بغیر سوچے سمجھے اپنے گمراہ آباء واَجداد کے اختیار کردہ راستوں پر گامزن ہو گئے۔

آیت ۷۱ ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ۝۷۱﴾ ''اور ان سے پہلے لوگوں کی بھی اکثریت گمراہ تھی۔''
یعنی ماضی میں بھی لوگوں کی اکثریت گمراہ ہی تھی۔ اس حوالے سے ہم سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۶ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور اگر تم پیروی کرو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے لازماً گمراہ کر دیں گے''۔ یہی مضمون سورۂ یوسف میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝۱۰۶﴾ ''اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں۔''

گویا ہر زمانے کی اکثریت کسی نہ کسی قسم کے شرک میں ملوث رہی ہے۔ اور توحید کے ساتھ شرک کی ملاوٹ کی ابتدا ہمیشہ یوں ہوتی رہی کہ اللہ کو ایک بڑے معبود کے طور پر مان لیا جاتا' لیکن اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے معبود بھی بنا لیے جاتے۔ پھر آہستہ آہستہ بڑا معبود اس لیے پس منظر میں چلا جاتا کہ وہ انسانی سوچ سے وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے اور پردۂ غیب میں بھی ہے' جبکہ چھوٹے اور خود ساختہ معبود ''پیکرِ محسوس'' کے طور پر ہر وقت اپنے پجاریوں کے سامنے حاضر و موجود ہوتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ خود ساختہ معبود ہی کُلّی طور پر ان کے اعصاب پر سوار ہو جاتے۔ پھر اللہ کے بارے میں یہ لوگ یہی گمان کرتے کہ وہ تو بس اپنی ذات میں مگن ہے اور اسے کائنات کی اب کوئی فکر نہیں۔

جیسے ''مشائین'' اللہ تعالیٰ کے بارے میں اسی طرح کے گمراہ کن نظریات رکھتے ہیں۔ (مشائین کے لغوی معنی ہیں چلنے پھرنے والے۔ ابتدائی طور پر اس گروہ کے لوگ چلتے پھرتے ہوئے اپنے استاد سے سیکھتے اور معلومات اخذ کرتے رہتے تھے' اس لیے وہ اس نام سے موسوم ہو گئے۔) اس گروہ کا ''امام'' ارسطو ہے اور ہمارے ہاں کے اکثر متکلمین (علمائے فلسفہ) بھی اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارسطو کا فلسفہ اس حوالے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف کلیات کا عالم ہے' جزئیات کا نہیں۔ یعنی اللہ نے اس کائنات کو پیدا کر دیا ہے' اس کے لیے کچھ قوانین بنا دیے ہیں اور اب یہ سارا نظام ان قوانین کے مطابق خود بخود چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کی اب نہ تو کوئی فکر ہے اور نہ ہی اب یہ اس کے کنٹرول میں ہے۔ جیسے کسی کھلاڑی نے فٹ بال کو کِک لگائی تو فٹ بال تیزی سے لڑھکنے لگا۔ اب فٹ بال کی حرکت اس کِک لگانے والے کے کنٹرول میں نہیں رہی۔ وہ اسے روکنا بھی چاہے تو روک نہیں سکتا۔ اب تو اس کی رفتار زمین کی رگڑ (friction) سے کم ہو گی یا راستے میں کوئی رکاوٹ اس کو روک لے گی' ورنہ اس کا اپنا زورِ حرکت (momentum) ختم ہو گا تو کہیں جا کر رُکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دنیا کے بڑے بڑے حکماء اور فلاسفہ کے ایسے گمراہ کن نظریات رہے ہیں۔ بہر حال انسان جب اپنے بنائے ہوئے پیمانوں پر اللہ کو ناپنا اور تولنا چاہتا ہے تو اسے ایسے ہی حماقت آمیز خیالات و نظریات سوجھتے ہیں۔

آیت ۷۲ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾﴾ ”اور ہم نے ان میں اپنے خبردار کرنے والے بھیجے تھے۔“

آیت ۷۳ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾﴾ ”تو دیکھ لو! کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا۔“

اس حوالے سے قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ، قومِ شعیبؑ، قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون کے عبرتناک انجام کی تفصیلات قرآن میں جابجا بیان فرمائی گئی ہیں۔

آیت ۷۴ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾﴾ ”سوائے اللہ کے خاص بندوں کے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی ہر زمانے میں ہر جگہ پر مدد کی اور انہیں اس انجامِ بد سے بچا لیا جس سے اللہ کے نافرمان لوگ دوچار ہوئے۔

آیات ۷۵ تا ۱۱۳

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا
ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ
مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا
تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي
النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾
قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي
الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٩٩﴾
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ
اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ
بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا
عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع ۳ ۲۹ ۷

آیت ۷۵ ﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''اور ہمیں پکارا تھا نوحؑ نے' تو ہم کیا ہی اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں!''

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر سورۃ القمر میں ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾﴾ یعنی اُس نے ربّ سے فریاد کی کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں' انہوں نے مجھے دبا لیا ہے' اب تُو ہی میری مدد فرما اور تو ہی ان سے میرا بدلہ لے! چنانچہ اللہ کی مدد آ گئی۔

آیت ۷۶ ﴿وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾﴾ ''اور ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو کربِ عظیم سے۔''

یہ ''کربِ عظیم'' کیا تھا؟ اس کو سمجھنے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور معاشرے کے حالات کی تصویر ذہن میں لائیے۔ چشم تصور سے دیکھئے کہ کس طرح اللہ کا ایک بندہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ اس کے لیے وہ دن دیکھتا ہے نہ رات۔ اجتماعی دعوت بھی دے رہا ہے' انفرادی ملاقاتیں بھی کر رہا ہے' ہر موقع آزما رہا ہے' ہر ذریعہ اور ہر طریقہ بروئے کار لا رہا ہے' جبکہ جواب میں اس کی اپنی قوم کے لوگ مسلسل اس سے استہزاء کر رہے ہیں' اس کا تمسخر اڑا رہے ہیں اور اس پر پھبتیاں کس رہے ہیں۔ اس جان لیوا جدّوجہد میں دس بیس یا پچاس برس تک نہیں' پورے ساڑھے نو سو سال تک اپنی جان کو گھلاتے چلے جانا اور اس کے جواب میں قوم کے مخالفانہ رویّے کا سامنا کرنا اور پھر اس مخالفت پر صبر کرنا کوئی معمولی کرب اور ضیق نہیں تھا۔

اسی طرح کے کرب اور ضیق کا سامنا محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو مکی دور میں اُس وقت کرنا پڑا تھا جب مشرکین بار بار کسی معجزے کا مطالبہ کر کے آپؐ پر گویا اتمامِ حجت کر رہے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں ایسے معجزات دکھائیں جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوموں کو دکھائے تھے۔ اس حوالے سے آپؐ پر عوام کا دباؤ مسلسل بڑھتا جا رہا تھا' جبکہ اللہ کا فیصلہ اس حوالے سے یہ تھا کہ اس طرح کا کوئی حسّی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اس صورتِ حال میں آپ ﷺ گویا چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان آ چکے تھے۔ سورۃ الانعام کے مطالعے کے دوران حضور ﷺ کے اس کربِ عظیم کی کیفیت کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ سورۃ الانعام کی متعلقہ آیات اس موضوع پر گویا ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اہل ایمان کو گویا اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو تو ابھی راہِ حق میں سختیاں جھیلتے ہوئے صرف دس بارہ سال ہی ہوئے ہیں۔ اپنی تکلیفوں کے بارے میں سوچتے ہوئے ذرا ہمارے بندے نوحؑ کے صبر و استقامت کو بھی مدِّنظر رکھو جو ساڑھے نو سو سال تک اس طرح کے ''کرب'' کا سامنا کرتے رہے۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو اُس کربِ عظیم سے بچایا گیا' اسی طرح آخر کار محمدٌ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بھی ہم اس کربِ عظیم سے نجات دلائیں گے جس میں اہلِ مکّہ نے ان کو مبتلا کر رکھا ہے۔

پھر پانی کا عذاب بذاتِ خود ایک ''کربِ عظیم'' تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر مسلّط ہوا تھا۔ یعنی یوں تو نہیں ہوا ہو گا کہ سیلاب آیا اور حق کے مخالفین سب کے سب آنِ واحد میں غرق ہو گئے۔ آج بھی اگر ہم اس

خوفناک صورت حال کی تصویر اپنے ذہنوں میں لا کر غور کریں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سیلابِ بلا کی انتہائی غیر معمولی صورتِ حال کو دیکھ کر وہ لوگ تشویش و تفکّر کے کون کون سے مراحل سے گزرے ہوں گے' کیسی کیسی حفاظتی تدابیر لڑائی گئی ہوں گی' جانیں بچانے کے لیے کیا کیا بھگدڑ اور ہلچل مچی ہوگی۔ گویا سیلاب کی وجہ سے اس قوم کے لیے قیامت صغریٰ کا منظر ہوگا۔ اور کسی نہ کسی درجے میں ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ①﴾ (الحج) کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہوگی۔ یہ سب کچھ بذاتِ خود ایک ''کربِ عظیم'' تھا' جس کا سامنا حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کو بھی تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے انہیں اس ''کربِ عظیم'' سے محفوظ رکھا۔

آیت ۷۷ ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ۷۷﴾ ''اور ہم نے اُس کی اولاد کو ہی باقی رہنے والا بنایا۔''

یہ آیت فلسفۂ قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس میں اسلوبِ حصر کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ صرف نوح علیہ السلام ہی کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والا بنایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیلاب کے بعد دنیا میں بنی نوعِ انسان کی نسل صرف حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے ہی چلی تھی۔

آپؑ کی قوم کے رویے کے حوالے سے قرآن میں جابجا جو اشارے ملتے ہیں اس سے تو یہی گمان ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے شاید کوئی بھی آپؑ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ بلکہ سورۂ ہود کے الفاظ: ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ ۴۰﴾ سے تو ایسے ہی لگتا ہے جیسے کشتی میں گنتی کے چند افراد تھے جن میں آپؑ خود تھے' آپؑ کے تین بیٹے اور ان کے اہل و عیال تھے یا ممکن ہے آپؑ کی کوئی بیوی بھی آپؑ کے ہمراہ ہو۔ اس کے علاوہ کچھ خادمین اور ملازمین ہوں گے اور بس۔ آپؑ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا تو غرق ہونے والوں میں شامل تھے۔ اگر کوئی خُدّام وغیرہ تھے بھی تو ان کی نسل آگے چلنے کا اہتمام نہیں ہوا ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد نسلِ انسانی آپؑ کے تین بیٹوں سام' حام اور یافث سے ہی چلی۔ اسی لیے آپؑ کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق تقریباً دو ہزار برس کے عرصے میں انسانی آبادی دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلی ہے۔ ورنہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک انسانی آبادی صرف اُسی علاقے تک محدود تھی جو سب کی سب سیلاب کی وجہ سے ختم ہوگئی اور صرف وہی چند نفوس زندہ بچے جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ کے الفاظ میں یہ مفہوم بہت واضح ہے کہ سیلاب کے بعد نسل انسانی صرف آپؑ کے بیٹوں (ذُرِّیَّتَهٗ) سے ہی آگے چلی۔ کشتی میں اگر آپؑ کے خاندان کے علاوہ کچھ اور لوگ موجود تھے بھی تو ان میں سے کسی کی نسل آگے نہ چل سکی۔

آیت ۷۸ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۷۸﴾ ''اور ہم نے اسی (کے طریقے) پر بعد میں آنے والوں میں سے بھی (کچھ لوگوں کو) چھوڑا۔''

یعنی بعد میں آپؑ کی نسل میں سے بھی لوگ آپؑ کے راستے پر چلتے رہے۔ آپؑ کے بیٹوں کی اولادیں کچھ عرصہ تک تو یقیناً دینِ حق اور دینِ توحید پر چلتی رہی ہوں گی' لیکن بالآخر شیطان نے انہیں بھی گمراہ کر دیا اور مختلف قسم کے توہمات اور شرک میں مبتلا کر دیا۔

آیت ۷۹ ﴿سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۷۹﴾ ''سلام ہو نوحؑ پر تمام جہانوں میں!''

آیت ۸۰ ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝۸۰﴾ ''یقیناً ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں محسنین کو۔''

''محسن'' وہ شخص ہے جو اسلام اور ایمان کے مدارج طے کر کے درجہ احسان تک پہنچ جائے۔

آیت ۸۱ ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ۝۸۱﴾ ''یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔''

آیت ۸۲ ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ۝۸۲﴾ ''پھر ہم نے غرق کر دیا باقی سب کو۔''

آیت ۸۳ ﴿وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ۝۸۳﴾ ''اور اُسی کی جماعت میں سے ابراہیمؑ بھی تھا۔''

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی دین حق اور نظریۂ توحید کے پیروکار تھے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کاربند تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام کی نسل سے تھا۔ اسی طرح قومِ عاد اور قومِ ثمود بھی سامی النسل تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش شہر اُر میں ہوئی جو موجودہ عراق کے جنوبی علاقے میں اپنے وقت کا مشہور شہر تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات دریافت ہو چکے ہیں۔

آیت ۸۴ ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۝۸۴﴾ ''جب وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا قلبِ سلیم کے ساتھ۔''

توحید کی معرفت کے حوالے سے انسان کی فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم کا ذکر قرآن حکیم کے اس مطالعے کے دوران اس سے پہلے بھی متعدد بار ہو چکا ہے۔ فطرت کا تعلق چونکہ روح سے ہے اور روح کا مسکن قلب انسانی ہے اس لیے یوں سمجھ لیں کہ فطرتِ سلیمہ اور قلب سلیم انسان کی ایک ہی کیفیت کا نام ہے۔ یعنی انسانی دل کی وہ کیفیت جس میں اس کی روح اور فطرت اپنی اصلی حالت میں ہو' اس کے اصل خدوخال صحیح سلامت ہوں' اس پر غفلت اور مادیت کے پردے نہ پڑ چکے ہوں اور وہ مسخ (perverted) نہ ہو چکی ہو۔ انسانی فطرت کی اس کیفیت کے لیے صوفیاء ''سیر الی اللہ'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

ایک انسان ایسے قلبِ سلیم کے ساتھ جب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو عقل سلیم کی روشنی میں اسے توحید کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس سے آگے بڑھ کر ''معاد'' یعنی آخرت کے فلسفے کی تہہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس حوالے سے میں قبل ازیں متعدد بار سورۃ الفاتحہ کا حوالہ بھی دے چکا ہوں کہ سورۃ الفاتحہ ایک ایسے ہی انسان کی فطرت کی پکار ہے جو اللہ اور توحید کی معرفت بھی حاصل کر چکا ہے' آخرت کی اہمیت وضرورت کا بھی قائل ہو چکا ہے اور اس نتیجے پر بھی پہنچ چکا ہے کہ ''اللہ کی بندگی'' ہی اصل طریقۂ زندگی ہے' مگر اُسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ کی بندگی کیسے کی جائے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بہت سے ایسے ''موحّدین'' مکّہ میں موجود تھے۔ مثلاً حضرت عمر کے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد زید ایک ایسے ہی موحّد تھے جو کعبے کے پردوں سے لپٹ کر دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں صرف تیری بندگی کرنا چاہتا ہوں' مگر میں نہیں جانتا کہ تیری بندگی کیسے کروں۔

سورۃ الفاتحہ کے نظم پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانی فطرتِ سلیمہ ہی کی پکار ہے جس کو قرآن نے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵﴾ کے الفاظ عطا کیے ہیں۔ یعنی فطرتِ سلیمہ کا حامل ایک انسان اپنی عقل سلیم کی مدد سے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱﴾ تک پہنچ گیا۔ یعنی اس نے اللہ کو پہچان لیا ہے اور اس کے لیے شکر وثنا کے جذبات کی کونپلیں بھی اس کے دل میں پھوٹ پڑی ہیں۔ اُس نے اپنے اللہ اور اپنے رب کو ایک ﴿الرَّحْمٰنِ

﴿الرَّحِيۡمِ ۝۲﴾ ذات کے طور پر بھی پہچان لیا ہے' اُسے ﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝۳﴾ کا عرفان بھی حاصل ہو گیا ہے۔ گویا اُس کی فطرتِ سلیمہ نے نہ صرف اسے آخرت کے احتساب کی ضرورت اور منطق بھی سمجھا دی ہے' بلکہ یہ لطیف نکتہ بھی اس کے دل میں بٹھا دیا ہے کہ وہی اللہ جو ربّ العالمین ہے' جس کی رحمت اور مہربانی سے اس کائنات کی ایک ایک چیز قائم ہے' وہی اللہ احتساب اور بدلے کے دن کا مالک بھی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر گویا اُس کی زبان بے اختیار ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝۴﴾ کا اقرار کرتی ہے' مگر اس سے آگے اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اس کی فطرتِ سلیمہ اس راستے پر اسے صرف اسی مقام تک راہنمائی فراہم کر سکتی تھی اور اس کی عقلِ سلیم کی پرواز بس یہیں تک تھی۔ اس سے آگے نورِ وحی کی راہنمائی درکار ہے۔ چنانچہ اس کے منہ میں یہ دعائیہ الفاظ ڈال دیے گئے: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝۵﴾ کہ اے اللہ! اے ربّ العالمین! اب تو خود ہماری دستگیری فرما! ہمیں اپنی بندگی کی ہدایت بھی دے اور اس رستے پر چلنے کے لیے مدد اور توفیق بھی مرحمت فرما' تاکہ ہم تیری بندگی کا حق ادا کر سکیں۔ اس دعا کے جواب میں پھر قرآن کی صورت میں اسے یہ راہنمائی مہیا کر دی گئی۔

آیت ۸۵ ﴿اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَاذَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۸۵﴾ ''جب کہ اُس نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کن چیزوں کو پوجتے ہو!''

آیت ۸۶ ﴿اَئِفۡكًا اٰلِهَةً دُوۡنَ اللّٰهِ تُرِيۡدُوۡنَ ۝۸۶﴾ ''کیا تم لوگ اللہ کے سوا خود ساختہ معبودوں کو چاہتے ہو!''

''اِفک'' کے معنی ہیں گھڑی ہوئی چیز' جس کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ تُرِيۡدُوۡنَ کے الفاظ میں ان من گھڑت معبودوں کے لیے ان لوگوں کی چاہت اور محبت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم لوگ ان کے طالب ہو اور وہ تمہارے محبوب و مطلوب ہیں۔ سورۃ الحج میں ایسے طالب و مطلوب کی حیثیت اور اوقات کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ ۝۷۳﴾ ''کس قدر کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی!''

آیت ۸۷ ﴿فَمَا ظَنُّكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۸۷﴾ ''تو تمہارا کیا گمان ہے ربّ العالمین کے بارے میں؟''

اس ہستی کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے؟''

آیت ۸۸ ﴿فَنَظَرَ نَظۡرَةً فِى النُّجُوۡمِ ۝۸۸﴾ ''پس اُس نے ایک نظر ستاروں پر ڈالی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں پر نگاہ ڈال کر گویا یہ تاثر دیا کہ وہ ستارہ شناسی کی مدد سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿فَقَالَ اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ ۝۸۹﴾ ''پھر کہا کہ میں تو بیمار ہوں۔''

میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے' یا یہ کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ مجھ پر بیماری آنے والی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی بھی عام تھی اور ستارہ پرستی بھی۔ ان کے ہاں ہندوؤں کے جنم اشٹمی کے میلے کی طرز پر سالانہ ایک جشن منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر شہر کے تمام لوگ باہر کھلے میدان میں جا کر کسی ستارے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب جشن کا دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میری تو طبیعت

خراب ہے‘ میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ اس طرح آپؑ پیچھے رہ گئے۔

آیت ۹۰ ﴿فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝۹۰﴾ ”تو وہ اس سے پھر گئے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔“

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر وہ لوگ اپنی پوجا پاٹ کے لیے چلے گئے۔

آیت ۹۱ ﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۹۱﴾ ”پھر وہ چپکے سے ان کے معبودوں میں جا گھسا اور کہنے لگا کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟“

لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مندر میں گھس گئے۔ جشن کے مخصوص موقع کے حوالے سے نذرانوں کے طور پر بتوں کے سامنے لازماً انواع واقسام کے کھانے سجائے گئے ہوں گے۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے سوال کیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مزے مزے کے کھانے تمہارے سامنے پڑے ہیں مگر آپ لوگ تناول نہیں فرما رہے؟

آیت ۹۲ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝۹۲﴾ ”تمہیں کیا ہو گیا ہے‘ تم بولتے بھی نہیں ہو!“

آیت ۹۳ ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝۹۳﴾ ”پھر وہ پل پڑا ان پر ضرب لگاتا ہوا داہنے ہاتھ سے۔“

یعنی پھر آپؑ نے پوری قوت سے ان پر تیشے وغیرہ کے وار کرنے شروع کر دیے۔

آیت ۹۴ ﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝۹۴﴾ ”تو وہ اُس کی طرف آئے‘ دوڑتے ہوئے۔“

اس واقعہ کے بارے میں کچھ تفصیل سورۃ الانبیاء کے پانچویں رکوع میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں۔ یہاں پر باقی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ آپؑ نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر چورا کر دیا‘ سوائے ایک بڑے بت کے۔ صورتِ حال انتہائی نازک اور تشویشناک تھی اور اس غیر معمولی واقعہ کے بعد شہر میں تو گویا قیامت برپا ہو گئی ہو گی۔ لیکن جب قوم کے بہت سے لوگ غیظ وغضب اور اشتعال کی کیفیت میں بھاگم بھاگ آپؑ تک پہنچے تو آپؑ نے نہ صرف بلاخوف ان کا سامنا کیا بلکہ ان کے ساتھ مدلّل مناظرہ بھی کیا:

آیت ۹۵ ﴿قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝۹۵﴾ ”اُس نے کہا: کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں تم خود تراشتے ہو!“

آیت ۹۶ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾ ”جبکہ اللہ نے پیدا کیا ہے تمہیں بھی اور جو کچھ تم بناتے ہو (اس کو بھی)۔“

یہ آیت حکمت اور فلسفۂ قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس حوالے سے اہلِ سُنّت کا عقیدہ ہے کہ انسان ”کاسبِ عمل“ تو ہے مگر ”خالقِ عمل“ نہیں ہے۔ مثلاً میں ارادہ کرتا ہوں کہ اپنے سامنے پڑا ہوا پیالہ اٹھاؤں۔ اس میں ارادے کی حد تک تو مجھے اختیار ہے مگر اللہ کے اِذن کے بغیر اس پیالے کو اٹھانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اس میں بہت سے دوسرے عوامل بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔ میرے اٹھانے سے پہلے اس پیالے پر کوئی دوسری قوت بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وجہ سے میرا دماغ میرے ارادے یا فیصلے کو میرے ہاتھوں تک پہنچا بھی نہ پائے۔ بہرحال انسان کا عمل دخل اس حوالے سے صرف ارادے تک محدود ہے اور اسی ارادے کے مطابق ہی وہ سزا یا جزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ مگر یہ بات طے ہے کہ اللہ کے اذن کے بغیر

کوئی واقعہ یا کوئی عمل وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ان لوگوں کو خاص طور پر بتایا گیا کہ تم نے ان بتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے نا! لیکن تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ تم اپنے ہاتھوں سے کرتے ہو اور تمہارے جو بھی اعمال و افعال ہیں ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

آیت ۹۷ ﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝﴾ ''انہوں نے کہا کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ' پھر اس کو شعلے مارتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔''

آیت ۹۸ ﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝﴾ ''تو اس طرح انہوں نے اس کے ساتھ ایک داؤ آزمایا' لیکن ہم نے ان کو ہی نیچا دکھا دیا۔''

انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف کون سا داؤ آزمایا تھا' اس کی وضاحت قبل ازیں سورۃ الانبیاء کی آیت ۷۰ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ دراصل وہ لوگ آپؑ کو آگ میں جلانا نہیں چاہتے تھے بلکہ محض ڈرانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب آپؑ دیکھیں گے کہ ان کے لیے آگ کا اتنا بڑا الاؤ دہکایا جا رہا ہے تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا' اور پھر جب انہیں آگ کے دہانے پر لا کر کھڑا کیا جائے گا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور آپؑ تائب ہو کر اپنے عقائد سے رجوع کر لیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح یہ ''فتنہ'' دب جائے گا۔ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل ہی الٹ ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الاؤ کے دہانے پر لایا گیا تو بقول اقبالؔ: ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نے بھرپور استقامت کا مظاہرہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے آگ کو گل و گلزار بنا دیا۔ اس طرح وہ لوگ اپنے ارادوں اور منصوبوں سمیت خائب و خاسر ہو گئے۔

آیت ۹۹ ﴿وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝﴾ ''اور اب اُس نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں' وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا۔''

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی یا رسول کے قتل پر آمادہ ہو جائے تو پھر وہ نبی یا رسول مزید اس قوم کے درمیان نہیں رہتے۔ آپؑ کی قوم نے تو آپؑ کے قتل کی صرف منصوبہ بندی ہی نہیں کی تھی بلکہ آپؑ کو بالفعل آگ میں ڈال دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے آپؑ کو معجزانہ طور پر بچا لیا۔ اسی طرح یہودیوں نے بھی اپنے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو ناکام بنایا اور آپؑ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے بھی جب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور آپؐ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت تک آپؑ کو شاید ہجرت کی منزل کے بارے میں معلوم نہیں تھا' اس لیے آپؑ نے فرمایا کہ میرا پروردگار خود میری راہنمائی فرمائے گا کہ مجھے کدھر جانا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کی' جس کے لیے

آپؑ کو بہت لمبا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ عراق‘ شام اور فلسطین کے درمیان شرقِ اردن کا پورا علاقہ لق ودق صحرا پر مشتمل ہے‘ جسے عبور کرنا بالکل ناممکن تھا۔ چنانچہ آپؑ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے اوپر شام کے شمالی علاقے ’’باران‘‘ پہنچے اور وہاں سے نیچے فلسطین کے علاقے میں داخل ہوئے۔

آیت ۱۰۰ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰﴾ ’’(آپؑ نے دعا کی:) پروردگار! مجھے ایک صالح بیٹا عطا فرما۔‘‘

آیت ۱۰۱ ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝۱۰۱﴾ ’’تو ہم نے اُسے بشارت دی ایک حلیم الطبع لڑکے کی۔‘‘

اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں ——— ’’حلیم‘‘ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور اس حوالے سے قرآن میں یہ لفظ بار بار آیا ہے۔ ویسے تو اللہ کی صفات کا کچھ نہ کچھ عکس انسانوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے لیکن ’’حلم‘‘ اللہ کی وہ شان ہے جو انسانوں میں زیادہ عام نہیں ہے۔ لفظ ’’حلیم‘‘ غیر اللہ کے لیے قرآن میں صرف تین مرتبہ آیا ہے۔ دو مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے (التوبہ:۱۱۴ اور ہود:۷۵) اور ایک مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے آیت زیر مطالعہ میں۔ یہاں ایک قابل توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ اس آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو غُلٰمٍ حَلِيْمٍ جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو سورۃ الحجر کی آیت ۵۳ میں غُلٰمٍ عَلِيْمٍ کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ یعنی ایک بھائی علم میں زیادہ تھے اور ان ہی سے آگے بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ چلا اور دوسرے بھائی یعنی حضرت اسماعیلؑ ’’حلم‘‘ میں زیادہ تھے اور ان کی اولاد میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

آیت ۱۰۲ ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ ’’پھر جب وہ پہنچا اس کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کی عمر کو‘‘

﴿قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾ ’’اُس نے کہا: اے میرے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں‘‘

اَرٰى فعل مضارع ہے جس میں استمرار کے معنی بھی پائے جاتے ہیں‘ یعنی میں بار بار خواب میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسلسل تین راتیں یہ خواب دیکھا تھا۔

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ﴾ ’’تو دیکھو! تمہاری کیا رائے ہے؟‘‘

﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ﴾ ’’اُس نے کہا: ابا جان! آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے۔‘‘

یہ جواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ’’حلم‘‘ کی عکاسی کرتا ہے اور آپؑ کی اسی طبیعت کی وجہ سے آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ’’حلیم‘‘ کا خطاب ملا ہے۔ آپؑ جانتے تھے کہ میرے والد نبی ہیں اور ان کا خواب کسی شیطانی وسوسے کا نتیجہ نہیں بلکہ وحی کا حصہ ہے۔ اس لیے آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو خواب ہے اور خواب کا کیا ہے‘ یا یہ کہ آپؑ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لیجیے بلکہ آپؑ نے بغیر کسی تردد اور حیل وحجت کے اس ’’حکم‘‘ کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے والد محترم کو اس پر عمل کرنے کا مشورہ دیا‘ اور آپؑ کو یقین دلایا کہ:

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲﴾ ’’اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔‘‘

یہاں پر ایک بات یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ یہودیوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے تورات میں جا بجا تحریف بھی کی ہے اور مختلف جگہوں کے نام بھی بدل ڈالے ہیں۔ مثلاً ''مروہ'' کی قربان گاہ کے مقابلے میں انہوں نے فلسطین میں ایک جگہ کا نام ''موریاہ'' رکھ دیا اور وہیں پر ایک وادی کو ''وادیٔ مکا'' کے نام سے موسوم کر دیا' تاکہ کسی طرح یہ ثابت کیا جا سکے کہ ''قربانی'' کا یہ واقعہ حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ وادیٔ مکہ میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ فلسطین میں حضرت اسحاقؑ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ان کا یہ پروپیگنڈا اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ ہمارے ہاں کے کئی مفسرین بھی اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ نہیں بلکہ حضرت اسحاقؑ تھے۔ مثلاً ابن جریر طبری ایک بہت بڑے مفسر ہونے کے باوجود ان اسرائیلی روایات سے متاثر ہیں۔ چنانچہ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس موضوع پر ''الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح'' کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھی اور مدلّل انداز میں ثابت کیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ مولانا فراہیؒ کی اصل کتاب عربی میں ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا' جسے ''ذبیح کون؟'' کے نام سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت شائع کیا گیا' مگر کتاب اس قدر دقیق ہے کہ ترجمے کے باوجود بھی اسے زیادہ پڑھنے والے دستیاب نہ ہو سکے۔

آیت ۱۰۳ ﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''پھر جب دونوں نے فرمانبرداری کی روش اختیار کر لی اور ابراہیم نے اس کو پیشانی کے بَل لٹا دیا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے پیشانی کے بل لٹایا تاکہ چہرہ سامنے نہ ہو اور اسی حالت میں گُدّی پر چُھری چلانے کی کوشش کی۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیمؑ!''

آیت ۱۰۵ ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''تم نے خواب سچ کر دکھایا' یقیناً ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔''

آیت ۱۰۶ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''یقیناً یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔''

گویا ممتحن خود کہہ رہا ہے کہ میں نے جو امتحان لیا وہ بہت سخت تھا۔ یہ تحسین اور شاباش کی انتہا ہے۔ میں نے اس موضوع پر ''حج اور عید الاضحیٰ اور ان کی اصل روح: قرآن حکیم کے آئینے میں'' کے عنوان سے ایک تحریر لکھی تھی جو میرے کتابچے ''عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی'' میں شامل ہے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور ہم نے ایک ذبحِ عظیم اس کا فدیہ دیا۔''

اللہ کے حکم سے جنت سے ایک مینڈھا لایا گیا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوا۔ مسلمانوں کے ہاں عید الاضحیٰ کے موقع پر ہر سال جانوروں کی قربانی پیش کر کے اسی قربانی کی یاد منائی جاتی ہے۔

آیت ۱۰۸ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور اسی (کے طریقے) پر ہم نے باقی رکھا بعد میں

آنے والوں میں سے بھی (کچھ لوگوں کو)۔‘‘

اس سے پوری ملت ابراہیمؑ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسے قبل ازیں آیت ۷۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا گیا کہ ان کی ملت پر بعد میں ہم نے کچھ لوگوں کو قائم رکھا‘ جن میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ آیت کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قربانی کی اس سنت کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے لوگوں میں زندہ اور قائم رکھا۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ ہم نے بعد میں آنے والوں میں اس کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔

آیت ۱۰۹ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۱۰۹﴾ ’’سلام ہو ابراہیمؑ پر۔‘‘

آیت ۱۱۰ ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۰﴾ ’’اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔‘‘

آیت ۱۱۱ ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۱﴾ ’’یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔‘‘

آیت ۱۱۲ ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۲﴾ ’’اور ہم نے اسے بشارت دی اسحاقؑ کی‘ ایک نبی صالحین میں سے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا جو امتحان لیا‘ اس میں کامیابی کے انعام کے طور پر آپؑ کو دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ﴾ ’’اور ہم نے برکت نازل کی اُس پر بھی اور اسحاقؑ پر بھی۔‘‘

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝۱۱۳﴾ ’’اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی تھے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔‘‘

’’ان دونوں‘‘ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام مراد ہیں۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا یہ واقعہ قصص النبیین کے انداز میں بیان ہوا ہے۔ قصص النبیین اور انباء الرسل کی اصطلاحات قرآن کے اس مطالعہ کے دوران قبل ازیں متعدد بار زیر بحث آچکی ہیں۔

آیات ۱۱۴ تا ۱۴۸

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۱۴ۚ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝۱۱۵ۚ
وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۱۱۶ۚ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝۱۱۷ۚ وَهَدَيْنٰهُمَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۱۸ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۱۹ۙ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۲۰ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۱ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۲ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۲۳ۭ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۲۴ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ
الْخَالِقِيْنَ ۝۱۲۵ۙ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۲۶ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۲۷ۙ اِلَّا
عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۲۸ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۲۹ۙ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝۱۳۰ اِنَّا

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ
لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ ع ۴ ۲۵ ۸
اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ
بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

آیت ۱۱۴ ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بھی احسان فرمایا۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور ہم نے نجات دی ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ایک کربِ عظیم سے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور ہم نے ان کی مدد کی' پھر وہی غالب ہوئے۔''

اللہ کی مدد سے انہیں نجات ملی اور ان کا دشمن ان کے سامنے غرق ہوا۔

آیت ۱۱۷ ﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کو ایک روشن کتاب دی۔''

یعنی تورات جس کی تعلیمات بہت واضح تھیں۔

آیت ۱۱۸ ﴿وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی۔''

آیت ۱۱۹ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور ان دونوں (کے طریقے) پر ہم نے باقی رکھا بعد میں آنے والوں میں سے بھی (کچھ لوگوں کو)۔''

آیت ۱۲۰ ﴿سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''سلام ہو موسیٰؑ پر اور ہارونؑ پر۔''

آیت ۱۲۱ ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''یقیناً ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں محسنین کو۔''

آیت ۱۲۲ ﴿اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''یقیناً وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔''

آیت ۱۲۳ ﴿وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ''اور یقیناً الیاسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔''

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ آپؑ بنی اسرائیل کے مشہور شہر ''بَعلَبَك'' میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس شہر میں سانڈھ کی شکل کا ایک بہت بڑا بت بنایا گیا تھا جس کا نام آگے آیت ۱۲۵ میں ''بعل'' بتایا گیا ہے۔ اسی بت کے نام پر اس شہر کا نام ''بَعلَبَك'' (بعل کا بک) رکھا گیا تھا یعنی بعل کا شہر۔ پرانی عبرانی زبان میں شہر کو بک یا بکہ کہا جاتا تھا۔ (چنانچہ مکہ کا پرانا نام بھی بکّہ تھا' جس کا حوالہ سورۂ آل عمران کی آیت ۹۶ میں آیا ہے۔) بہرحال اس قوم کے لوگوں نے اس شہر کو اپنے معبود کے نام سے منسوب کر رکھا تھا۔

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ”جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟“

آیت ۱۲۵ ﴿اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ”کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑتے ہو!“

آیت ۱۲۶ ﴿اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾ ”یعنی اللہ جو تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے۔“

آیت ۱۲۷ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ”تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا‘ چنانچہ وہ سب (قیامت کے دن) حاضر کر لیے جائیں گے۔“

آیت ۱۲۸ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ”سوائے اللہ کے ان بندوں کے جنہیں خالص کر لیا گیا۔“

آیت ۱۲۹ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ”اور اسی (کے طریقے) پر ہم نے باقی رکھا بعد میں آنے والوں میں سے بھی (کچھ لوگوں کو)۔“

یعنی یہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام ایک ہی ملت کے افراد تھے اور اسی طریقے کا تسلسل ہے جو ہدایت کی صورت میں نسل انسانی میں چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ یہی بات سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۲ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۵۲ میں اس طرح بیان ہوئی ہے: ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ”اور یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔“

آیت ۱۳۰ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ”سلام ہو الیاسؑ پر۔“

آیت ۱۳۱ ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ ”یقیناً ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں محسنین کو۔“

آیت ۱۳۲ ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ”یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔“

آیت ۱۳۳ ﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ”اور یقیناً لوطؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔“

آیت ۱۳۴ ﴿اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ”جب ہم نے نجات دی اُس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو۔“

اگرچہ تورات کے مطابق آپؑ صرف اپنی دو بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے کر نکلے تھے‘ یعنی ان کے علاوہ اس قوم میں کوئی اور اہل ایمان نہیں تھے‘ لیکن یہاں پر اَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ (سب گھر والوں کو) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا گھرانہ خاصا بڑا ہوگا‘ جس میں سے آپؑ کی صرف ایک بیوی پیچھے رہ گئی تھی۔ (واللہ اعلم!)

آیت ۱۳۵ ﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ ”سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔“

آیت ۱۳۶ ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ ”پھر ہم نے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا باقیوں کو۔“

آیت ۱۳۷‘ ۱۳۸ ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ”اور تم لوگ گزرتے ہو ان (کے کھنڈرات) پر صبح کے وقت بھی اور رات کو بھی‘ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“

قومِ لوطؑ کی تباہ ہونے والی بستیوں میں سے سدوم اور عامورہ کے شہر معروف تھے۔ حال ہی میں برطانیہ سے تعلق رکھنے والے آرکیالوجی کے کچھ ماہرین کی تحقیق کے نتیجے میں ان شہروں کے کھنڈرات اور آثار بحرِ مُردار کے پانی کے نیچے دریافت ہوئے ہیں' جس سے تورات اور قرآن میں مذکور تفصیلات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اسی طرح جب اللہ کو منظور ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔ سورۃ القمر' آیت ۱۵ میں اس حوالے سے اشارہ موجود ہے کہ کسی وقت یہ کشتی ایک بڑی نشانی کے طور پر ظاہر ہو گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کی بیان کردہ تاریخ کے ثبوت ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے آتے چلے جائیں گے۔ ان شاء اللہ!

آیت ۱۳۹ ﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''اور یقیناً یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔''

آیت ۱۴۰ ﴿اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''جب وہ بھاگ کر پہنچا اُس کشتی کی طرف جو (پہلے سے ہی) بھری ہوئی تھی۔''

لفظ ''اَبَقَ'' کسی غلام کا اپنے آقا کے ہاں سے بھاگ جانے پر بولا جاتا ہے۔ اس واقعے کا ذکر سورۂ یونس اور سورۃ الانبیاء میں بھی آ چکا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے آپؑ کو جھٹلا دیا اور ان کے مسلسل انکار اور کفر کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ فرما لیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور طریقہ یہی رہا ہے کہ کسی قوم پر عذاب سے قبل رسول کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا اور رسول کے ہجرت کر جانے کے بعد متعلقہ قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ حضرت یونس علیہ السلام سے اس ضمن میں یہ لغزش ہو گئی کہ آپؑ حمیتِ حق کے جوش میں غضبناک ہو کر (سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں اس حوالے سے ﴿اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا﴾ کے الفاظ آئے ہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح اجازت ملنے سے قبل ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل آئے اور دجلہ یا فرات میں سے کسی دریا کو پار کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہو گئے۔

آیت ۱۴۱ ﴿فَسَاھَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''تو انہوں نے قرعہ ڈالا' تو وہ ہو گیا دھکیل دیے جانے والوں میں سے۔''

پچھلی آیت میں مذکور ہے کہ وہ کشتی پہلے ہی گنجائش سے زیادہ بھری ہوئی تھی' چنانچہ جب بیچ دریا میں جا کر کشتی ڈولنے لگی اور اس کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو بوجھ کم کرنے کی غرض سے کسی ایک مسافر کو دریا میں پھینکنے کے لیے یہ قرعہ اندازی کی گئی ہو گی۔ اس حوالے سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی والوں نے یہ گمان کیا کہ کسی کا کوئی بھاگا ہوا غلام کشتی میں سوار ہے جس کی وجہ سے یہ ڈوبنے لگی ہے۔ چنانچہ اس مفرور غلام کا پتا لگانے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی۔ بہرحال قرعہ اندازی میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا اور آپؑ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔

آیت ۱۴۲ ﴿فَالْتَقَمَہُ الْحُوْتُ وَھُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''تو اُس کو نگل لیا مچھلی نے اور وہ ملامت زدہ تھا۔''

یہ کوئی بہت بڑی وہیل مچھلی ہو گی۔ آج تو ہم مچھلیوں کی بہت سی ایسی اقسام کو بخوبی جانتے ہیں جو بڑی آسانی سے ایک ہی لقمے میں انسان کو نگل سکتی ہیں۔ ﴿وَھُوَ مُلِیْمٌ﴾ کے الفاظ میں ناراضگی اور خفگی کا انداز پایا جاتا

ہے۔اس حوالے سے اللہ کے ہاں ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے'' کے مصداق کسی بہت بڑی شخصیت کی چھوٹی سی غلطی پر بھی بہت سخت گرفت ہوتی ہے۔

آیت ۱۴۳ ﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾﴾ ''تو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔''

سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مچھلی کے پیٹ میں نہ صرف زندہ رہے بلکہ ان الفاظ سے تسبیح بھی کرتے رہے کہ: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے' اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔''

آیت ۱۴۴ ﴿لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ ''تو اُس کے پیٹ ہی میں رہتا اُس دن تک کہ جس میں لوگ اُٹھائے جائیں گے۔''

یعنی اگر آپؑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح (آیتِ کریمہ کا ورد) نہ کرتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے (اُس کا پیٹ ہی آپؑ کے لیے قبر بنا رہتا) اور قیامت کے دن وہیں سے آپؑ اٹھائے جاتے۔

آیت ۱۴۵ ﴿فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾﴾ ''تو ہم نے ڈال دیا اسے ایک چٹیل میدان میں اور وہ خستہ حالت میں تھا۔''

اس تسبیح اور استغفار (آیت کریمہ کے ورد) کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس مصیبت سے نجات دی اور اللہ کے حکم سے مچھلی نے آپؑ کو ساحل پر اُگل دیا۔لیکن مچھلی کے معدے میں رہنے اور اس کے معدے میں موجود انہضامی رطوبتوں (digestive juices) کے اثرات کے باعث آپؑ کی حالت بہت خستہ (سقیم) ہو چکی تھی۔

آیت ۱۴۶ ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾﴾ ''تو ہم نے اس کے اوپر یقطین کا ایک پودا اُگا دیا۔''

عربی میں ''یقطین'' ایسے پودے کو کہا جاتا ہے جو کسی تنے پر کھڑا نہیں ہوتا' بلکہ بیل کی شکل میں پھیلتا ہے' جیسے کدو' تربوز' ککڑی وغیرہ۔''یقطین'' کے بارے میں ہمارے ایک دوست جناب احمد الدین مارہروی مرحوم کی تحقیق ماہنامہ میثاق (فروری ۱۹۸۰ء) میں شائع ہوئی تھی۔☆ موصوف کا تعلق کراچی سے تھا' محکمہ تعلیم میں ملازم تھے اور اسی ملازمت کے دوران وہ مکران میں بھی رہے۔ میثاق کے مستقل قاری تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے' بہت نیک انسان تھے۔انہوں نے لکھا ہے کہ مکران کا ساحل طبعی طور پر ساحلِ عراق سے مشابہ ہے۔ وہاں پر انہوں نے ایک بیل نما پودا دیکھا جسے مقامی زبان میں ''اَگین'' کہا جاتا ہے۔اس پودے کے پتے بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔اس پر گول کدو کی شکل کا پھل لگتا ہے جو جسامت میں تربوز کے برابر اور مزے میں ککڑی جیسا ہوتا ہے۔اس میں شیرینی بھی ہوتی ہے اور پانی کا جزو تو بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس کی بیل زمین پر دور دور تک پھیلی ہوتی ہے جس کے اندر بیک وقت دو چار آدمی اپنے آپ کو بخوبی چھپا سکتے ہیں۔پتے نہایت چکنے اور ملائم ہوتے ہیں جو نیچے نرم و نازک گدوں اور اوپر اوڑھنے کے لیے ریشمی چادر کا کام دیتے ہیں۔تری اور خنکی اتنی

☆ محولہ بالا مضمون ''شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ'' بعد ازاں حکمت قرآن کے شمارہ فروری ۱۹۹۹ء میں اور پھر مئی ۲۰۰۶ء میں مکرر شائع ہوا تھا۔(مرتب)

ہوتی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اندر چھپے ہوئے انسان کو تکلیف نہیں دے سکتیں۔ اس کے پتوں میں قدرتی طور پر کوئی اینٹی بیکٹیریا مادہ بھی پایا جاتا ہے' جس کی وجہ سے حشرات الارض حتیٰ کہ سانپ اور بچھو بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ جناب احمد الدین مارہروی مرحوم کا خیال تھا کہ یہ وہی پودا ہے جس کا ذکر قرآن میں ''یقطین'' کے نام سے ہوا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اہلِ مکران کی زبان مسخ شدہ فارسی ہے' لیکن اس میں دوسری زبانوں بالخصوص عربی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ لسانی اور صوتی اعتبار سے یہ بات قرین قیاس ہے کہ یقطین کی ''ق'' مقامی زبان کی ''گ'' سے بدل گئی ہو (جیسے سعودی عرب میں بھی آج کل عوام ''قُم'' کو ''گُم'' ہی بولتے ہیں)، ''ی'' الف سے بدل گئی ہو اور ''ط'' کثرتِ استعمال سے حذف ہو گیا ہو۔ اس طرح ہوتے ہوتے اس لفظ نے ''اَگین'' کی صورت اختیار کر لی ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس بیل کی صورت میں حضرت یونس علیہ السلام کے لیے anti septic ماحول' سایہ' غذائیت اور مٹھاس سے بھرپور پھل کی صورت میں تینوں بنیادی ضرورتیں پوری کر دیں۔

آیت ۱۴۷ ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''پھر ہم نے اس کو بھیج دیا ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔''

یعنی صحت یاب ہو جانے کے بعد آپؑ کو دوبارہ رسالت کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ قرآن میں اس حوالے سے کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ دوبارہ آپؑ کو اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا یا کسی اور قوم کی طرف۔ لیکن گمانِ غالب یہی ہے کہ آپؑ دوبارہ اپنی ہی قوم میں مبعوث ہوئے اور اس آیت میں آپؑ ہی کی قوم کی تعداد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ بہرحال سورۂ یونس میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ کی قوم کی توبہ قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا تھا۔ سورۂ یونس کی آیت ۹۸ میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ یہ استثناء صرف قومِ یونس ہی کو حاصل ہے۔ یعنی پوری انسانی تاریخ میں واحد مثال ہے کہ عذاب کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد آپؑ کی قوم کی توبہ قبول کر لی گئی۔

آیت ۱۴۸ ﴿فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''تو وہ ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں متاعِ دُنیوی عطا کر دی ایک خاص وقت تک۔''

یعنی ان کی توبہ اور ایمان کے بعد انہیں بقا کی ایک نئی مہلت (fresh lease of existance) دے دی گئی۔

آیات ۱۴۹ تا ۱۸۲

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنٰتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا
بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۙ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۙ﴿١٥٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا
تَعْبُدُونَ ۙ﴿١٦١﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِينَ ۙ﴿١٦٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ
مَعْلُومٌ ۙ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّونَ ۚ﴿١٦٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿١٦٦﴾ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ۙ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ
عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ۙ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾
وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۖ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۖ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ
الْغٰلِبُونَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِينٍ ۙ﴿١٧٤﴾ وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِينٍ ۙ﴿١٧٨﴾
وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۚ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٨٢﴾ ع

آیت ۱۴۹ ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿١٤٩﴾﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے پوچھیں، کیا تمہارے ربّ کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے!“

یہاں مشرکینِ مکّہ کے اس عقیدے پر جرح کی جارہی ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی یہ لوگ خود اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں لیکن جب یہ لوگ اللہ سے اولاد منسوب کرتے ہیں تو اس کے لیے بیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

آیت ۱۵۰ ﴿أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُونَ ﴿١٥٠﴾﴾ ”کیا واقعی ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تھا اور وہ اس کے گواہ ہیں؟“

کیا یہ آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں؟

آیت ۱۵۱، ۱۵۲ ﴿أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿١٥٢﴾﴾ ”خبردار! یقیناً یہ لوگ جھوٹ گھڑ کر کہتے ہیں، کہ اللہ کے اولاد ہوئی اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔“

آیت ۱۵۳ ﴿أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿١٥٣﴾﴾ ”کیا اُس نے بیٹیاں پسند کرلیں بیٹوں کو چھوڑ کر!“

آیت ۱۵۴ ﴿مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾﴾ ”تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟“

آیت ۱۵۵ ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾﴾ ”کیا تم ہوش سے کام نہیں لیتے؟“

آیت ۱۵۶ ﴿أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿١٥٦﴾﴾ ”کیا تمہارے پاس کوئی واضح سند موجود ہے؟“

آیت ۱۵۷ ﴿فَأْتُوا بِكِتٰبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٥٧﴾﴾ ”تو لاؤ تم اپنی کتاب اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!“

آیت ۱۵۸ ﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ﴾ ''اور انہوں نے تو اللہ کے اور جنوں کے درمیان بھی نسبی رشتہ قائم کر دیا ہے۔''

﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴾ ''حالانکہ جنوں کو خوب معلوم ہے کہ وہ تو گرفتار کر کے حاضر کیے جائیں گے۔''

آیت ۱۵۹ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ ''اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

آیت ۱۶۰ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ ''سوائے اللہ کے ان بندوں کے جو خالص کر لیے گئے ہیں۔''

اللہ کے وہ بندے جنہیں اللہ نے چن لیا ہے' چاہے وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے' وہ قیامت کے دن کی پکڑ سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

آیت ۱۶۱ ﴿فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ ''پس تم اور جن کو تم پوجتے ہو۔''

آیت ۱۶۲ ﴿مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴾ ''تم اللہ کے خلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے ہو۔''

آیت ۱۶۳ ﴿اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴾ ''سوائے اُس کے جو خود جہنم میں گرنے والا ہو۔''

یہاں سے آگے چند آیات میں فرشتوں کی گفتگو کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے اِن آیات کا ربط سورت کی ابتدائی آیات سے ملتا ہے۔ ابتدائی آیات میں فرشتوں کا ذکر اس طرح ہوا تھا: ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾﴾ ''قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو قطار در قطار صفیں باندھے حاضر رہتے ہیں۔ پھر قسم ہے ان کی جو ڈانٹنے والے ہیں۔ پھر قسم ہے ان کی جو تلاوت کرنے والے ہیں ذکر کی''۔ اب ان ہی فرشتوں کی باہمی گفتگو نقل کی جا رہی ہے:

آیت ۱۶۴ ﴿وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ ''اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اُس کے لیے ایک مقام مقرر ہے۔''

اس کو یوں سمجھیں کہ جس طرح بادشاہوں کے درباروں میں تمام مقربین و مصاحبین میں سے ہر ایک کا کوئی خاص عہدہ' مقام اور مرتبہ مقرر ہوتا تھا۔ ان میں کوئی پنج ہزاری ہوتا تھا تو کوئی دس ہزاری اور کوئی تیس ہزاری۔ اسی طرح اللہ کے حضور فرشتوں کے بھی الگ الگ مراتب ہیں' جیسے ملائکہ مقربین' ملأ اعلیٰ' ملائکہ دنیا' ملائکہ اسفل وغیرہ۔ یہاں فرشتوں کا قول نقل ہوا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے' اور ہم میں سے جس کا جو درجہ اور مرتبہ مقرر ہے ہم اس سے ذرہ برابر بھی تجاوز کرنے کی مجال نہیں رکھتے۔

آیت ۱۶۵ ﴿وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴾ ''اور ہم تو سب کے سب صفیں باندھے کھڑے رہتے ہیں۔''

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور صف بستہ مستعد کھڑے رہتے ہیں۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾ ''اور ہم تو سب کے سب (اپنے ربّ کی) تسبیح کرنے والے ہیں۔''

آیت ۱۶۷ ﴿وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴾ ''اور یہ لوگ تو کہا کرتے تھے''

آیت ۱۶۸ ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ''کہ اگر ہمارے پاس بھی پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی''

یعنی جس طرح پہلی قوموں کے پاس ’’ذکر‘‘ آیا تھا‘ اگر ہمارے پاس بھی آیا ہوتا‘ ہم پر بھی کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی:

آیت ۱۶۹ ﴿لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ’’تو ضرور ہم اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے۔‘‘

آیت ۱۷۰ ﴿فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ’’مگر (اب وہ ذکر آ گیا ہے تو) انہوں نے اس کا انکار کر دیا‘ تو عنقریب یہ جان جائیں گے۔‘‘

قرآن کے انکار اور کفر کی پاداش میں ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے وہ عنقریب اسے خود دیکھ لیں گے۔

آیت ۱۷۱ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ’’اور ہماری یہ بات پہلے سے طے شدہ ہے اپنے ان بندوں کے لیے جن کو ہم (رسول بنا کر) بھیجتے رہے ہیں۔‘‘

یہ آیات فلسفۂ قرآنی اور اللہ تعالیٰ کے ایک خاص قانون کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ اس قانون کے تحت مرسلین کے لیے یقینی مدد کا وعدہ ہے‘ لیکن یہ وعدہ صرف رسولوں کے لیے ہے۔ اس ضمن میں نبیوں اور رسولوں کے مابین فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ایک نبیؑ کے لیے لازم نہیں تھا کہ اس کے لیے اللہ کی مدد ضرور ہی آتی اور اسے ہر صورت میں غلبہ عطا کیا جاتا‘ بلکہ نبیوں کو تو قتل بھی کیا جاتا رہا۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن رسولوں کے بارے میں یہ بات طے تھی کہ وہ نہ تو قتل ہوں گے اور نہ ہی مغلوب۔ چنانچہ جیسے ہی کسی رسولؑ کے مخالفین اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے اور رسولؑ کے مغلوب ہونے کا امکان پیدا ہوتا تو اللہ کی فیصلہ کن مدد آ جاتی۔ اس کے بعد رسولؑ اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا جاتا اور ان کے مخالفین کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔

آیت ۱۷۲ ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾﴾ ’’کہ ان کی لازماً مدد کی جائے گی۔‘‘

یعنی رسولوں کی ضرور مدد کی جائے گی اور وہ لازمی طور پر غالب ہو کر رہیں گے۔ آیت کے ترجمے میں اگرچہ مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے‘ لیکن اصل میں تو اللہ تعالیٰ کے اس قاعدے اور قانون پر عمل ماضی میں ہوتا رہا ہے اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

آیت ۱۷۳ ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾﴾ ’’اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔‘‘

یہاں اللہ کے لشکر سے ’’حزب اللہ‘‘ (رسولؑ اور اس کے ساتھی) مراد ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے حواری اپنے دور کے حزب اللہ تھے اور محمدؐ رسول اللہ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ (الفتح: ۲۹) اپنے دور کے حزب اللہ تھے۔

آیت ۱۷۴ ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾﴾ ’’تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان سے ذرا رخ پھیر لیجیے ایک وقت تک کے لیے۔‘‘

آپؐ ان کی مخالفت کی پروانہ کریں اور ان کی استہزائیہ باتوں سے اعراض کریں۔

آیت ۱۷۵ ﴿وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾﴾ ’’اور آپؐ انہیں دیکھتے رہیے‘ پس عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔‘‘

یعنی آپ ذرا انتظار کیجیے' یہ لوگ اپنی شکست اور آپ کی فتح خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

آیت ۱۷۶ ﴿اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں؟''

آیت ۱۷۷ ﴿فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾ ''تو جب وہ نازل ہو گا ان کے میدان میں تو وہ بہت بری صبح ہو گی ان لوگوں کی جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا۔''

''سَاحَۃ'' خیموں کے درمیان کھلی جگہ یا گھروں کے درمیان کھلے میدان کو کہا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں عام طور پر آبادی کے درمیان میں ایک بڑا پارک ہوتا ہے۔

آیت ۱۷۸ ﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۱۷۸﴾﴾ ''اور آپؐ رخ پھیر لیجیے ان کی طرف سے ایک وقت تک کے لیے۔''

یہاں حضور ﷺ کو دوبارہ ان سے اعراض کرنے کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ نہ تو ان کے کفر و انکار سے رنجیدہ ہوں اور نہ ہی ان کے انجام کے بارے میں فکرمند ہوں۔ قرآن میں اس حوالے سے آپؐ کو مخاطب کر کے بار بار فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ کہ آپؐ ان کے معاملے میں بالکل رنجیدہ نہ ہوں اور سورۃ الشعراء میں تو بہت ہی پُرزور انداز میں فرمایا گیا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔''

آیت ۱۷۹ ﴿وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾ ''اور آپ دیکھتے رہیے' عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔''

آیت ۱۸۰ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾﴾ ''پاک ہے آپؐ کا ربّ' عزت اور اقتدار کا مالک' ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

یَصِفُوْنَ کا مادہ و ص ف ہے اور اسی مادہ سے لفظ ''صفت'' مشتق ہے۔ اس لفظی مادہ کے حوالے سے یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ اس سے مشتق مختلف الفاظ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور خوبی بیان کرنے کے لیے احادیث میں تو آئے ہیں لیکن قرآن میں ایجابی اور مثبت طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے اس مادہ سے کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام آئے ہیں اور اس حوالے سے یہ بھی فرمایا گیا: ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ (الحشر: ۲۴)' لیکن لفظ ''صفت'' (یا و ص ف کے مادہ سے مشتق کسی لفظ) کے استعمال سے صراحتاً اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت قرآن میں بیان نہیں ہوئی۔ اس مادہ سے قرآن میں جو بھی الفاظ (یصفون وغیرہ) استعمال ہوئے ہیں وہ لوگوں کے حوالے سے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے جو اوصاف بیان کر رہے ہیں اور اللہ کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہیں اللہ اس سے پاک اور بلند و برتر ہے۔

آیت ۱۸۱ ﴿وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾﴾ ''اور سلام ہو تمام رسولوں پر۔''

آیت ۱۸۲ ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾﴾ ''اور کُل حمد اور تمام شکر اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

واضح رہے کہ لفظ ''ربّ'' میں مالک اور پروردگار دونوں معانی موجود ہیں۔

بیان القرآن

سُوْرَةُ صٓ

(۳۸)

سُورۃ صٓ

تمہیدی کلمات

سورۂ صٓ قرآن حکیم کی ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز ایک ''حرفِ مقطعہ'' سے ہوتا ہے۔ باقی دو سورتیں سورۂ قٓ اور سورۂ نٓ ہیں۔ سورۂ صٓ کا تعلق مکی سورتوں کے جس گروپ سے ہے اس میں شامل تمام سورتوں کا مرکزی مضمون ''توحید'' ہے۔ سورۂ قٓ ان دو گروپس کی ابتدائی سورت ہے جن میں شامل سورتوں کا مرکزی مضمون آخرت اور انذارِ آخرت ہے' جبکہ سورۂ نٓ (سورۃ القلم) بالکل ابتدائی دور کی سورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۶

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ
الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵
وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ
فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ
الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۣ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ
مَّا هُنَالِکَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲
وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْکَةِ ۭ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
عِقَابِ ۝۱۴ وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝۱۵ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا ع ۱۴/۱
قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۶

آیت ۱ ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱﴾ ''صٓ' قسم ہے اس قرآن کی جو ذکر والا ہے۔''

یہاں پر پہلے حرف یعنی صٓ پر آیت مکمل نہیں ہوئی بلکہ یہ حرف پہلی آیت کا حصہ ہے۔ اسی طرح سورۂ قٓ اور سورۂ نٓ کے آغاز میں بھی ایک ایک حرف ہے اور ان دونوں سورتوں میں بھی ایسا ہی ہے کہ اکیلا حرف پہلی

آیت کا حصہ ہے نہ کہ الگ مستقل آیت۔ البتہ کئی سورتوں میں آغاز کے دو حروف پر آیت مکمل ہو جاتی ہے۔ مثلاً طٰہٰ، یٰسٓ اور حٰمٓ مستقل آیات ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ایسی سورتیں بھی ہیں جن کے آغاز میں تین تین حروف مقطعات ہیں لیکن وہ حروف الگ آیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ پہلی آیت کا حصہ ہیں۔ مثلاً الٓرٰ۔ اس کے برعکس بہت سی سورتوں کے آغاز میں تین حروف مقطعات ایک مکمل آیت کے طور پر بھی آئے ہیں، مثلاً الٓمٓ۔ یہاں ان مثالوں سے دراصل یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن کے یہ معاملات توقیفی (حضور ﷺ کے بتانے پر موقوف) ہیں، کسی کے اجتہاد یا گرامر کے کسی اصول سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ ''بیان القرآن'' کے آغاز میں تعارفِ قرآن کے عنوان کے تحت اس موضوع کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

جہاں تک سورۃ صٓ کی پہلی آیت کے مضمون کا تعلق ہے اس میں ''ذکر والے'' قرآن کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس سے پہلے ہم کئی ایسی آیات بھی پڑھ چکے ہیں جن میں قرآن کو ''الذِّکر'' یا ''ذِکر'' کہا گیا ہے۔ سورۃ الحجر کی یہ آیت اس حوالے سے بہت اہم ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾﴾ ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے، اس میں تمہارا ذکر ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!'' بہر حال ''ذکر'' کے معنی یاددہانی کے ہیں۔ اس لحاظ سے آیت زیر مطالعہ میں القرآن ذی الذکر کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآن یاددہانی (reminding) کا حامل ہے، یاددہانی سے معمور ہے۔

قرآن کی قسم کے بارے میں یہاں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس قسم کا ''مقسم علیہ'' محذوف ہے۔ یعنی ذکر والے قرآن کی قسم کس بات پر کھائی گئی ہے، اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت قبل ازیں سورۃ یٰسٓ کی آیت ۳ کے تحت یوں کی جا چکی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی قرآن کی قسم کے بعد اس قسم کا مقسم علیہ محذوف ہے، ان تمام مقامات پر سورۃ یٰسٓ کی آیت ۳ ہی کو ان تمام قسموں کا مقسم علیہ تصور کیا جائے گا۔ سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں قرآن کی قسم اور اس قسم کے مقسم علیہ کا ذکر یوں ہوا ہے: ﴿یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾﴾ ''یٰسٓ، قسم ہے قرآن حکیم کی (کہ اے محمد ﷺ) یقیناً آپ مرسلین میں سے ہیں''۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے بعد بھی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کے کلمات کو محذوف مانتے ہوئے پورے جملے کا مفہوم یوں تصور کیا جائے گا: ''اے محمد (ﷺ) یہ ذکر والا قرآن گواہ ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔''

آیت ۲ ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾﴾ ''لیکن جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے وہ غرور اور ضد میں مبتلا ہیں۔''

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ضدم ضِدا ایک موقف اختیار کر لیا ہے اور اب غرور اور جھوٹی اَنا کی وجہ سے اس پر اَڑے ہوئے ہیں۔

آیت ۳ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''کتنی ہی قوموں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے'' ﴿فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾﴾ ''تو (عذابِ الٰہی کے وقت) وہ لگے چیخنے چلّانے، حالانکہ تب

خلاصی کا وقت نہیں رہا تھا۔“

اللہ تعالیٰ کے قاعدے اور قانون کے مطابق کسی شخص کی موت کے آثار ظاہر ہونے کے بعد اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی قوم پر عذاب کے آثار ظاہر ہو جائیں تو اس وقت ان لوگوں کی اجتماعی توبہ انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اس قانون سے پوری انسانی تاریخ میں صرف قومِ یونسؑ کو استثناء ملا تھا، جس کا ذکر سورۂ یونس کی آیت ۹۸ میں آیا ہے۔

آیت ۴ ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ﴾ ”اور انہیں بڑا تعجب ہوا ہے کہ ان کے پاس آیا ہے ایک خبر دار کرنے والا ان ہی میں سے“

﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴﴾ ”اور کافر کہتے ہیں کہ یہ ساحر ہے، کذاب ہے۔“

یہ بہت سخت الفاظ ہیں، لیکن قرآن نے مشرکینِ مکّہ کے قول کے طور پر انہیں جوں کا توں نقل کیا ہے۔ ان الفاظ سے دراصل حضور ﷺ کی مخالفت کی اس کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے جو اس سورت کے نزول کے وقت مکہ کے ماحول میں پائی جاتی تھی۔ اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے یہ معلومات اپنے حافظے میں پھر سے تازہ کر لیں کہ مکی سورتوں کے پچھلے گروپ کی آٹھ سورتیں (الفرقان تا السجدۃ) اور زیر مطالعہ گروپ کی تیرہ سورتیں (سبا تا الاحقاف) ۴ نبویؐ سے ۸ نبویؐ کے زمانے میں نازل ہوئیں۔ ان میں سے سورۃ الصّٰفّٰت البتہ اس دور کی سورت نہیں ہے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آیات (پانچ رکوعوں میں ۱۸۲ آیات ہیں اور ایک رکوع میں ۵۳ آیات بھی ہیں) اور تیز ردھم سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کی سورت ہے۔ بہر حال ان سورتوں کا نزول جس دور (۴ تا ۸ نبویؐ) میں ہوا، اس دور میں حضور ﷺ کی مخالفت بہت شدت اختیار کر چکی تھی اور اسی نسبت سے آپؐ پر ہونے والے حملوں کی نوعیت میں بھی تبدیلی آ چکی تھی۔ ابتدا میں تو اکثر لوگوں نے آپؐ کی باتوں پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپؐ کی شان میں گستاخی کرتا تو وہ آپؐ کو مجنون وغیرہ کہہ دیتا، بلکہ ابتدا میں تو بعض لوگوں کے ہاں اس حوالے سے آپؐ کے ساتھ ہمدردی کا انداز بھی پایا جاتا تھا۔ اُس وقت بعض لوگ تو واقعی سمجھتے تھے کہ غارِ حرا میں راتیں گزارنے کی وجہ سے آپؐ پر کوئی آسیب وغیرہ آ گیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ نے آپؐ سے بہت ہمدردی کے انداز میں کہا تھا کہ اے میرے بھتیجے! عرب کے بہت سے کاہنوں اور عاملوں کے ساتھ میرے تعلقات ہیں، اگر تم کہو تو میں ان میں سے کسی کو بلا کر تمہارا علاج کرا دوں۔ البتہ جب مشرکین مکہ نے دیکھا کہ وہ آواز جس کو وہ محض ایک شخص کی پکار سمجھتے تھے اب گھر گھر میں گونجنے لگی ہے اور جس تحریک کو انہوں نے ایک مشتِ غبار سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا اب وہ ایک طوفان کا روپ دھار کر ان کے پورے معاشرے کو زیر و زبر کرنے والی ہے تو ان کی مخالفت میں بتدریج شدت آتی گئی۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ (سٰحِرٌ كَذَّابٌ) ایسے ہی شدید مخالفانہ جذبات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

آیت ۵ ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵﴾ ”کیا اس نے تمام معبودوں کو بس ایک معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے!“

جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے' زیر مطالعہ گروپ کی ان سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے جو اس آیت میں بڑے مؤثر اور زوردار انداز میں بیان ہوا ہے۔

آیت ۶ ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ⑥﴾ ''اور چل پڑے ان کے سردار (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو جاؤ اور جمے رہو اپنے معبودوں پر' یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض پوشیدہ ہے۔''

یہ آیت لفظی تصویر کشی (word picture) کا خوبصورت نمونہ پیش کرتی ہے۔ ان الفاظ کو پڑھنے کے بعد مکہ کے مخصوص ماحول میں ایک مجمع کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے' جس سے رسول اللہ ﷺ خطاب فرما رہے ہیں۔ مجمع میں عام لوگوں کے ساتھ قریش کے چند سردار بھی موجود ہیں۔ سب لوگ حضور ﷺ کی باتیں بڑے دھیان سے سن رہے ہیں' مگر تھوڑی دیر کے بعد ان کے سردار یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل پڑتے ہیں کہ چلو چلو یہاں سے! تم لوگ کہاں کھڑے ہو؟ کس کی باتیں سن رہے ہو؟ کیا ان کے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟ چھوڑو ان باتوں کو اور جاؤ اپنا اپنا کام کرو! اور سنو' ان باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان سب باتوں کے پیچھے ضرور ان کا کوئی مفاد پوشیدہ ہے۔ یہ دعوت تو اس غرض سے دی جارہی ہے کہ محمد (ﷺ) یہاں اپنا اقتدار قائم کر کے ہم پر حکم چلانا چاہتے ہیں۔ اس لیے تم اپنے عقائد اور اپنے معبودوں کی پرستش پر مضبوطی سے جمے رہو اور ان باتوں پر دھیان مت دو!

آیت ۷ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''ہم نے ایسی کوئی بات پچھلے دین میں تو نہیں سنی ہے۔''

آخر ہمارا بھی اپنا ایک دین ہے جو ہم نے ورثے میں پایا ہے۔ پھر ہمارے باپ دادا کی روایات ہیں جو نسل در نسل ہم تک پہنچی ہیں۔ لیکن ہم نے ایسی باتیں اس سے پہلے نہ تو اپنے باپ دادا کے دین میں سنی ہیں اور نہ ہی پرانی روایات سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦﴾ ''یہ تو نہیں ہے مگر ایک گھڑی ہوئی چیز۔''

اختلاق ''خلق'' سے باب افتعال ہے۔ یعنی یہ کوئی خواہ مخواہ بنائی ہوئی چیز ہے۔

آیت ۸ ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ۭ﴾ ''کیا اسی پر نازل ہوا ہے یہ ذکر ہمارے درمیان؟''

اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہے تو کیا یہ محمد (ﷺ) پر ہی نازل ہونا تھا' کیا اس کے لیے اللہ کو ہمارے بڑے بڑے سرداروں اور سرمایہ داروں سے کوئی ''اعلیٰ شخصیت'' نظر نہیں آئی؟

﴿بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ﴾ ''بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ میرے ذکر کے معاملے میں شک میں پڑ گئے ہیں۔''

﴿بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧﴾ ''بلکہ ابھی تک انہوں نے میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔''

اصل بات یہ ہے کہ ابھی تک انہوں نے میرے کسی عذاب کی مار نہیں چکھی' اس لیے انہیں میرے اس کلام کے بارے میں شک ہے۔

آیت ۹ ﴿اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ رَبِّكَ الۡعَزِيۡزِ الۡوَهَّابِ ۝۹﴾ ''کیا ان کے اختیار میں ہیں آپ کے رب کی رحمت کے خزانے؟ جو بہت زبردست' بہت عطا کرنے والا ہے۔''

کیا اللہ کی رحمت کے خزانوں کا اختیار ان لوگوں کے پاس ہے؟ کیا اللہ ان لوگوں سے پوچھنے کا مکلّف تھا کہ میں نبوت اور رسالت کے منصب پر کسے فائز کروں؟

آیت ۱۰ ﴿اَمۡ لَهُمۡ مُّلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۟﴾ ''کیا ان کے پاس ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اُس سب کی؟''

﴿فَلۡيَرۡتَقُوۡا فِى الۡاَسۡبَابِ ۝۱۰﴾ ''تو چاہیے کہ یہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر (آسمان پر)۔''

اگر تمہارے لیے ممکن ہے تو اپنے تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور ربّ العالمین کی رحمت کے خزانوں اور اس کے اقتدار و اختیار میں تصرف کر کے دکھاؤ!

آیت ۱۱ ﴿جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ۝۱۱﴾ ''یہ بھی ایک لشکر ہے (پہلے ہلاک کیے گئے) لشکروں میں سے' جو اَب یہاں ہلاک ہوگا۔''

اگلی آیات میں قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ لوطؑ' قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون کے عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ جو روش اختیار کر کے ماضی کی یہ اقوام ہلاکت سے دوچار ہوئیں' وہی روش اب قریشِ مکہ بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی مذکورہ اقوام جیسے انجام سے دوچار ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ۝۱۲﴾ ''ان سے پہلے جھٹلایا تھا قومِ نوحؑ' قومِ عاد اور میخوں والے فرعون نے۔''

کہا جاتا ہے کہ فرعون جب اپنے لشکروں کے ساتھ سفر کرتا تھا تو گھوڑوں اور خچروں کی ایک کثیر تعداد کو صرف خیموں کے کھونٹے اٹھانے کے لیے مختص کیا جاتا تھا' اس لیے اسے فِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ کہا گیا ہے۔ اس میں کثرتِ افواج کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡـئَيۡكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الۡاَحۡزَابُ ۝۱۳﴾ ''اور قومِ ثمود' قومِ لوطؑ اور بَن والوں (قومِ شعیبؑ) نے' یہ ہیں وہ (ہلاک ہونے والے) لشکر!''

یعنی یہ تمام اقوام اس سے پہلے اللہ کے رسولوںؑ کو جھٹلا کر ہلاک ہو چکی ہیں۔

آیت ۱۴ ﴿اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴﴾ ''ان سب نے ہی رسولوںؑ کی تکذیب کی' تو وہ میری سزا کے مستحق ہو گئے۔''

آیت ۱۵ ﴿وَمَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ۝۱۵﴾ ''اور یہ لوگ بھی اب منتظر نہیں ہیں مگر صرف ایک چنگھاڑ کے جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔''

ماضی کی کئی اقوام پر اللہ کا عذاب ایک مسلسل تیز آواز اور چنگھاڑ کی صورت میں بھی آیا تھا۔ چنانچہ اگر

مشرکینِ مکہ اپنی ہٹ دھرمی پر اسی طرح قائم رہے تو ایسا ہی کوئی عذاب ان پر بھی آ سکتا ہے۔ آج کی سائنس بھی تصدیق کرتی ہے کہ صوتی لہریں (sound waves) چونکہ انرجی ہی کی ایک قسم ہے‘ اس لیے ایک انتہائی زور دار آواز کسی بھی مادی نظام کو درہم برہم کرنے اور ماحول میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اگر کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہے تو یہ کام وہ صرف ایک زوردار آواز سے ہی کر سکتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں جلدی دے دے‘ یومِ حساب سے پہلے۔''

یعنی تو ہمارا حساب روزِ حساب سے پہلے ہی چکا دے! قِطّ کے معنی حصہ بھی ہیں اور یہ حساب کے رجسٹر (چٹھا) کے لیے بھی بولا جاتا ہے‘ جس میں کسی کاروبار کی آمدن اور خرچ کا سالانہ حساب کتاب لکھا جاتا ہے اور اس سے اس کاروبار کی سالانہ بچت یا نقصان کا پتا چلتا ہے۔

یہ بات مشرکین مکہ استہزائیہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ یہ جو محمد (ﷺ) ہمیں ڈراتے رہتے ہیں کہ ہمیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا‘ پھر ہمارے ایک ایک عمل کا حساب ہو گا اور اس کے بعد ہمیں سزا دی جائے گی‘ تو اے ہمارے پروردگار! اس کے لیے یومِ حساب ہی کا انتظار کیوں؟ یہ کام ابھی کیوں نہ ہو جائے! اس لیے بہتر ہو گا کہ تو ہمارا حساب کتاب ابھی کر لے اور ہمارا چٹّھا (Balace Sheet) ابھی اسی زندگی میں ہی ہمارے ہاتھ میں تھما دے۔

آیات ۱۷ تا ۲۶

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ
يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ
دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ
بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَاۗءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ
نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ
بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ
وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا السجدة
جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ
الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۲

آیت ۱۷ ﴿اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ صبر کیجیے اس پر جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں''
﴿وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور آپؐ تذکرہ کیجیے ہمارے بندے داوٗد کا جو بہت قوت والا تھا' بے شک وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

آیت ۱۸ ﴿اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿۱۸﴾﴾ ''ہم نے تو اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا' جو اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے شام کو بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

آیت ۱۹ ﴿وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور پرندے بھی' جو کہ جمع کر دیے جاتے تھے۔ یہ سب کے سب اُس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔''

یعنی حضرت داوٗد علیہ السلام' پہاڑ اور پرندے سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے' یا یہ کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داوٗدؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور پھر حضرت داوٗدؑ ان سب کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس طرح وہ سب مل کر حضرت داوٗدؑ کی آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد کے ترانے الاپتے تھے۔

آیت ۲۰ ﴿وَشَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور ہم نے اُس کی حکومت کو خوب مضبوط کیا تھا' اور ہم نے اُسے حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بھی۔''

یعنی ایسی واضح' فیصلہ کن اور دوٹوک بات جو تمام مخاطبین و متعلقین کے لیے موجبِ اطمینان ہو۔

اب آگے اس سورت میں چند ایسے واقعات کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ دراصل ان واقعات کا بیان یہاں اشاروں کنایوں میں ہوا ہے۔ تفصیلات کی تحقیق کے لیے اگر ہم تورات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں ان واقعات کے حوالے سے جو معلومات ملتی ہیں وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے شایانِ شان نہیں۔ یوں ہمارے لیے شش و پنج کی سی صورتِ حال بن جاتی ہے۔ بہر حال ان واقعات کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہاں خطا یا لغزش کا کوئی معاملہ ہوا ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رسل علیہم السلام معصوم تھے' لیکن انسان تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان میں کبھی غلطی کا رجحان ہی پیدا نہ ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ فرشتے ہوتے' انسان نہ رہتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندے ہونے کے سبب تمام انبیاء و رسل علیہم السلام ہر وقت اللہ کی حفاظت میں رہتے تھے۔ خود حضور ﷺ کی زندگی میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً کتب سیرت میں حضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جوانی میں (ظہورِ نبوت سے پہلے) دو مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؐ نے کسی میلے میں جانے کا ارادہ کیا۔ عرب میں ہر سال بہت سے ایسے میلے لگتے تھے جن میں فحش گوئی اور لہو و لعب کا سامان بھی ہوتا تھا اور بے ہودہ مشاعرے بھی سجائے جاتے تھے۔ ان میلوں میں عکاظ کا بازار بہت مشہور تھا جو ہر سال خصوصی اہتمام سے سجتا تھا اور اس میں شرکت کے لیے پورے عرب سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ روایات کے مطابق آپ ﷺ نے دو مرتبہ ایسے کسی بازار یا میلے میں جانے کا ارادہ فرمایا' مگر دونوں مرتبہ ایسا ہوا کہ راستے میں جہاں آپؐ آرام کے لیے رکے' وہاں آنکھ لگ گئی اور پھر ساری رات سوتے میں ہی گزر گئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اس لہو و لعب میں شریک

ہونے سے آپ کو کلیۃً محفوظ رکھا۔ اگرچہ یہ دونوں واقعات حضور ﷺ کے منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کے ہیں' لیکن ایک نبی تو پیدائشی طور پر ہی نبی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ))(1) ''میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ کی روح ابھی ان کے جسد میں نہیں پھونکی گئی تھی''۔ یعنی عالمِ اَرواح میں بھی حضور ﷺ کی روح مبارک کی ایک خصوصی امتیازی شان تھی۔ بہرحال آپؐ کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا لیکن آپؐ بچپن سے ہی براہِ راست اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے اور اس حفاظت کا مطلب یہی ہے کہ بشری سطح پر اگر کبھی کوئی غلط ارادہ پیدا ہو بھی گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل کی نوبت نہ آنے دی۔

آئندہ آیات میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کی جو تفصیل محرف شدہ تورات میں ملتی ہے اس میں حضرت داوٗد علیہ السلام پر بہت شرمناک الزامات عائد کیے گئے ہیں' جو عصمتِ انبیاءؑ کے یکسر منافی ہیں۔ قرآن حکیم کے اشارات سے اصل بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی بہت سی بیویاں تھیں (واضح رہے کہ چار بیویوں کی پابندی شریعتِ محمدیؐ میں ہے' اس سے قبل ایسی کوئی پابندی نہیں تھی)۔ اس کے باوجود آپؑ کے دل میں ایک ایسی عورت سے نکاح کی رغبت پیدا ہوئی جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس پر متنبہ فرمایا اور اس سے روکنے کی ایک صورت پیدا فرما دی۔

آیت ۲۱ ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ ''اور کیا آپ کے پاس خبر آئی ہے جھگڑنے والوں کی؟''

یہ ایک مقدمہ تھا جو دو دعویداروں نے فیصلے کے لیے حضرت داوٗد علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾﴾ ''جب وہ دیوار پھلانگ کر محراب میں داخل ہو گئے۔''

حضرت داوٗد علیہ السلام تنہائی میں محوِ عبادت تھے کہ دو اشخاص اچانک آپؑ کے حجرے میں آ دھمکے۔

آیت ۲۲ ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ ''جب وہ داوٗدؑ کے پاس آئے تو وہ ان سے ڈرا۔''

تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود دو افراد کا آپؑ کی خلوت گاہ میں اچانک در آنا ایک انتہائی غیر معمولی واقعہ تھا۔ چنانچہ آپؑ کو بجا طور پر تشویش ہوئی کہ نہ معلوم یہ لوگ کس نیت سے آئے ہیں۔

﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں' ہم دو مخالف فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے''

عربی میں ''خصم'' سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کے بالمقابل ہو' یعنی دشمن یا مخالف فریق۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ﴾ ''تو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور آپ اسے ٹالیے نہیں''

یعنی یہ مقدمہ ہمارے لیے بہت اہم ہے اور ہم اس کا فوری طور پر فیصلہ چاہتے ہیں۔ آپؑ اسے کسی اور وقت پر نہ ٹال دیجیے گا۔

---

(۱) الاجوبة المرضية للسخاوى: ۱۶۷/۱۔ اتحاف الخيرة المهرة: ۸/۷۔ الرد على البكرى لابن تيمية: ۶۰۔ مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية: ۱۴۷/۲ راوى: ميسرة الفجر رضی اللہ عنہ

﴿وَاهۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور سیدھی راہ کی طرف ہماری راہنمائی کیجیے۔''
ہمارے بیانات سن کر آپؑ ہمیں درست لائحہ عمل اختیار کرنے کی ہدایت فرمائیں۔ چنانچہ ان میں سے جو مدعی تھا اس نے اپنا مقدمہ اس طرح پیش کیا:

آیت ۲۳ ﴿اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیۡ ۟ لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِیَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟﴾ ''یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میری ایک ہی دنبی ہے۔''
اگر ہم اس کی توجیہہ تورات کے مطابق کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدعی نے کنائے کے انداز میں بات کی۔ وہ دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ میری ایک ہی بیوی ہے جبکہ میرے مخالف کی ننانوے بیویاں ہیں۔
﴿فَقَالَ اَکۡفِلۡنِیۡهَا وَعَزَّنِیۡ فِی الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾﴾ ''اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دو' اور گفتگو میں اس نے مجھے دبا لیا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ﴾ ''داؤدؑ نے کہا کہ یہ تو واقعتاً اس نے بہت ظلم کیا ہے' تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے۔''
﴿وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ﴾ ''اور یقیناً مشترک معاملہ رکھنے والوں میں سے اکثر ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں''
قریبی رشتہ داروں کے باہمی اشتراک کو پنجابی میں ''شریکا'' کہا جاتا ہے اور شریکے والوں میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جس کسی کو جہاں موقع ملتا ہے وہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرنے میں نہیں چوکتا۔
﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیۡلٌ مَّا هُمۡ ؕ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو صاحبِ ایمان اور نیک عمل والے ہوں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔''
﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ ''اور داؤدؑ کو اچانک خیال آیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے''
حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ ان دو اشخاص کا ان کے پاس آنا اور آ کر مقدمہ پیش کرنا اللہ کی طرف سے تھا اور اللہ نے یہ ساری صورت حال انہیں متنبہ کرنے کے لیے پیدا فرمائی تھی۔
﴿فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾﴾ ''تو اُس نے (فوراً) اپنے رب سے استغفار کیا اور اُس کے حضور جھک گیا پوری طرح متوجہ ہو کر۔''
رکوع کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں' لہٰذا یہاں رَاکِعًا سے رکوع بھی مراد ہو سکتا ہے اور سجدہ بھی۔
اس واقعہ کے حوالے سے جو اسرائیلی روایت دستیاب ہے اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر (قول) بھی موجود ہے جس کے مرفوع ہونے کے بارے میں کوئی واضح اشارہ یا ثبوت موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سنا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اسرائیلی روایت سنی ہو اور اسی کو بیان کر دیا ہو (واللہ اعلم)۔ بہرحال میری رائے اس حوالے سے یہی ہے کہ انبیاء کے معاملے میں بشری

تقاضوں کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۲ ہم پڑھ چکے ہیں، جس میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا ہے: ﴿لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِہِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَکَ حُسۡنُہُنَّ﴾ ''اس کے بعد اب مزید عورتیں آپؐ کے لیے (نکاح میں لانا) جائز نہیں اور نہ یہ کہ آپ ان کی جگہ دوسری بیویاں بدل لیں اگرچہ ان کا حسن آپ کو کتنا ہی پسند ہو!'' ان الفاظ میں حضور ﷺ کی خواہش کے امکان کا ذکر بہت واضح انداز میں ملتا ہے کہ اگر آپؐ کی طبیعت میں کسی خاتون سے نکاح کرنے کے بارے میں آمادگی پیدا ہو بھی جائے تو بھی آپؐ ایسا نہ کریں۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء انسان تھے اور اُن کی شخصیات میں انسانی و بشری تقاضے بھی موجود تھے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ معصوم تھے۔ اس لیے کہ اگر کبھی کسی بشری تقاضے کے تحت کسی نبی کو کوئی ایسا خیال آتا بھی تھا جو کہ نہیں آنا چاہیے تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا اور اس خیال کی تکمیل کی صورت پیدا نہیں ہونے دیتا تھا۔ اسی کا نام عصمتِ انبیاءؑ ہے۔

آیت ۲۵ ﴿فَغَفَرۡنَا لَہٗ ذٰلِکَ ؕ وَ اِنَّ لَہٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو ہم نے اُسے معاف کر دیا۔ اور یقیناً ہمارے پاس اس کے لیے مقامِ قرب اور اچھا انجام ہے۔''

جب وہ ہمارے پاس لوٹ کر آئے گا تو ہم اسے بہت اعلیٰ مقام عطا کریں گے۔

آیت ۲۶ ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ﴾ ''(ہم نے کہا:) اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو۔''

﴿وَ لَا تَتَّبِعِ الۡہَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور دیکھو! اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔''

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ الۡحِسَابِ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو بھٹک جاتے ہیں اللہ کے راستے سے اُن کے لیے بڑا سخت عذاب ہے، بسبب اس کے کہ وہ بھول گئے حساب کے دن کو۔''

اگر حساب کا دن یاد رہے اور آخرت کی زندگی کا یقین دل میں موجود ہو تو انسان راہِ راست پر رہتا ہے۔

آیات ۲۷ تا ۲۹

وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ﴿ؕ۲۷﴾ اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۹﴾

آیت ۲۷ ﴿وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا بَاطِلًا ؕ﴾ ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو

کچھ ان دونوں کے مابین ہے' اسے بے کار پیدا نہیں کیا۔''

یہ مضمون قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱ میں تو اسی لفظ (باطل) کے ساتھ آیا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٩١﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے' پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے!'' سورۃ المؤمنون میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝١١٥﴾ ''کیا تم نے سمجھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا تھا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے!'' مطلب یہ کہ عبث اور بے کار کام کرنا اللہ کی شان سے بہت بعید ہے۔

﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝٢٧﴾ ''یہ گمان تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کفر کیا' پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں کے لیے آگ کی۔''

آیت ۲۸ ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ﴾ ''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' زمین میں فساد مچانے والوں کی طرح کر دیں گے؟''

ظاہر ہے دنیا میں کچھ لوگ نیکوکار ہیں جو اکثر بھلائی کے کاموں میں کوشاں رہتے ہیں' جبکہ کچھ لوگ بدمعاش' ظالم اور شریر ہیں جو ہر وقت بدامنی پھیلانے اور لوٹ مار کرنے میں مصروف ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر انسان کے لیے اسی دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہوتی اور آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک لوگ اور مجرمین ایک جیسے ہو جاتے۔ یوں نہ تو نیکی کے راستے پر چلنے' غلط کاریوں سے بچنے اور قدم قدم پر مشکلات برداشت کرنے والوں کو کوئی جزا ملتی اور نہ ہی ان ظالموں' قاتلوں اور لٹیروں کو کوئی سزا ملتی جو خلقِ خدا پر ظلم بھی کرتے رہے اور عیش و عشرت کے مزے بھی لوٹتے رہے۔ بلکہ ایسی صورت میں نیکوکار لوگ سخت گھاٹے میں رہتے کہ انہوں نے ساری زندگی تکلیفوں اور پابندیوں میں گزار دی اور اس کا کچھ اجر بھی انہیں نہ ملا۔ اس کے برعکس بدکردار اور بدقماش لوگ فائدے میں رہتے کہ انہوں نے عمر بھر جو چاہا کیا' نہ جائز و ناجائز کو دیکھا اور نہ ہی خود کو کبھی قانون اور اخلاقیات (scruples) کا پابند سمجھا اور پھر اس کی پاداش میں انہیں کوئی سزا بھی نہ ملی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوتا کہ یہ دنیا بے کار پیدا ہوئی ہے اور انسان کی جبلّت میں جو اخلاقی حس اور نیکی و بدی کی جو تمیز پیدا کی گئی ہے وہ بھی بے مقصد اور بے جواز ہے' کیونکہ اس تمیز اور حس کے مطابق تو نیکی کا نتیجہ اچھا اور برائی کا انجام برا ہونا چاہیے۔ اگر نظریاتی طور پر آخرت کی نفی ہو جائے تو یہ سب نتائج الٹے ہو جاتے ہیں۔

﴿اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝٢٨﴾ ''کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح کر دیں گے؟''

کیا ہم اپنے متقی بندوں کو ان فاسقوں اور فاجروں کے برابر کر دیں گے؟

آیت ۲۹ ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بہت بابرکت ہے''

عربی میں اَلْبَرَکَۃ کسی چیز میں سے اُس کے خیر کو نکالنے والے عامل کو کہتے ہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے ایک

ایسے شخص کی مثال لیں جس کے اندر بِالقُوّہ (potentially) کوئی مثبت صلاحیت یا اہلیت موجود ہے مگر چونکہ اس کی وہ صلاحیت غیر فعال (dormant) ہے اس لیے نہ تو اسے اس کا شعور ہے اور نہ ہی وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی واقعہ یا کسی دوسرے شخص کا کوئی عمل یا کسی کی کوئی نصیحت اسے اس صلاحیت کا احساس دلا دے اور وہ اسے بروئے کار لانا شروع کر دے تو وہ واقعہ یا عمل گویا اس کے لیے برکت کا باعث بن گیا۔ اسی مفہوم میں بارش کے پانی کو قرآن میں مَآءً مُّبٰرَکًا (ق:۹) کہا گیا ہے۔ اس پانی کی برکت کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں۔ زمین میں روئیدگی کی صلاحیت تو بالقوہ (potentially) موجود ہے مگر خشک اور بے آب و گیاہ زمین میں مختلف قسم کے بے شمار بیج خُفتہ (dormant) حالت میں بیکار پڑے رہتے ہیں۔ جب بارش کا پانی اس زمین کو سیراب کرتا ہے تو اس کے اندر جذب کا عمل (osmosis) شروع ہوتا ہے۔ اس عمل کی وجہ سے اس کے اندر موجود بیجوں کی قوتِ نمو کو انگیخت ملتی ہے، زمین کی خفتہ قوت یا صلاحیت بھی فعال ہو جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں طرح طرح کے نباتات اُگنے لگتے ہیں۔ تو اس طرح گویا خشک زمین کے لیے بارش کا پانی مبارک یا باعث برکت ثابت ہوا۔

لفظ بَرَکَة سے متعلق اس وضاحت کی روشنی میں آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یوں ہوگا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو انسانی روح کی نشو و نما کے لیے غذا فراہم کرتی ہے اور روح کے اندر موجود خیر اور نیکی کی غیر فعال (dormant) صلاحیت کو انگیخت دے کر اسے عمل صالح کے صدور کے قابل بناتی ہے۔ علامہ اقبالؔ نے انسان کو اس کی روح کی اہمیت کا احساس ان الفاظ میں دلایا ہے:

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں — غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

﴿لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾﴾ ”تاکہ وہ اس کی آیات پر تدبر کریں اور ہوش مند لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔“

آیات ۳۰ تا ۴۰

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ
بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ
وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ
لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ
اَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا
عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾ ع ۳/۱۲

آیت ۳۰ ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ﴾ ''اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ (جیسا بیٹا) عطا کیا۔''

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۳۰﴾ ''وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا۔ بے شک وہ (ہماری طرف) بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔''

آیت ۳۱ ﴿اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۳۱﴾ ''جب اس کے سامنے پیش کیے گئے شام کے وقت عمدہ نسل کے اصیل گھوڑے۔''

اس سے پہلے ہم سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم الشان لشکروں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ کے لشکروں میں انسانوں کے علاوہ جن اور پرندے بھی تھے اور ان سب کو الگ الگ رجمنٹس (regiments) اور دستوں میں منظّم کیا گیا تھا۔ اسی طرح سوار فوج (cavalry) کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپؑ نے اپنے لشکر میں اعلیٰ نسل کے اصیل اور تیز رو گھوڑوں کے دستوں کا اہتمام بھی کر رکھا تھا اور اُس زمانے میں اصل فوجی طاقت یہی گھوڑے ہوا کرتے تھے۔ سورۃ النمل کی متعلقہ آیات کے مطالعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی افواج کے مختلف دستوں کے باقاعدہ معائنے (inspection parade) کا اہتمام بھی فرمایا کرتے تھے: ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۱۷﴾ ''اور جمع کیے گئے سلیمانؑ کے (معائنہ کے) لیے اس کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے اس طرح کہ انہیں جماعتوں میں منظّم کیا گیا تھا''۔ چنانچہ ایسے ہی کسی معائنہ کے لیے ایک سہ پہر آپؑ کے سامنے گھوڑوں کے دستے پیش کیے گئے۔ اس مصروفیت میں حضرت سلیمانؑ ایسے مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپؑ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی، جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نمازِ عصر قضا ہو گئی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں پر بایں الفاظ بددعا فرمائی تھی: ((مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا))(1) ''اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے''۔ بہرحال گھوڑوں کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نمازِ عصر قضا ہو گئی جس کا آپؑ کو بے حد افسوس ہوا۔

آیت ۳۲ ﴿فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ﴾ ''تو اُس نے کہا کہ میں نے پسند کر لیا مال کی محبت کو اپنے رب کے ذکر کے مقابلے میں!''

حُبَّ الْخَيْرِ سے مال و دولت یعنی گھوڑوں کی محبت مراد ہے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اس قدر مشغول ہو گیا کہ اپنے رب کے ذکر کو بھول گیا۔ اپنے ربّ کی یاد سے غافل ہو گیا۔

﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۳۲﴾ ''یہاں تک کہ (سورج) چھپ گیا اُوٹ میں۔''

یہاں پر تَوَارَتْ کے بعد الشَّمْس (سورج) کا لفظ گویا محذوف ہے۔

آیت ۳۳ ﴿رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۳۳﴾ ''(تو اُس نے کہا:) واپس لاؤ

---

(1) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة۔ وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب التغليظ في تفويت صلاة العصر۔

ان کو میرے پاس! تو اب وہ لگا تلوار مارنے ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر۔‘‘

یعنی آپؑ کو نماز قضا ہونے کا اس قدر افسوس تھا کہ آپؑ نے گھوڑوں کو واپس منگوایا اور شدید تاثر اور مغلوبیت کی کیفیت میں ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر تلوار سے وار کرنا شروع کر دیے۔ یہاں پر بعض مفسرین نے مَسْحًا سے ’’ہاتھ پھیرنا‘‘ مراد لے کر آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دراصل گھوڑوں کی کارکردگی سے خوش ہو کر انہیں واپس منگوایا تھا اور جب گھوڑے واپس لائے گئے تو آپؑ ان کی گردنوں اور ٹانگوں کو پیار سے سہلاتے رہے‘ یعنی ان سے اظہارِ محبت کے طور پر ان پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ لیکن آیت کے الفاظ اور سیاق وسباق کے مطابق پہلا مفہوم ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

یہاں پر اس نکتہ کی وضاحت بھی بہت ضروری ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مذکورہ عمل دراصل غلبہ حال کے تحت تھا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر تلوار پھینک کر بیٹھ گئے تھے کہ اب کس کے لیے لڑنا ہے؟ حالانکہ اُنؓ کا جہاد وقتال تو اللہ کے لیے تھا‘ نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے موقع پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلبۂ حال کے سبب تلوار کھینچ لی کہ جس کسی نے کہا کہ حضورؐ انتقال کر گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس انتہائی نازک صورتِ حال کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنبھالا۔ آپؓ نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ‘ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ’’جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور جو کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت واقع نہیں ہوگی‘‘۔ اس کے بعد آپؓ نے سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴۴)(۱)۔ بہرحال غلبۂ حال کی کیفیت میں کبھی کبھی بڑی شخصیات سے بھی غیر معمولی افعال اور غیر متوقع رویے کا صدور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنی نماز قضا ہونے کے رنج میں غلبۂ حال کی غیر معمولی کیفیت کے تحت گھوڑوں پر تلوار سے وار کرنا بعید از فہم نہیں ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اور (اسی طرح) ہم نے آزمائش میں ڈالا سلیمانؑ کو‘ اور اس کے تخت پر ہم نے ایک جسد ڈال دیا‘ پھر اُس نے رجوع کیا۔‘‘

اس واقعہ کے بارے میں ایک مرفوع حدیث موجود ہے۔ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنے سپہ سالاروں سے غصے کی کیفیت میں کہا کہ تم مت سمجھو کہ میرا اقتدار اور میری طاقت تم لوگوں کے بل پر قائم ہے۔ میں آج رات اپنی تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ان سب سے بیٹے پیدا ہوں گے جو بڑے ہو کر میرے دست بازو بنیں گے۔ لیکن آپؑ یہ کہتے ہوئے ’’ان شاء اللہ‘‘ کہنا بھول گئے۔ چنانچہ آپؑ کی تمام ازواج میں سے صرف ایک کو حمل ہوا اور اس حمل سے بھی ایک ناقصُ الخلقت بچہ پیدا ہوا جو دایہ نے لا کر

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب المغازی‘ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ابواب۔

آپؑ کے تخت پر رکھ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو بات کہی تھی اس کا شاید دربار میں چرچا بھی ہو گیا تھا' چنانچہ اس موقع پر انہیں سبکی بھی اٹھانی پڑی۔

ایسا ہی معاملہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ آپؐ سے مشرکین مکہ نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو ان کے بارے میں کل بتاؤں گا۔ مگر یہ کہتے ہوئے آپؐ ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام روزانہ ہی آپؐ کے پاس آتے تھے اور آپؐ کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ راہنمائی کے لیے وحی بھیج دیں گے' مگر اس کے بعد کئی روز تک وحی نہیں آئی۔ ظاہر ہے یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ مشرکین بار بار آپؐ کے پاس آکر مطالبہ کرتے ہوں گے اور تالیاں پیٹتے ہوں گے کہ کیا ہوا آپؐ کے علم کو؟ اور کہاں رہ گئی آپؐ کی وحی؟ پھر جب کئی روز کے بعد سورۃ الکہف نازل ہوئی تو اس میں مذکورہ سوالات کے جوابات کے ساتھ یہ آیات بھی نازل ہوئیں: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہیں کہ میں یہ کام کل ضرور کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے! اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیں اور کہیے: ہوسکتا ہے کہ میرا رب میری راہنمائی کر دے اس سے بہتر بھلائی کی طرف۔''

ایسے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کا چھوٹی چھوٹی فروگزاشتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ ہوتا ہے' جبکہ عام لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام مذکورہ بات کہتے ہوئے ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے۔ بلکہ روایت میں تو یہ بھی ہے کہ اس موقع پر فرشتے نے آپؑ کو یاد بھی کرایا مگر جذبات کی کیفیت میں آپؑ اس کا اہتمام نہ کر سکے۔ البتہ تنبیہ کے بعد پر آپؑ نے فوری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

آیت ۳۵ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾﴾ ''اُس نے دعا کی: پروردگار! مجھے معاف فرما دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لیے سزاوار نہ ہو' یقیناً تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی یہ دعا قبول فرماتے ہوئے آپؑ کو جنوں' پرندوں اور ہواؤں پر بھی حکومت عطا فرمائی اور ایسی حکومت آپؑ کے بعد پھر کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپؑ کے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو خصوصی انعامات اور احسانات فرمائے تھے ان کے بارے میں حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے جذباتِ شکر کا اظہار آپؑ کی اس دعا سے بھی ہوتا ہے: ﴿وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (النمل) ''اور اُس نے دعا کی: پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں شکر ادا کروں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے اور یہ کہ میں اچھے اعمال کروں جن سے تو راضی ہو' اور مجھے داخل کرنا اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔''

آیت ۳۶ ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾﴾ ''تو ہم نے اُس کے لیے

ہوا کو بھی مسخر کر دیا، وہ اُس کے حکم سے چلتی تھی بہت نرمی سے، جہاں کہیں کا وہ قصد کرتا۔"

ہوا کے چلنے کا رخ متعیّن کرنا بھی آپؑ کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ ہوا آپؑ کی مرضی سے آپؑ کو اور آپؑ کے سفیروں کو خشکی اور سمندر کی مسافتیں طے کراتی تھی۔

آیت ۳۷ ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝۳۷﴾ "اور سرکش جنّات کو بھی (ہم نے مسخر کر دیا تھا) سب کے سب عمارتیں بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے یہ جنّات بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے اور سمندر کی تہہ سے موتی اور دیگر اشیاء نکالتے تھے ـــــ بَنَّاء کے معنی معمار کے ہیں۔ حسن البناء شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی وجہ سے "البناء" کہلاتے تھے کہ ان کا تعلق ایک معمار خاندان سے تھا۔ عرب معاشرے میں کسی بھی پیشے کو حقیر یا باعث عار نہیں سمجھا جاتا۔ بقول غالب ؏ "پیشے کو عیب نہیں، رکھیے نہ فرہاد کو نام!" چنانچہ عربوں کے ہاں اگر کسی شخص کے آباء و اَجداد حرم میں لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے تو وہ آج بھی "سقّاء" کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا تعلق نانبائیوں کے خاندان سے ہے تو وہ "خباز" کہلوانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

آیت ۳۸ ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝۳۸﴾ "اور دوسرے جنّات کو بھی جو جکڑے ہوئے تھے زنجیروں میں۔"

یعنی کچھ جنّات کو تو آپؑ نے کام پر لگایا ہوتا تھا جبکہ بعض دوسروں کو زنجیروں میں باندھ کر رکھا جاتا تھا کہ کہیں اچانک ضرورت پڑنے پر ان سے کام لیا جا سکے۔

آیت ۳۹ ﴿هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۹﴾ "یہ ہماری عطا ہے، پس تم چاہو تو لوگوں پر احسان کرو یا اپنے پاس روکے رکھو، اس پر کوئی حساب نہیں۔"

ہم نے سلیمانؑ سے کہہ دیا تھا کہ ہم نے جو نعمتیں تمہیں عطا کر رکھی ہیں ان میں سے جو چاہو لوگوں میں تقسیم کرو اور جو چاہو اپنے پاس رکھو۔ نیز جس کو چاہو دو اور جس کو چاہو نہ دو۔ اس معاملے میں آپؑ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

آیت ۴۰ ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۰﴾ "اور اُس کے لیے ہمارے پاس مقامِ قرب بھی ہے اور بہت عمدہ ٹھکانہ بھی۔"

جب وہ لوٹ کر ہمارے پاس آئے گا تو اسے مقامِ قرب، بہت بلند مراتب اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔

آیات ۴۱ تا ۶۴

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝۴۱ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝۴۲ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا

وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ
صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ
وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ
الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ
لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ
فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ
اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا
مَرْحَبًا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ
عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ
سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع ۴ ۴۴ ۱۲

آیت ۴۱ ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾﴾ ’’اور ذرا یاد کیجیے ہمارے بندے ایوبؑ کو‘ جبکہ اُس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھے شیطان نے شدید بیماری اور تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔‘‘

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کا صبر مشہور ہے۔ آپؑ کسی جلدی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے آپؑ کا سارا جسم گل گیا تھا۔ مال و دولت بھی سب جاتا رہا‘ اعزہ و اقرباء منہ موڑ گئے‘ آل و اولاد میں سے کچھ فوت ہو گئے اور کچھ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آخر کار ایک بیوی ساتھ رہ گئی تھی جو اس بیماری سے اکتانے لگی۔ (واضح رہے کہ شر یا ایذا وغیرہ کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ شیطان کو تکلیف پہنچانے کی قدرت حاصل ہے۔) آپؑ نے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں مذکورہ بالا دعا کی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آیت ۴۲ ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾﴾ ’’ذرا اپنا پاؤں زمین پر مارو‘ یہ (چشمہ جو جاری ہوا ہے) ٹھنڈا پانی ہے غسل کے لیے ہے اور پینے کے لیے۔‘‘

آپؑ کے ایڑی مارنے پر زمین سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ اس پانی میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے ایسی شفا رکھ دی کہ اس سے نہانے اور اس کو پینے سے آپؑ صحت یاب ہو گئے۔ ممکن ہے اس پانی میں گندھک کے اثرات ہوں۔ ایسے چشمے بعض مقامات پر آج بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن میں نہانے سے جلدی امراض

کے مریض شفایاب ہو جاتے ہیں۔

آیت ۴۳ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ ''اور ہم نے اسے اُس کے اہل و عیال بھی عطا کر دیے اور ان کے ساتھ ویسے ہی (اہل و عیال) مزید بھی دیے''

یعنی آپؑ کے اہل و عیال آپؑ کے پاس واپس آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مزید اولاد سے بھی نوازا۔

﴿رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾﴾ ''یہ سب ہماری طرف سے رحمت کا مظہر تھا' اور یاددہانی تھی ہوش مند لوگوں کے لیے۔''

آیت ۴۴ ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ ''اور تم لے لو اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا' تو اس سے ایک ضرب لگا دو' اور قسم نہ توڑو!''

حضرت ایوب علیہ السلام کسی موقع پر اپنی بیوی سے ناراض ہوئے تو آپؑ نے غصے میں قسم کھالی کہ آپؑ انہیں سو کوڑے ماریں گے۔ اب جب کہ آپؑ صحت مند ہو گئے تو آپؑ فکر مند تھے کہ اب قسم پوری کرنے کی کیا ترکیب کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی راہنمائی کرتے ہوئے ایک طریقہ بتا دیا کہ آپؑ سو تنکے لے کر ان کو باندھ کر ایک جھاڑو سا بنا لیں اور اس سے اپنی بیوی کو ایک ضرب لگا دیں۔ اس طرح آپؑ کی قسم پوری ہو جائے گی اور آپؑ کی اہلیہ کو تکلیف بھی نہیں ہو گی۔

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾﴾ ''یقیناً ہم نے اسے صابر پایا' بہت ہی خوب بندہ۔ یقیناً وہ (ہماری طرف) بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔''

آیت ۴۵ ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور تذکرہ کیجیے ہمارے بندوں ابراہیمؑ' اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا' جو قوت والے اور بصیرت والے تھے۔''

آیت ۴۶ ﴿اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾﴾ ''ہم نے ان کو خالص کر لیا تھا ایک خالص شے' یعنی آخرت کے گھر کی یاددہانی کے لیے۔''

ان لوگوں کی زندگی کا ایک یہی مقصد تھا کہ وہ ہمیشہ لوگوں کو آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ اس حوالے سے یہ بات میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اللہ کا جو بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اسے دنیا کے مال و دولت اور دوسری چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ زندگی میں اگر اس کا کوئی ہدف ہوتا ہے تو بس یہی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے' انہیں آخرت کے برے انجام سے بچائے۔ پھر اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی ہدف کے لیے صرف ہوتا ہے اور اس کی تمام تر صلاحیتیں اسی مشن کے لیے وقف ہو جاتی ہیں۔ حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال لے لیجیے۔ آپؒ یہی مشن لے کر اجمیر پہنچے تھے۔ اجمیر اس زمانے میں ہندو راجپوتوں کا مرکزی شہر اور کفر کا گڑھ تھا۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تو لاہور اس وقت تشریف لائے تھے جب یہ علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا' لیکن حضرت معین الدینؒ نے اس شہر کو اپنا ٹھکانہ بنایا جو اس وقت مکمل طور پر کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہر حال آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر کوئی کاروبار کرنے کے لیے

نہیں بلکہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے لیے آئے تھے اور یہی آپؑ کی زندگی کا مقصد اور مشن تھا۔

آیت ۴۷ ﴿وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ؀﴾ ''اور یقیناً وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔''

گویا جو شخص لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور اس کے دین کی دعوت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے اور اس کا جینا مرنا اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے' وہ اللہ کے نزدیک مُصْطَفَيْن (چُنیدہ اور برگزیدہ افراد) میں سے ہو جاتا ہے۔

آیت ۴۸ ﴿وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ؀﴾ ''اور ذکر کیجیے اسماعیلؑ الیسعؑ اور ذوالکفلؑ کا' یہ سب بھی بہت عمدہ لوگوں میں سے تھے۔''

حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہما السلام کے بارے میں آج ہمیں یقینی معلومات میسر نہیں۔ سورۃ الانبیاء (آیت ۸۵) کی تشریح کے ذیل میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا یہ خیال نقل کیا گیا تھا (اور مجھے اس سے کسی حد تک اتفاق ہے) کہ قرآن میں ذوالکفلؑ کے نام سے جس پیغمبر کا ذکر ہوا ہے وہ دراصل گوتم بدھ تھے۔ ان کا اصل نام سدھارتا تھا۔ ''گوتم بدھ'' یا ''گوتما بدھا'' ان کا لقب تھا جو بعد میں مشہور ہوا۔ آپ ریاست ''کپل وستو'' کے ولی عہد تھے۔ چنانچہ جن محققین کا خیال ہے کہ قرآن میں ذوالکفل کے نام سے گوتم بدھ ہی کا ذکر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ''کفل'' دراصل ''کپل'' ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ یعنی ہندی ''پ'' کی جگہ عربی کی ''ف'' نے لے لی ہے اور اس طرح گویا ذوالکفل کے معنی ہیں ''کپل (ریاست) والا''۔☆

آیت ۴۹ ﴿هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ؀﴾ ''یہ ایک ذکر ہے' اور یقیناً متقین کے لیے بہت ہی اچھی لوٹنے کی جگہ ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ؀﴾ ''(یعنی) رہنے والے باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے رکھے جائیں گے۔''

اہلِ جنت کے لیے جنت کے دروازے کھلے رکھے جانے کا ذکر سورۃ الزمر کے آخری رکوع میں بھی آیا ہے' بلکہ وہاں اس حوالے سے اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے استقبال کا فرق اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اہل جنت کے لیے تو جنت کے دروازے پہلے سے ہی کھلے ہوں گے۔ جیسے کسی مہمان کا انتظار کھلے دروازوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی جس مہمان کا باقاعدہ انتظار ہو اس کے لیے یوں نہیں ہوتا کہ پہلے دروازہ بند ہو اور اس کے آنے پر ہی اسے کھولا جائے۔ چنانچہ جنتی مہمانوں کے لیے جنت کے دروازوں کو پہلے سے ہی کھول کر رکھا جائے گا۔ اس کے برعکس اہلِ جہنم کو ہانک کر جب جہنم کے دروازے پر لے جایا جائے گا تب دروازوں کو کھولا جائے گا۔ یہ اس لیے

☆ سورۃ الانبیاء (آیت ۸۵) کی تشریح میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بایں طور تذکرہ ملاحظہ کرنے کے بعد ''بیان القرآن'' کے ایک قاری نے توجہ دلائی ہے کہ جنوبی عراق میں (نجف اور الحِلّہ کے درمیان) ''الکفل'' نام کا ایک قصبہ موجود ہے' جہاں ایک مزار کو حضرت ذوالکفل علیہ السلام کی قبر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم! (حاشیہ از مرتب)

کہ جہنم کی مثال جیل کی سی ہے اور جیل کے دروازوں کو معمول کے مطابق بند رکھا جاتا ہے۔ البتہ جب کوئی نیا مجرم آتا ہے تو اسے داخل کرنے کے لیے اس کے کھولنے کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾﴾ ''اس میں وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے' طلب کریں گے اس میں میوے بہت سے اور مشروبات بھی۔''

آیت ۵۲ ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور ان کے پاس ہوں گی (ان کی بیویاں) نیچی نگاہوں والی' ان کی ہم عمر۔''

آیت ۵۳ ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾﴾ ''یہ کچھ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے حساب کے دن کے لیے!''

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾﴾ ''یہ ہیں ہماری عطا کی ہوئی چیزیں' جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔''

آیت ۵۵ ﴿هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾﴾ ''(متقین کے لیے تو) یہ ہے! اور یقیناً سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

آیت ۵۶ ﴿جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾﴾ ''(یعنی) جہنم' جس میں وہ داخل ہوں گے' پس وہ بہت ہی برا بچھونا ہوگا۔''

آیت ۵۷ ﴿هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾﴾ ''یہ ہے (ان کے لیے)' پس اس کو چکھیں' کھولتا ہوا پانی اور پیپ!''

جہنم میں لے جا کر اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جگہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اب اس میں رہو اور اس کے عذاب کو برداشت کرو۔ اس میں ان کو کھولتے ہوئے پانی اور زخموں کے خون اور پیپ کا مزہ بھی چکھنا ہوگا۔ گویا انہیں کھانے اور پینے کے لیے ایسی چیزیں دی جائیں گی جن کو انسان کی طبیعت بہت ناگوار محسوس کرتی ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلك!

آیت ۵۸ ﴿وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ؕ﴾ ''اور اسی طرح کی کئی دوسری چیزیں بھی۔''

اور اسی طرح کی مزید خوفناک' گندی اور بدذائقہ چیزیں بھی اہل جہنم کو کھانے اور پینے کے لیے دی جائیں گی۔

آیت ۵۹ ﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ﴾ ''یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ دھنسی چلی آ رہی ہے۔''

جہنم میں پہلے سے موجود لوگ ہر نئے آنے والے گروہ کے بارے میں یوں کہیں گے کہ ہم تو پہلے ہی یہاں انتہائی مصیبت میں ہیں۔ جگہ بھی تنگ ہے' گرمی اور حبس بھی بہت ہے اور اوپر سے تم بھی ہمارے اوپر دھنسے چلے آ رہے ہو۔

﴿لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ﴾ ''ان کے لیے کوئی کشادگی نہ ہو!''

یعنی یہ جو نئی کھیپ آ رہی ہے ان کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ ''مرحبا'' کے لغوی معنی فراخی اور کشادگی

کے ہیں۔ یہ کسی کو خوش آمدید کہنے کا کلمہ (greeting) ہے۔ یعنی آیئے آیئے! آپ کے لیے یہاں بہت جگہ اور ہر قسم کی سہولت موجود ہے (چشمِ ما روشن دلِ ما شاد!) لیکن ان کے لیے وہاں کوئی خیر مقدم نہیں ہوگا۔ یعنی نہ تو کوئی ''مرحبا'' (خوش آمدید) کہنے والا ہوگا اور نہ ہی ''مرحبا'' کہنے کے لائق وہ ماحول ہوگا۔

﴿اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾﴾ ''یہ ہیں آگ میں گھسے آنے والے۔''

آیت ۶۰ ﴿قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۫ لَا مَرْحَبًاۢ بِكُمْ ۭ﴾ ''وہ (نئے آنے والے) کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ایسے ہو! تمہارے لیے نہ ہو کوئی کشادگی!''

تمہارے لیے کوئی ''مرحبا'' نہیں، کوئی خیر مقدم اور خوش آمدید نہیں!

﴿اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾﴾ ''تم نے ہی اسے ہمارے لیے پہلے بھیجا ہے، تو یہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔''

تم نے ہی ہمارے لیے یہ سارا سامان فراہم کیا ہے۔ یہ سارا تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم ہماری پہلی نسل ہو اور تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ تم لوگوں نے ہی ہمیں تمام غلط عقائد اور برے اعمال سکھائے تھے۔ تمہارے کرتوتوں کے باعث اور تمہاری پیروی کرنے کی وجہ سے ہی آج ہم یہاں جہنم میں آئے ہیں۔

آیت ۶۱ ﴿قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾﴾ ''وہ کہیں گے: پروردگار! جس نے یہ سب کچھ ہمارے لیے آگے بھیجا ہے تو اُس کے لیے عذاب کو آگ میں دوگنا بڑھا دے۔''

جس نے ہمارے لیے یہ سارا سامان فراہم کیا ہے، جس نے ہمیں اس انجام کو پہنچانے کا بندوبست کیا ہے اُس کو دوزخ کا دوہرا عذاب دے!

آیت ۶۲ ﴿وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾﴾ ''اور وہ کہیں گے: کیا بات ہے ہم یہاں ان کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) برے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟''

دنیا میں ہمارے ساتھ کچھ گھٹیا اور کم حیثیت لوگ بھی تو تھے جو محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئے تھے۔ وہاں ہم انہیں تنگ کیا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آج وہ لوگ یہاں جہنم میں نظر نہیں آرہے، معلوم نہیں کہاں چلے گئے ہیں!

آیت ۶۳ ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ ''کیا ہم نے انہیں خواہ مخواہ ہنسی مذاق بنا لیا تھا''

یعنی کیا ہم نے انہیں غلط سمجھا تھا؟ اور ہم ان کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے کیا وہ سب بلاوجہ اور بے محل تھا؟ اور کیا اصل میں وہ برے لوگ نہیں تھے؟

﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾﴾ ''یا ہماری نگاہیں ان سے چوک رہی ہیں؟''

یعنی کیا وہ لوگ یہاں جہنم میں موجود ہی نہیں یا پھر ہم انہیں دیکھ نہیں پا رہے۔ اہلِ جہنم کی یہ ساری گفتگو اہلِ ایمان کے بارے میں ہوگی جو اس وقت جنت کی نعمتوں سے فیض یاب ہو رہے ہوں گے۔

آیت ۶۴ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾﴾ ''یقیناً یہ حق ہے اہلِ جہنم کے مابین جھگڑا!''

تم لوگوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ جیسے ہم یہ سب کچھ بیان کر رہے ہیں‘ اُس روز اہلِ جہنم کے مابین بالکل اسی طرح سے بحث و تکرار ہو گی۔

آیات ۶۵ تا ۸۸

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ ع

آیت ۶۵ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میں تو بس ایک خبردار کرنے والا ہوں‘ اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے‘ وہ اکیلا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔“

آیت ۶۶ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾﴾ ”وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے‘ اور وہ بہت زبردست‘ بہت بخشنے والا ہے۔“

آیت ۶۷ ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ یہ ایک بہت بڑی خبر ہے۔“

آیت ۶۸ ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾﴾ ”تم اس سے اعراض کر رہے ہو۔“

دیکھو! ہمارے یہ رسول (ﷺ) تمہارے پاس بہت بڑی اور فیصلہ کُن بات لے کر آئے ہیں‘ لیکن تم لوگ ہو کہ مسلسل اس سے اعراض کیے جا رہے ہو۔

آیت ۶۹ ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۶۹﴾ ”مجھے کچھ علم نہیں ملأ اعلیٰ کے بارے میں‘ جب وہ باہم بحث وتکرار کر رہے ہوتے ہیں۔“

یہ مضمون سورۃ الزمر کی آخری آیت میں بھی آئے گا۔ فرشتے چونکہ عاقل ہستیاں ہیں اس لیے تکوینی امور پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً ممکن ہے کسی وقت کوئی فرشتہ کسی ملک یا قوم کے بارے میں کہتا ہو کہ اب تو ان لوگوں پر عذاب آ جانا چاہیے اور اس کے جواب میں کوئی دوسرا کہتا ہو کہ نہیں ابھی انہیں کچھ مزید مہلت ملنی چاہیے۔ آخری فیصلہ تو ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے‘ لیکن فرشتے بھی مختلف امور کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہیں اور اس طرح ان کی آراء میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۰﴾ ”میری طرف تو بس یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں صرف واضح طور پر خبردار کر دینے والا ہوں۔“

آیت ۷۱ ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝۷۱﴾ ”جب کہا تھا آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر کو مٹی سے۔“

قصۂ آدم و ابلیس کے ذکر کے حوالے سے یہ قرآن کریم کا ساتواں اور آخری مقام ہے۔

آیت ۷۲ ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ﴾ ”تو جب میں اس کو پوری طرح درست کر دوں“

”تسویہ“ کے معنی کسی تخلیق کو ہر لحاظ سے درست کر کے اس کی تکمیل کر دینے کے ہیں۔ انگریزی میں اسے finishing touch دینا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ”تسویہ“ کا مرحلہ بنیادی تخلیق کے بعد آتا ہے‘ جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا گیا: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲﴾ ”آپؐ تسبیح کیجیے اپنے رب کے نام کی‘ جس نے تخلیق کیا‘ پھر تسویہ کیا“۔ سورۃ الاعلیٰ کے مطالعہ کے دوران اس موضوع پر ان شاء اللہ تفصیل سے گفتگو ہو گی۔

﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۷۲﴾ ”اور میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔“

یہاں پر رُّوْحِيْ (میری روح) کا لفظ نوٹ کیجیے اور اس نکتے کو ذہن نشین کر لیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مسجودِ ملائک ہونا اس روحِ ربانی کی بنیاد پر تھا جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم میں پھونکی تھی۔ اس سے قبل نہ تو وہ مسجودِ ملائک تھے‘ اور نہ ہی ان کا وہ مقام و مرتبہ تھا جو بعد میں اشرف المخلوقات کی حیثیت سے ان کو ملا۔

آیت ۷۳ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۷۳﴾ ”تو سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر۔“

یہ بہت پر زور اسلوب ہے۔ یہ آیت اس سے پہلے جوں کی توں سورۃ الحجر (آیت ۳۰) میں بھی آ چکی ہے۔

آیت ۷۴ ﴿اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۴﴾ ”سوائے ابلیس کے‘ اُس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔“

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ کفر اور تکبر اس کے اندر پہلے سے موجود تھا جو اس موقع پر کھل کر سامنے آ گیا۔ جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر بہت سے منافقین کا نفاق واضح ہو کر ان کی زبانوں پر آ گیا تھا۔

آیت ۷۵ ﴿قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اُس کو سجدہ کرتا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے؟''

یہاں پر آدم علیہ السلام کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کا اپنے دونوں ہاتھوں سے نسبت دینا بہت اہم اور قابل غور ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کی قدرت کے استعارے کے طور پر اللہ کے ہاتھوں کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ جیسے سورۂ یٰسٓ کی آیت ۷۱ میں فرمایا گیا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں (اَيْدِيْنَا) سے ان کے لیے چوپائے بنائے ہیں' لیکن آیت زیر مطالعہ میں ''دونوں ہاتھوں'' کا ذکر خصوصی اہتمام کے ساتھ ہوا ہے۔ میرے نزدیک اس سے دو عالم یعنی عالمِ خلق اور عالمِ اَمر مراد ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم یعنی انسان میں جمع کر دیا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾ یعنی خلق اور امر کے دونوں عالم اُسی کے ہیں' ان دونوں پر اسی کا تسلّط اور اسی کی حکومت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق تو ایسی ہے جس کا تعلق صرف عالمِ اَمر سے ہے۔ مثلاً فرشتے جو حیوانی جسم یا حیوانی خواہشات نہیں رکھتے اور نر یا مادہ کی تفریق سے بھی منزّہ و مبرّا ہیں۔ دوسری طرف جنات اور تمام ارضی حیوانات ہیں جو عالمِ خلق کی مخلوق ہیں۔ ان میں ''روح'' نہیں پائی جاتی۔ اس لحاظ سے انسان گویا اللہ تعالیٰ کی واحد مخلوق ہے جس کا تعلق ان دونوں عالم سے ہے۔ اس کا حیوانی جسم مٹی سے بنا ہے' اس لحاظ سے یہ ''عالمِ خلق'' کی چیز ہے' جبکہ اس کے جسم میں پھونکی گئی روح ''عالمِ امر'' کی امانت ہے۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾﴾ ''یقیناً ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کو اٹھانے سے اور وہ اس سے ڈر گئے' اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے''۔ (امانت کے اس تصور کی وضاحت اس آیت کے مطالعے کے دوران کی جا چکی ہے۔)

چنانچہ تخلیقِ آدم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر گویا استعارہ ہے اس کی تخلیق میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کو جمع کرنے کا۔ انسان کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کا یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خصوصی اہتمام سے بنایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس لحاظ سے یہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کا نقطہ عروج (climax) ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

﴿اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾﴾ ''کیا تو نے تکبر کیا یا تو عالی مرتبہ لوگوں میں سے ہے؟''

آیت ۷۶ ﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ﴾ ''اُس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں!''

اُس نے کہا ہاں! یہ بات صحیح ہے کہ میں اس سے بہتر اور برتر ہوں۔ دراصل شیطان کا یہ دعویٰ اس کے

مشاہدے کی بنیاد پر تھا۔ اس کے پیش نظر صرف حضرت آدمؑ کا جسدِ خاکی تھا۔ اس کے اندر پھونکی گئی روح کا اسے علم نہیں تھا۔ چنانچہ اس کا یہ دعویٰ کہ ''میں اس خاکی وجود سے بہتر ہوں'' اُس کے مشاہدے کے اعتبار سے کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴾ ''مجھے بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے!''

آیت ۷۷ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴾ ''اللہ نے فرمایا: نکل جاؤ یہاں سے! اب تم مردود ہو گئے ہو۔''

آیت ۷۸ ﴿وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ ''اور اب تم پر میری لعنت رہے گی جزا اور سزا کے دن تک۔''

آیت ۷۹ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾ ''اُس نے کہا: پروردگار! پھر مجھے مہلت دے اُس دن تک جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔''

آیت ۸۰ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴾ ''اللہ نے فرمایا: ٹھیک ہے تمہیں یہ مہلت دے دی گئی۔''

اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں بھی ''استحقار'' کا وہی انداز محسوس کیا جا سکتا ہے جو اوپر آیت ۷۷ میں پایا جاتا ہے۔

آیت ۸۱ ﴿اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴾ ''اُس دن تک جس کا وقت طے شدہ ہے۔''

تمہارے کہنے کے مطابق تمہیں اُس دن تک مہلت دے دی گئی ہے جس دن آدمؑ اور اس کی پوری نسل کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

آیت ۸۲ ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ ''اُس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔''

آیت ۸۳ ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ ''سوائے ان میں سے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تُو نے خالص کر لیا ہو۔''

آیت ۸۴ ﴿قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴾ ''اللہ نے فرمایا: تو حق یہ ہے' اور میں تو حق ہی کہتا ہوں۔''

آیت ۸۵ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ ''کہ پھر میں بھی بھر کر رہوں گا جہنم کو تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے۔''

آیت ۸۶ ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا''

یہ واقعہ سنا کر اب حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ انہیں جتلائیں کہ میں تم لوگوں کو یہ غیب کی خبریں سنا رہا ہوں' ازل میں رونما ہونے والے واقعات کی تفصیلات سے تمہیں آگاہ کر رہا ہوں' لیکن تم ذرا یہ بھی تو سوچو کہ میں نے اس سب کچھ کے عوض تم لوگوں سے کبھی کوئی اجر یا انعام تو طلب نہیں کیا۔

﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ ”اور میں کوئی بناوٹ کرنے والوں میں سے بھی نہیں ہوں۔“

مُتَكَلِّف (تکلف کرنے والا) کا مفہوم سمجھنے کے لیے دو ایسے اشخاص کی مثال سامنے رکھیں جن میں سے ایک شاعر ہے اور دوسرا متشاعر۔ ایک شخص فطری طور پر شاعر ہے‘ شاعری اس کی طبیعت میں گندھی ہوئی ہے اور اس پر اشعار کی آمد ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے شخص (متشاعر) کی طبیعت شعر کے لیے بالکل موزوں نہیں ہے۔ البتہ وہ محنت کرتا ہے‘ علم عروض کے امور سیکھنے کی کوشش کرتا ہے‘ ذخیرۂ الفاظ جمع کرتا ہے‘ قافیے جوڑتا ہے اور یوں تصنّع اور تکلّف سے شعر کہتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص شاعری کے میدان میں گویا ”مُتَكَلِّف“ ہے۔ چنانچہ ان آیات میں حضور ﷺ کی زبانِ اطہر سے مشرکینِ مکّہ کے لیے کہلوایا جا رہا ہے کہ لوگو! کچھ تو عقل سے کام لو‘ تم لوگ مجھے بچپن سے جانتے ہو: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ﴾ (یونس:۱۶) ”میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اس سے پہلے بھی“۔ میرے عادات واطوار اور میری طرزِ زندگی سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں کوئی تکلف اور تصنع پسند شخص نہیں ہوں۔ تم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہو کہ میں نے اب تک کی عمر میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا‘ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے خطابت کا فن سیکھنے کے لیے کبھی کوئی مشقت یا ریاضت نہیں کی۔ تو تم لوگوں نے یہ کیسے سوچ لیا ہے کہ اب میں نے اچانک تکلّف اور تصنّع کا سہارا لے کر شاعری میں طبع آزمائی شروع کر دی ہے اور تم لوگوں کو وحی کے نام پر میں اپنا کلام سنا رہا ہوں؟

آیت ۸۷ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ”نہیں ہے یہ مگر ایک یاد دہانی اور نصیحت تمام جہان والوں کے لیے۔“

آیت ۸۸ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾﴾ ”اور تم ضرور جان لو گے اس کی اصل خبر ایک وقت کے بعد۔“

ان لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچ چکا ہے‘ انہیں خاطر خواہ طور پر یاد دہانی کرا دی گئی ہے‘ ہر لحاظ سے ان پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ اب بہت جلد اس اتمامِ حُجّت کا نتیجہ ان کے سامنے آ جائے گا۔ سورۃ الطارق میں قرآن کے بارے میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾﴾ یعنی یہ قرآن کوئی بے مقصد کلام نہیں ہے‘ بلکہ یہ فیصلہ کن قول بن کر آیا ہے۔ اب اس کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۵ میں قرآن کا تعارف اِن الفاظ میں کرایا گیا ہے: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ کہ ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اب اسی کے ترازو میں قوموں کی تقدیریں تُلیں گی اور اسی کی عدالت میں ان کے عروج و زوال سے متعلق فیصلے ہوں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))(۱) ”اللہ تعالیٰ اسی کتاب کی بدولت بعض اقوام کو عروج پر پہنچائے گا اور اس کو ترک کرنے کی وجہ سے بعض کو قعرِ مذلّت میں گرا دے گا۔“

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا‘ باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه وفضل من تعلم حکمة۔

بیانُ القرآن

سُورَةُ الزُّمَر

(۳۹)

سُوْرَةُ الزُّمَر

تمہیدی کلمات

سورۂ صٓ کے اختتام پر زیر مطالعہ گروپ کی پہلی پانچ سورتیں مکمل ہو چکی ہیں۔ اس گروپ کے اندر ان پانچ سورتوں (سورۂ سبا تا سورۂ صٓ) پر مشتمل ایک ضمنی گروپ بنتا ہے جس کے بالکل وسط میں سورۂ یٰسٓ ہے۔ یعنی سورۂ سبا اور سورۂ فاطر (یہ دونوں سورتیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتی ہیں) ایک طرف ہیں جبکہ سورۃ الصّٰفّٰت اور سورۂ صٓ (ان دونوں سورتوں کے آغاز میں حرف ''ص'' مشترک ہے) دوسری طرف جبکہ عین وسط میں سورۂ یٰسٓ ہے۔

اس گروپ کی بقیہ آٹھ سورتیں (سورۃ الزمر تا سورۃ الاحقاف) ایک لحاظ سے گزشتہ گروپ کی سورۃ الفرقان سے لے کر سورۃ السجدۃ تک کی آٹھ سورتوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مذکورہ آٹھ سورتوں میں بھی ایک سورۃ (الفرقان) حروفِ مقطعات کے بغیر ہے جبکہ باقی سات سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ یعنی سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص کا آغاز طٰسٓمٓ سے، سورۃ النمل کا طٰسٓ سے اور باقی چار سورتوں (العنکبوت، الروم، لقمان اور السجدۃ) کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح زیر مطالعہ گروپ کی آٹھ سورتوں میں بھی ایک سورۃ (الزمر) ایسی ہے جس کے آغاز میں حروفِ مقطعات نہیں ہیں، جبکہ باقی ساتوں سورتیں حروفِ مقطعات (حٰمٓ) سے شروع ہو رہی ہیں۔ حٰمٓ سے آغاز ہونے کی وجہ سے ان سورتوں کو ''حوامیم'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سورۃ الشوریٰ البتہ ایک ایسی سورت ہے جس کی دوسری آیت بھی حروفِ مقطعات (عٓسٓقٓ) پر مشتمل ہے۔ مضمون کے اعتبار سے یہ آٹھوں سورتیں ایک خاص ترتیب (sequence) میں ہیں۔ واضح رہے کہ اس سلسلۂ حوامیم میں معنوی طور پر سورۃ الزمر بھی شامل ہے۔ ان میں سے پہلی چار سورتوں کا مرکزی مضمون ''توحیدِ عملی'' ہے۔

''توحیدِ عملی'' چونکہ بہت اہم مضمون ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے۔ عقیدے کے طور پر توحید کو تو ہم سب جانتے ہیں، یعنی اللہ کو ایک ماننا اور یہ ماننا کہ وہ اکیلا اور تنہا ہے (لَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ وَلَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا مِثَالَ لَہٗ وَلَا مَثِیْلَ لَہٗ)۔ اُس کا کوئی کُفو نہیں، اُس جیسا کوئی نہیں، نہ تو ذات میں اور نہ ہی صفات کے اعتبار سے۔ اسی عقیدہ کی وضاحت ہمیں بہت جامع اور خوبصورت انداز میں سورۃ الاخلاص میں ملتی ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④﴾

عقیدۂ توحید کا عملی پہلو ''توحید فی العمل'' ہے، جس کے لیے امام ابن تیمیہؒ نے ''توحید فی الطلب'' کی خوبصورت اصطلاح استعمال کی ہے۔ ''طلب'' کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔ کسی انسان کی ''طلب'' کے

انتخاب اور معیار سے عملی زندگی میں اس کی ترجیحات کا پتا چلتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان گویا ''طالب'' ہے اور ہر انسان اپنا کوئی نہ کوئی مطلوب بھی رکھتا ہے۔ سورۃ الحج کی آیت ۷۳ میں بتوں اور ان کے پجاریوں کے حوالے سے طالب اور مطلوب کے اس رشتے کی اہمیت اور نوعیت کو ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ بہرحال ایک ذی شعور مخلوق ہونے کی حیثیت سے لازمی ہے کہ ہر انسان کا کوئی مطلوب' کوئی آئیڈیل یا کوئی آدرش ہو' جسے وہ اپنا مقصدِ حیات سمجھے۔ مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہے۔ عملی طور پر انسانوں کی عظیم اکثریت کا کوئی اعلیٰ مقصدِ حیات ہے ہی نہیں اور وہ محض اپنی جبلّت (instinct) کے محرّکات کے تحت حیوانی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ جس طرح حیوانات اپنی جبلی خواہشات پوری کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی کھاتے پیتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں اور ان کی پرورش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ان کی زندگی میں نہیں ہے۔ قرآن کی رائے میں ایسے لوگ انسان نہیں' حیوان ہیں' بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

اس زاویہ سے دیکھا جائے تو انسان کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو محض اپنی جبلی خواہشات کا غلام بن کر نہ رہ گیا ہو بلکہ اس نے اس سطح سے برتر ہو کر اپنی زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد متعین کر رکھا ہو۔ اس حوالے سے جو اصل مقام و مرتبہ ایک انسان کے شایانِ شان ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مقصدِ حیات اس کا خالق اور اس کا مالک ہو۔ یعنی صرف اللہ ہی اس کا مقصود ہو' وہی اس کا محبوب ہو اور وہی اس کا مطلوب ہو: لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ زندگی میں ہر ہر قدم اور ہر ہر موڑ پر اس کی نگاہیں اس شان سے اللہ کی رضامندی کی متلاشی ہوں کہ اس کی زندگی اس فرمانِ الٰہی کی عملی تصویر بن جائے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام) ''آپ کہیے میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یہ ہے توحید عملی یا توحید فی الطلب کا اصل مفہوم و مدعا۔ لیکن جو شخص صرف ''عقیدۂ توحید'' کا دعوے دار ہے اور عملی طور پر وہ توحید پر کاربند نہیں' وہ شرک فی العمل کا مرتکب ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا﴾ ''کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ تو (اے نبی ﷺ) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے سکتے ہیں!'' ایسا شخص کہتا تو خود کو مواحد ہے اور وہ نظریہ توحید پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے' مگر عملی زندگی میں وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ کے احکام کو پامال کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور حلال و حرام کے ضمن میں حدود اللہ کی سرے سے کوئی پروا نہیں کرتا۔ ایسے ہی شخص کو حضور ﷺ نے ''درہم و دینار کا بندہ'' قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ......))(1) یہ ایک ایسا کردار ہے جس کا نام تو عبد اللہ یا عبد الرحمٰن ہے' زبان سے وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار بھی کرتا ہے' اس کلمہ توحید کے وِرد کا اہتمام بھی کرتا ہے اور مسجد میں جا جا کر باجماعت نمازیں بھی پڑھتا ہے' مگر اُس کی عملی زندگی میں توحید کہیں نظر نہیں آتی۔ عملی زندگی میں اس

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله۔

نے اپنا مقصدِ حیات حصولِ دولت کو بنا رکھا ہے' اس کی فکر کا محور اور اس کی ساری دوڑ دھوپ کا ہدف ہی یہ ہے کہ اسے دولت ملنی چاہیے' جہاں سے بھی ملے' جیسے بھی ملے۔ جائز طریقے سے ملے یا ناجائز طور سے۔ گویا اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ اصل میں وہ ''عبداللہ'' یا ''عبدالرحمٰن'' نہیں ''عبدالدینار'' ہے اور عملی طور پر اس کا معبود اللہ نہیں بلکہ روپیہ' دینار یا ڈالر ہے۔

اس میدان میں ہم مسلمان ایک لحاظ سے ہندوؤں سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ ہندو دولت حاصل کرنے کے لیے دولت کی دیوی لکشمی بائی کی پوجا کرتے ہیں' وہ سمجھتے ہیں کہ اس کی کرپا ہو جائے گی تو دولت کے دروازے کھل جائیں گے۔ ہم دیوی بنانے اور اس کو پوجنے کو تو شرک تصور کرتے ہیں' مگر براہِ راست دولت کی پوجا کو روا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہندو دولت کی دیوی کے پجاری بنے تھے' لیکن ہم براہِ راست دولت کے پجاری بن گئے۔

توحید عملی کا پہلا نکتہ توحید فی العبادت ہے۔ یعنی بندگی اور اطاعت کُل کی کُل اللہ کے لیے ہو۔ باقی سب اطاعتیں اس اطاعت کے تابع ہوں۔ ماں' باپ اور استاد کی اطاعت ضرور ہو' مگر شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے۔ حاکم کا حکم بھی مانا جائے مگر صرف وہ جو اللہ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ اس حوالے سے بنیادی اصول اور قانون یہ ہوگا: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))(۱) یعنی مخلوق میں سے ایسی اطاعت کسی کی نہیں ہو سکتی جس سے خالق کی معصیت لازم آتی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یہ شرک ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جس کسی کو بھی ''مطاع'' مانا گیا' وہ چاہے کسی کا اپنا نفس ہو' حاکم وقت ہو' کوئی ادارہ ہو یا جو کوئی بھی ہو وہ ''طاغوت'' ہے۔ سورۃ الزمر میں یہ مضمون بہت تکرار سے آئے گا کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے تو اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۸

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا
نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا
يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ
عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۵ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی: ۴/۱۸۱

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ
خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ اِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ
نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ
بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾﴾ ’’اس کتاب کا نازل کیا جانا ہے اُس اللہ کی طرف سے جو زبردست‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

سورۃ الزمر اور سورۃ المؤمن کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ چنانچہ ان دونوں سورتوں کا آغاز بھی ایک جیسے الفاظ سے ہو رہا ہے‘ صرف ’’الحکیم‘‘ اور ’’العلیم‘‘ کا فرق ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ زیر مطالعہ ضمنی گروپ کی ان آٹھ سورتوں میں سے پہلی سورت یعنی سورۃ الزمر کے آغاز میں حروفِ مقطعات نہیں ہیں جبکہ باقی ساتوں سورتیں (سورۃ المؤمن تا سورۃ الاحقاف) حٰمٓ کے حروف سے شروع ہوتی ہیں۔

آیت ۲ ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب اُتاری ہے حق کے ساتھ‘‘

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾﴾ ’’پس بندگی کرو اللہ کی اپنی اطاعت کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔‘‘

اس حکم کے برعکس آج عملی طور پر ہماری زندگیوں کا نقشہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی بھی ہو رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ طاغوت کو بھی پوجا جا رہا ہے۔ ایک طرف نمازیں پڑھی جا رہی ہیں‘ حج اور عمرے ادا کیے جا رہے ہیں جبکہ دوسری طرف حرام خوری بھی جاری ہے اور سودی کاروبار بھی چل رہا ہے۔ اللہ کو ایسی آلودہ (polluted) بندگی کی ضرورت نہیں۔ وہ تو اپنے بندوں سے خالص بندگی کا تقاضا کرتا ہے۔

آیت ۳ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ کہ اطاعتِ خالص اللہ ہی کا حق ہے۔‘‘

اللہ کے ہاں صرف دین خالص ہی مقبول ہے۔ اللہ کو یہ ہرگز منظور نہیں کہ اُس کا کوئی بندہ اُس کی بندگی بھی کرے اور اپنی بندگی کا کچھ حصہ کسی دوسرے کے لیے بھی مختص کر لے۔ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے‘ وہ شراکت کی بندگی کو واپس اس بندے کے منہ پر دے مارتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میرا بننا ہے تو خالصتاً میرے بنو: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ’’اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ‘‘۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ احکام ماننے اور کچھ نہ ماننے کے حوالے سے سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بہت

سخت وعید آئی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵﴾

''تو کیا تم (ہماری) کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کر دیتے ہو؟ تو نہیں ہے کوئی سزا اس کی جو تم میں سے یہ حرکت کرے سوائے دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی کے' اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔''

سیاق وسباق کے لحاظ سے اگرچہ اس آیت کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں لیکن آج ہمارے لیے بھی اللہ کا حکم اور قانون یہی ہے۔ بلکہ یہ آیت ہمارے لیے آئینے کی حیثیت رکھتی ہے جس میں آج ہم اپنی تصویر واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ دنیا کی جس رسوائی کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے وہ آج ہمارے ماتھے پر جلی حروف میں لکھی ہوئی صاف نظر آ رہی ہے۔ اس وقت مسلمان تعداد میں ڈیڑھ سو کروڑ سے بھی زائد ہیں مگر عزت نام کی کوئی چیز اس وقت ان کے پاس نہیں ہے۔ بین الاقوامی معاملات میں کسی کو ان سے ان کی رائے پوچھنا بھی گوارا نہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ﴾ ''اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ اور کو اولیاء بنایا ہوا ہے''

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾ ''(وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔''

یعنی اصل میں تو ہم اللہ ہی کو پوجتے ہیں' جبکہ دوسرے معبودوں کو تو ہم اللہ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا صرف وسیلہ سمجھتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ﴾ ''یقیناً اللہ فیصلہ کر دے گا ان کے مابین ان تمام چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳﴾ ''اللہ ہرگز ہدایت نہیں دیتا جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو۔''

آیت ۴ ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ﴾ ''اگر اللہ کا واقعی ارادہ ہوتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو وہ چن لیتا اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا''

اللہ کی نہ تو کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کے ہاں اولاد کا کوئی تصور ہے۔ وہ اکیلا خالق ہے اور باقی ہر چیز اس کی مخلوق ہے' فرشتے بھی اُس کی مخلوق ہیں۔ اسے کسی کو بیٹا یا بیٹی بنانے کی کوئی ضرورت یا حاجت نہیں ہے۔

﴿سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴﴾ ''وہ پاک ہے۔ وہ اللہ ہے اکیلا اور (کل کائنات پر) چھایا ہوا۔''

کُل کائنات اور تمام مخلوقات پر اُس کی حکومت قائم ہے۔ وہ سب پر قابو رکھنے والا اور غالب ہے۔

آیت ۵ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ﴾ ”اُس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔“
یعنی یہ کائنات ایک نہایت منظّم‘ با مقصد اور نتیجہ خیز تخلیق ہے‘ یہ کوئی کارِ عبث نہیں ہے۔

﴿یُکَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیۡلِ﴾ ”وہ رات کو لپیٹ دیتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹ دیتا ہے رات پر“

یہ مضمون قرآن حکیم میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ متعدد مقامات پر یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں‘ جبکہ بعض جگہوں پر ﴿یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَیُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ﴾ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ بہرحال مقصود اس سے یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ رات اور دن کے الٹ پھیر کا یہ منضبط اور منظّم نظام بے مقصد اور عبث نہیں ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے عالمِ نباتات کے نظامِ تنفّس (respiration system) کی مثال لی جاسکتی ہے جو کلی طور پر دن رات کے ادلنے بدلنے کے ساتھ متعلق و مشروط ہے یا پھر روئے زمین پر پھیلے ہوئے پورے نظامِ زندگی کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اس گردشِ لیل و نہار کا مرہونِ منت ہے۔ غرض اس کائنات کی کوئی چیز یا کوئی تخلیق بھی بے مقصد و بے کار نہیں۔ اور اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر انسان اور انسان کی تخلیق کیونکر بے مقصد و بے کار ہوسکتی ہے‘ جس کے لیے یہ سب کچھ پیدا کیا گیا ہے؟

یہاں پر ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں یہ سوال خود بخود پیدا ہونا چاہیے کہ جب کائنات اور اس کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو آخر انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں: ((فَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ))(۱) یعنی دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ بہرحال اگر عقل اور منطق کی عینک سے بھی دیکھا جائے تو بھی آخرت کے تصور کے بغیر انسان کی تخلیق کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ خصوصاً انسان کو نیکی اور بدی کا جو شعور ودیعت ہوا ہے وہ ایک ایسی دنیا کا تقاضا کرتا ہے جہاں اچھائی کا نتیجہ واقعی اچھا نکلے اور برائی کا انجام واقعی برا ہو۔ جبکہ اس دنیا میں ہر جگہ اور ہر وقت ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ انسان کی اخلاقی حِس (moral sense) کے نتیجہ خیز ہونے کے لیے بھی ایک دوسری زندگی کا ظہور ناگزیر ہے۔

﴿وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ﴾ ”اور اُس نے مسخر کر دیا سورج اور چاند کو۔“

﴿کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ”یہ سب کے سب چل رہے ہیں ایک وقت معین تک کے لیے۔“

﴿اَلَا هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿۵﴾﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! وہ زبردست ہے‘ بہت بخشنے والا۔“

آیت ۶ ﴿خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ ”اُس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے‘ پھر اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا“

جو لوگ نظریہ ارتقاء (evolution theory) کو مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ساتھ اس کے بعض اجزاء کی مطابقت ہے‘ وہ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ ابتدا میں پیدا کیے جانے والے حیوانات

---

(۱) تخریج الاحیاء للعراقی : ۲۵۲/۳

(lower animals) میں نر اور مادہ کی تقسیم نہیں تھی۔ جیسے امیبا (Amoeba) ہے جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر اپنے جیسے ایک نئے وجود کو جنم دے دیتا ہے۔ اس کے بعد اگلے مرحلے پر ان کا خیال ہے کہ ایسے جانور پیدا کیے گئے جن کے اندر بیک وقت مذکر اور مؤنث دونوں جنسیں (sexes) موجود تھیں۔ جیسے کہ برسات کے موسم میں زمین سے نکلنے والے کینچوؤں (earth worms) میں سے ہر ایک کیڑا مذکر و مؤنث دونوں جنسوں کا حامل (hermaphrodite) ہوتا ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دونوں جنسوں میں مزید تفریق ہوئی اور پھر تیسرے مرحلے میں دونوں جنسیں علیحدہ علیحدہ پیدا ہونا شروع ہوئیں۔

﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ ''اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اتار دیے''

مویشیوں کے آٹھ جوڑوں کے بارے میں قبل ازیں ہم سورۃ الانعام (آیت ۱۴۳، ۱۴۴) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ ان میں اونٹ نر اور مادہ، گائے نر اور مادہ، بھیڑ نر اور مادہ اور بکری نر اور مادہ آٹھ مویشی شامل ہیں جو اُس وقت عرب میں عموماً پائے جاتے تھے۔

﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ ''وہ پیدا کرتا ہے تمہیں تمہارے ماؤں کے پیٹوں میں ایک خلق کے بعد دوسری خلق''

یہاں پر خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ سے تخلیق کے مختلف مراحل مراد ہیں۔ ان مراحل کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر نُطْفَة، عَلَقَة، مُضْغَة، مُضْغَة مُخَلَّقَة وَّغَيْرِ مُخَلَّقَة اور خَلْقًا اٰخَرَ کے الفاظ سے ہوا ہے۔ البتہ سورۃ المؤمنون کے پہلے رکوع کی آیات اس موضوع پر قرآن کے ذروۂ سنام کا درجہ رکھتی ہیں۔

﴿فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ ''(یہ تخلیق ہوتی ہے) تین اندھیروں کے اندر''

ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کا یہ عمل تین پردوں کے اندر ہوتا ہے۔ یعنی ایک پردہ تو پیٹ کی بیرونی دیوار (abdominal wall) کا ہے۔ دوسرا پردہ رحم (uterus) کی موٹی دیوار ہے، جبکہ تیسرا پردہ رحم کے اندر کی وہ جھلی (مَشیمہ) ہے جس کے اندر بچہ لپٹا ہوتا ہے۔ اس میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ تین پردوں کی یہ بات قرآن نے صدیوں پہلے اس وقت کی جس وقت علم جنینیات (Embryology) کے بارے میں انسان کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر کیتھ ایل مور (جسے ایمبریالوجی پر دنیا بھر میں سند مانا جاتا ہے) نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن نے علمِ جنین کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ واقعتاً حیران کن ہیں اور یہ کہ ماں کے پیٹ کے اندر انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کی جو تعبیر قرآن نے کی ہے اس سے بہتر تعبیر ممکن ہی نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ تین پردوں کے اندر انسان کی تخلیق فرماتا ہے۔ اس کے اعضاء اور اس کی شکل کو جیسے چاہتا ہے بناتا ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب، اُسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم لوگ کہاں سے پھرائے جا رہے ہو!''

آیت ۷ ﴿اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنۡکُمۡ ۟﴾ ’’اگر تم کفر کرتے ہو تو یقیناً اللہ تم سے بے نیاز ہے۔‘‘
وہ غنی ہے' اسے تمہاری کوئی احتیاج نہیں' تمہاری طرف سے انکار یا کفرانِ نعمت کی صورت میں اس کی سلطنت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

﴿وَلَا یَرۡضٰی لِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ ۚ﴾ ’’لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہے‘‘
اگرچہ اس نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے: ﴿اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوۡرًا ③﴾ (الدھر) کہ تم چاہو تو شکر گزار بندے بنو اور چاہو تو کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرو۔ یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے' مگر یہ جان رکھو کہ اسے اپنے بندوں کی طرف سے کفر کا رویہ ہرگز پسند نہیں ہے۔

﴿وَاِنۡ تَشۡکُرُوۡا یَرۡضَہُ لَکُمۡ ؕ﴾ ’’اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہوگا۔‘‘
اگر تم اس کا شکر ادا کرتے رہو' اس کی حمد وثنا کے ترانے گاتے رہو اور اس کی بندگی کی روش اختیار کیے رکھو تو وہ تم سے خوش رہے گا۔ وہ اسی طرزِ عمل کو پسند کرتا ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ﴾ ’’اور نہیں اٹھائے گی بوجھ اٹھانے والی کوئی جان کسی دوسرے کے بوجھ کو۔‘‘

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ﴾ ’’پھر تمہارا لوٹنا ہے تمہارے رب ہی کی طرف‘‘

﴿فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ﴾ ’’پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے۔‘‘

﴿اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑦﴾ ’’یقیناً وہ جاننے والا ہے سینوں کے اندر چھپی ہوئی باتوں کا۔‘‘
جو راز تمہارے سینوں کے اندر مخفی ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔

آیت ۸ ﴿وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیۡبًا اِلَیۡہِ﴾ ’’اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے‘‘

﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعۡمَۃً مِّنۡہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدۡعُوۡۤا اِلَیۡہِ مِنۡ قَبۡلُ﴾ ’’پھر جب وہ عطا کر دیتا ہے اسے کوئی نعمت اپنی طرف سے تو وہ جس چیز کے لیے پہلے اس کے حضور دعائیں کر رہا تھا سب بھول جاتا ہے‘‘
خَوَّلَ کے لفظی معنی اوڑھانے اور لپیٹنے کے ہیں۔ اردو لفظ ’’خول‘‘ اسی سے مشتق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے گرد اپنی نعمت کا خول بنا دیتا ہے' اسے اپنی نعمت اوڑھا دیتا ہے یا اپنی نعمت کے اندر اسے لپیٹ لیتا ہے۔

﴿وَجَعَلَ لِلّٰہِ اَنۡدَادًا﴾ ’’اور وہ اللہ کے مدِ مقابل ٹھہرا لیتا ہے‘‘
یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے بعد وہ قبل ازاں مانگی ہوئی اپنی دعاؤں کو بھول جانے اور اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے پر ہی بس نہیں کرتا' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اللہ کے مدِ مقابل جھوٹے معبود بنانے کی جسارت بھی کر گزرتا ہے۔

﴿لِّیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ﴾ ’’تا کہ بہکائے لوگوں کو اُس کے راستے سے۔‘‘

﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ مزے اڑا لو اپنے کفر کے ساتھ تھوڑی دیر' یقیناً تم آگ والوں میں سے ہو!''

کفر کی جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے' اس کے ساتھ دنیا کی چند روزہ زندگی میں جو عیش کر سکتے ہو کر لو' اس کے بعد تمہارا مستقل ٹھکانہ جہنم ہے۔ بالآخر اسی کی آگ میں تمہیں جھونک دیا جائے گا۔

آیات ۹ تا ۲۰

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۹ ؏ قُلْ ع ۱ / ۱۵
يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۱۰ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۱۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۱۲ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۱۴ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۱۵ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ
اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۱۶ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۱۷ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۸ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ
اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ ۱۹ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ
مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۲۰

آیت ۹ ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''بھلا وہ شخص جو بندگی کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں' سجود و قیام کرتے ہوئے' وہ آخرت سے ڈرتا رہتا ہے' اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے!''

ان الفاظ کے بعد کی عبارت محذوف ہے اور یہ اسلوب اس سورت میں بار بار آتا ہے۔ آگے چل کر متعدد آیات ایسی ملیں گی جہاں جملوں کو نامکمل چھوڑ دیا گیا ہے کہ سننے یا پڑھنے والا اپنے علم' ذہن اور ذوق کے مطابق خود مکمل کر لے۔ چنانچہ یہاں پر ''کَمَنْ هُوَ غَافِلٌ'' کے الفاظ سے اس جملے کو مکمل کیا جا سکتا ہے کہ کیا ایک ایسا شخص جو اللہ کا فرمانبردار ہے' وہ اپنی راتوں کی گھڑیاں اللہ کے حضور اس کیفیت میں گزارتا ہے کہ کبھی سجدے میں پڑا ہوا

ہے اور کبھی حالت قیام میں ہے' اس کے دل میں آخرت کا خوف بھی ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی' کیا وہ ایک ایسے شخص کے برابر ہو جائے گا جو بالکل غفلت میں پڑا ہوا ہے؟

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟''

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹﴾ ''حقیقی نصیحت اور سبق تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

آیت ۱۰ ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔''

تم لوگ اللہ پر ایمان لائے ہو تو اب تمہیں ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کی فکر ہونی چاہیے۔ لہٰذا اللہ جو کام کرنے کا حکم دے وہ کرو اور جس سے وہ منع کرے اس سے باز رہو۔ یہاں پر مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ ایک دفعہ پھر ذہن نشین کر لیں کہ مکی سورتوں میں اہل ایمان کو مخاطب کرنے کا یہی انداز ملتا ہے' جبکہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے براہِ راست خطاب کا اسلوب صرف مدنی سورتوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں اہلِ ایمان سے براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ میری طرف سے میرے اہل ایمان بندوں کو یہ پیغام پہنچا دیں:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ﴾ ''جو لوگ احسان کی روش اختیار کریں گے' ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔''

﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ﴾ ''اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔''

اگر مکہ میں رہتے ہوئے تمہارے لیے توحید پر کاربند رہنا ممکن نہیں رہا تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰﴾ ''یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر پورا پورا دیا جائے گا بغیر حساب کے۔''

اجر کے حوالے سے یہاں پر يُوَفَّى کا اصول بھی بتایا گیا ہے اور بِغَيْرِ حِسَابٍ کی نوید بھی سنائی گئی ہے۔ یعنی پورا پورا بدلہ دینے کے بعد اللہ کا مزید فضل بھی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے معاملے میں حساب کا کوئی سوال ہی نہیں!

آیت ۱۱ ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں بندگی کروں اللہ کی اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

یہ وہی الفاظ ہیں جو اس سے پہلے آیت ۲ میں بھی آ چکے ہیں۔ یہ مضمون اس سورت کا عمود ہے اور اس میں بار بار آئے گا۔ چنانچہ اس مضمون کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اس حوالے سے بنیادی

طور پر یہ نکتہ ذہن نشین کر لیجیے کہ ہر چیز کی طرح عبادت کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک اس کی اصل حقیقت ہے۔ عبادت کا ظاہر اس کی رسومات ہیں۔ ''رسم'' کسی شے کی ظاہری شکل کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ لکھائی میں جو حروف اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کی ظاہری اشکال کو ''رسم'' (رسم الخط) کہتے ہیں۔ جیسے قرآن کا موجودہ رسم الخط ''رسم عثمانی'' کہلاتا ہے۔ اب اگر نماز کی مثال لیں تو نماز میں کھڑے ہونا' اللہ کی حمد و تسبیح کرنا' رکوع و سجدہ کرنا مراسم عبادت ہیں۔ بعض دوسرے مذاہب میں اپنے معبود کے سامنے مؤدب کھڑے ہونا' سلیوٹ کرنا اور ہاتھ جوڑنا وغیرہ ان کی عبادت کے مراسم ہیں۔ چنانچہ عرف عام میں مراسم عبودیت (عبادت کی ظاہری شکل وصورت) کو ہی ''عبادت'' سمجھا جاتا ہے جبکہ عبادت کی اصل حقیقت کچھ اور ہے۔

اب عبادت کی اصل حقیقت کو یوں سمجھیں کہ یہ بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک جسد ہے اور ایک اس کی روح۔ اصل عبادت کا جسد ''اطاعت'' ہے۔ لیکن عبادت کے حوالے سے اطاعت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے لفظ ''عبادت'' کے لغوی معنی کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ عبادت کا لفظ ''عبد'' سے مشتق ہے اور عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ عبد یا غلام اپنے آقا کی ہمہ تن اور ہمہ وقت اطاعت (غلامی) کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اس سے پہلے ہم یہ لفظ دو مرتبہ غلامی اور کلی اطاعت کے معنی میں پڑھ چکے ہیں۔ سورۃ المؤمنون میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرعون کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ کہ ان کی قوم تو ہماری غلام ہے۔ اسی طرح سورۃ الشعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمے کا حوالہ آ چکا ہے جس میں آپؑ نے فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور یہ احسان جو تو مجھے جتلا رہا ہے (کیا یہ اس کا بدلہ ہے) کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟'' اب ظاہر ہے بنی اسرائیل فرعون یا قبطیوں کی پرستش یا پوجا تو نہیں کرتے تھے' وہ ان کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور انہیں سجدہ بھی نہیں کرتے تھے۔ البتہ وہ ان کے غلام تھے اور اس حیثیت میں ان کی ''اطاعت'' کے پابند تھے۔ لہٰذا متذکرہ بالا دونوں آیات میں عبد کا لفظ کُلّی اطاعت یا غلامی کے مفہوم میں ہی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اطاعت یا غلامی دراصل عبادت کا جسد ہے جبکہ اس کی روح ''محبت'' ہے۔ یعنی اگر کسی کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی اطاعت کی جائے تو وہ اس کی عبادت ہوگی' جبکہ جبری اطاعت عبادت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ۱۹۴۷ء سے پہلے برصغیر میں ہم لوگ انگریز کی اطاعت کرتے تھے' لیکن ہماری اس اطاعت کو عبادت نہیں کہا جا سکتا' اس لیے کہ یہ جبری اطاعت تھی۔

امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے: **العبادة تجمع اَصْلَین : غايةَ الحُبِّ مع غاية الذُّلِّ والخُضوع** یعنی اللہ کی عبادت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: اس کے ساتھ غایت درجے کی محبت اور اس کے سامنے غایت درجے کا تذلل اور عاجزی کا اظہار۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان حد درجے کی محبت کے ساتھ خود کو اللہ کے سامنے بچھا دے اور اس کا مطیع و منقاد ہو جائے۔ چنانچہ اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی کلی اطاعت کرنا اصل عبادت ہے' جبکہ مراسم عبادت کی حیثیت عبادت کے ''ظاہر'' کی ہے۔

آیت زیر مطالعہ کا مضمون گویا اس سورت کا عمود ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اُس کے لیے اپنی اطاعت کو

خالص کرتے ہوئے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اللہ کی اطاعت سے آزاد کسی دوسرے کی مستقل بالذات اطاعت تو شرک ہے ہی، لیکن اگر کسی نے اللہ کی اطاعت کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کو بھی شریک کر لیا تو ایسی جزوی یا مشترکہ اطاعت اللہ کو قبول نہیں۔ ایسی اطاعت اللہ کی طرف سے ایسے اطاعت گزار کے منہ پر دے ماری جائے گی۔ اس حوالے سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۸ کا یہ حکم بہت واضح ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ ''اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ!'' یعنی اللہ کو کُلی اطاعت مطلوب ہے۔ کسی کی پچیس فی صد، پچاس فی صد یا پچھتر (۷۵) فی صد اطاعت اسے قبول نہیں۔

یہ تو ہے عبادت کی اصل روح اور اطاعت کی اصل کیفیت جو اللہ کو مطلوب ہے۔ لیکن ایک ہم ہیں جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم پانچ یا دس فیصد اطاعت پر ہی اللہ کو (نعوذ باللہ) ٹرخا دیں گے اور وہ اسی معیار کی اطاعت پر ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں سے نواز دے گا۔ دراصل ہماری اسی ٹیڑھی سوچ کی وجہ سے آج ہمارے ذہنوں سے زندگی کے تمام گوشوں میں اللہ کی کلی اطاعت اور کلی بندگی کا تصور نکل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کے اسی تصور کو زیر مطالعہ سورتوں میں ایک خاص ترتیب سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ اس مضمون کی جڑیں اس پہلی سورت میں ملیں گی اور اس کی چوٹی چوتھی سورت یعنی سورۃ الشوریٰ میں جا کر نظر آئے گی۔

آیت ۱۲ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ⑫﴾ ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلا فرماں بردار میں خود بنوں۔''

ایسا ممکن نہیں کہ میں تم لوگوں کو تو اللہ کی فرماں برداری کی دعوت دوں اور خود مجھے اس کی پروانہ ہو۔

آیت ۱۳ ﴿قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑬﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے خود اندیشہ ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔''

میں خود بھی تو اللہ کا بندہ ہوں، اور اس حیثیت سے اس کی کُلی اطاعت کا پابند ہوں۔ اس ضمن میں میرے لیے کوئی استثناء نہیں، اور اگر بالفرض میں بھی اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی اللہ کے عذاب کا اندیشہ ہوگا۔ یہ شرطیہ فقرہ ہے اور یوں سمجھیں کہ اس کے درمیان کا ''اگر'' گویا ایک پہاڑ ہے جسے پھلانگنا ناممکنات میں سے ہے۔ دراصل یہ انداز مخالفین کو معاملے کی سنجیدگی کا احساس دلانے کے لیے اختیار فرمایا گیا ہے، ورنہ حضور ﷺ کے لیے اس کا ہرگز کوئی امکان نہیں تھا۔

آیت ۱۴ ﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ⑭﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

نوٹ کیجیے! اس مضمون کو یہاں بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ اور ہر بار پڑھنے سے اس میں ایک نیا حسن نظر آتا ہے اور ایک نئی تاثیر کا احساس ہوتا ہے۔ جب کہ ہم انسانوں کی دنیا میں کسی عبارت کے اندر الفاظ یا مضمون کی تکرار اس تحریر یا تصنیف کا بہت بڑا عیب بن جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہے کہ اس کے ہاں تکرار سے کلام کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہاں اس مضمون کی غیر معمولی تکرار کی غرض و غایت کو

سمجھنے اوراس اسلوبِ خاص میں تاکید (emphasis) کی شدت کومحسوس کرنے کی بھی ضرورت ہے۔اس کے لیے سورت کے آغاز سے لے کر آیت زیر مطالعہ تک مذکورہ مضمون سے متعلقہ آیات کوایک مرتبہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔آغاز میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ' پس بندگی کرو اللہ کی اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔آگاہ ہو جاؤ کہ اطاعتِ خالص اللہ ہی کا حق ہے''۔اس کے بعد آیت ۱۱ ملاحظہ کیجیے: ﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے مجھے حکم ہوا ہے کہ میں بندگی کروں اللہ کی اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے''۔اوراب زیر مطالعہ آیت کا مضمون دیکھئے: ﴿قُلِ اللّٰہَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّہٗ دِیۡنِیۡ ﴿ۙ۱۴﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے''۔گویا تکرار پر تکرار ہے' اصرار پر اصرار ہے اور تاکید پر تاکید ہے۔

آیت ۱۵ ﴿فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ ؕ﴾ ''تو تم جس کو چاہو پوجو اُس کے سوا!''

﴿قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اصل میں خسارے میں رہنے والے وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خسارے میں ڈالا قیامت کے دن۔''

یہاں پر تو وہ حرام خوری کے ذریعے خود بھی مزے میں ہیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی عیش وعشرت کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔لیکن اس روش کو اپنا کر وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوئی بھلائی یا خیر خواہی نہیں کر رہے بلکہ حقیقت میں وہ خود کو اور ان کو جہنم کا ایندھن بنانے کے اسباب پیدا کر رہے ہیں۔سورۃ التحریم' آیت ۶ میں اہل ایمان کو اس حوالے سے خصوصی طور پر حکم دیا گیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا...... ﴾ ''اے اہل ایمان! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے......''لیکن اس کے برعکس جو شخص خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ کا مستحق بنا لے اس سے بڑھ کر اور کون گھاٹے میں ہوگا!

﴿اَلَا ذٰلِکَ ہُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۵﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ یہی تو کھلا خسارا ہے۔''

آیت ۱۶ ﴿لَہُمۡ مِّنۡ فَوۡقِہِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنۡ تَحۡتِہِمۡ ظُلَلٌ ؕ﴾ ''اُن کے لیے ان کے اوپر سے بھی آگ کے بادل ہوں گے تہہ بر تہہ اور نیچے سے بھی آگ کے بھبکے ہوں گے تہہ بر تہہ۔''

﴿ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ ؕ﴾ ''یہ وہ شے ہے جس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو۔''

﴿یٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۱۶﴾﴾ ''اے میرے بندو! پس تم مجھ سے ڈرو۔''

میری ان وعیدوں سے ڈر کر تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

آیت ۱۷ ﴿وَ الَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ یَّعۡبُدُوۡہَا﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت سے کنارہ کشی کر لی (اس طرح) کہ اُس کی بندگی نہ کی''

طاغوت کا لفظ قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔سب سے پہلے ہم نے یہ لفظ سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں

پڑھا تھا: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (آیت ۲۵۷) ''تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرے اور پھر اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بہت مضبوط حلقہ تھام لیا''۔ لفظ طاغوت کا مادہ ''طغی'' ہے اور اس کے معنی سرکشی کے ہیں۔ اسی مادہ سے اردو لفظ ''طغیانی'' مشتق ہے۔ دریا اپنے کناروں کے اندر بہہ رہا ہو تو بہت خوبصورت منظر پیش کرتا ہے لیکن جب وہ اپنی ''حدود'' سے باہر نکل آئے تو ہم کہتے ہیں کہ دریا میں طغیانی آ گئی ہے۔ اسی طرح انسان اگر اللہ کی بندگی کی حد میں رہے تو وہ اللہ کا بندہ ہے' اُس کا خلیفہ ہے اور اشرف المخلوقات ہے۔ لیکن اگر بندگی کی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ ''طاغوت'' ہے۔ پھر چاہے ان حدود کو پھلانگنے کے بعد وہ اپنے نفس کا بندہ بن جائے یا کسی اور کو اپنا مطاع بنا لے' خود حاکم بن بیٹھے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کی حاکمیت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے' اللہ کی نظر میں وہ طاغوت ہی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے کنارہ کشی کر لی اس سے کہ وہ طاغوت کی اطاعت یا بندگی کریں:

﴿وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾﴾ ''اور انہوں نے رجوع کر لیا اللہ کی طرف' اُن کے لیے بشارت ہے' تو (اے نبی ﷺ!) میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ! اب اگلی آیت بہت اہم ہے' اس میں ان بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے جنہیں بشارت دی جا رہی ہے۔

آیت ۱۸ ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ ''جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں' پھر اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔''

یعنی یہ دین جس کی طرف اللہ تمہیں بلا رہا ہے اس کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ پہلا درجہ اسلام ہے' اس سے اونچا درجہ ایمان اور پھر سب سے اونچا درجہ احسان ہے۔ درجہ احسان پر فائز لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾﴾ (المائدۃ) کی بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ دین کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ محنت کریں اور ہر لمحہ بہتر سے بہتر درجے پر پہنچنے کی فکر میں رہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ دُنیوی معاملات میں تو ہمارا ماٹو بقول حالی یہ ہے کہ:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں!

جبکہ دین کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ ہم کم سے کم پر گزارا کرنا چاہتے ہیں بلکہ پسپائی اختیار کرنے کی فکر میں ہر وقت کسی گنجائش اور رعایت کی تلاش میں رہتے ہیں۔ حالانکہ ایک بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ دنیا کے معاملے میں تو کم سے کم پر گزارا کرے اور دین کے معاملے میں ہمیشہ عزیمت کا راستہ اختیار کرنے کی فکر میں رہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل مند ہیں۔''

آیت ۱۹ ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ﴾ ''تو کیا وہ شخص جس پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فیصلہ!''

اس کے بعد یہ جملہ گویا محذوف ہے: كَمَنْ هُوَ فِى الْجَنَّةِ؟ یعنی جو شخص عذاب کا مستحق ہو چکا ہے کیا وہ

اس شخص کے برابر ہو جائے گا جو کہ جنت میں جانے والا ہے؟

﴿اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۝۱۹﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ اُس کو بچا سکیں گے جو آگ میں ہے؟“

یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب سے متعلق اللہ کے قانون کی زد میں آ چکے ہیں۔ اتمامِ حجت ہو جانے کے بعد ان کے دلوں پر مہریں لگا دی گئی ہیں۔ وہ گمراہی میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ اب ایمان کی طرف ان کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ چنانچہ اب وہ آگ کا ایندھن بننے والے ہیں اور اس مرحلے پر آپؐ ان کو اس بھیانک انجام سے نہیں بچا سکتے۔

آیت ۲۰ ﴿لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ﴾ ”لیکن وہ لوگ جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ہوں گے بالا خانوں پر بالا خانے (ایک دوسرے کے اوپر) چُنے ہوئے۔“

اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں کئی کئی منزلہ رہائش گاہیں (skyscrapers) عطا فرمائے گا۔

﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ﴾ ”ان کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔“

﴿وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ۝۲۰﴾ ”یہ اللہ کا وعدہ ہے‘ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“

آیات ۲۱ تا ۳۵

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي
الْاَلْبَابِ ۝۲۱ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ ع ۲ ۱۲ ۱۶
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۲ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ
وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ هَادٍ ۝۲۳ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵
فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۲۸ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا
سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ اِنَّكَ مَيِّتٌ

وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى
اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ
وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

الجزء الرابع والعشرون (۲۴) ع

آیت ۲۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی' پھر اس کو چلا دیا چشموں کی شکل میں زمین میں''

﴿ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ ''پھر اس کے ذریعے سے وہ نکالتا ہے کھیتی جس کے مختلف رنگ ہیں''

﴿ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ ''پھر وہ پک کر تیار ہو جاتی ہے' پھر تم اسے دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی ہے''

﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ﴾ ''پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔''

کچھ عرصہ پہلے جس کھیت میں فصل لہلہا رہی تھی اب وہاں خاک اُڑ رہی ہے اور خشک بھوسے کے کچھ تنکے ہیں جو اِدھر اُدھر بکھرے نظر آ رہے ہیں۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝﴾ ''یقیناً اس میں یاد دہانی (اور سبق) ہے ہوشمند لوگوں کے لیے۔''

یعنی اگر غور سے دیکھا جائے تو فصل کے اُگنے' نشوونما پا کر پوری طرح تیار ہونے' پک کر سوکھ جانے اور پھر کٹ کر چورا چورا ہو جانے میں انسانی زندگی ہی کے مختلف مراحل کا نقشہ نظر آتا ہے۔ جس طرح فصل کے اُگنے پر کسان خوش ہوتا ہے اسی طرح ہمارے ہاں بچے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پھر وہ بچہ پرورش پا کر جوان ہوتا ہے' اس کے بعد آہستہ آہستہ بالوں میں سفیدی آنے لگتی ہے۔ جوانی کی طاقت گھٹنا شروع ہو جاتی ہے' قویٰ کمزور پڑنے لگتے ہیں اور پھر ایک دن اسے قبر میں اتار دیا جاتا ہے' جہاں وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ موسمی فصلوں اور انسانوں کا life cycle ایک سا ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ فصل کے اگنے سے لے کر کٹنے تک چند ماہ کا عرصہ درکار ہے جبکہ انسانی زندگی میں یہ دورانیہ پچاس ساٹھ سال کا ہے۔ بہرحال ''زندگی'' دونوں جگہ مشترک ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو نباتاتی زندگی (Botany) اور حیوانی زندگی (Zoology) دونوں حیاتیات (Biology) ہی کی شاخیں ہیں۔

آیت ۲۲ ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ''بھلا وہ شخص کہ جس کے سینے کو اللہ نے کھول دیا ہے اسلام کے لیے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے!''

یہاں پھر وہی ''حذف'' کا اسلوب ہے۔ چنانچہ اس جملے کے بعد یہاں پر کَمَنْ هُوَ فِي الظُّلُمٰتِ کا جملہ

محذوف مانا جائے گا۔ یعنی ایک وہ شخص ہے جسے اندرونی بصیرت حاصل ہے اور اس کا دل ایمان کے نور سے جگمگا رہا ہے' کیا وہ اس شخص کی طرح ہو جائے گا جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے؟

﴿فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''تو ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہو گئے ہیں اللہ کے ذکر سے۔''

ان کے دل نرمی اور گداز سے محروم ہو چکے ہیں' چنانچہ اب نہ تو ان کے دلوں میں اللہ کے ذکر کا ذوق ہے اور نہ ہی اس کی طرف رجوع کرنے کا شوق۔

﴿اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۲﴾﴾ ''یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''

آیت ۲۳ ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ﴾ ''اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے کتاب کی صورت میں' جس کے مضامین باہم مشابہ ہیں اور بار بار دہرائے گئے ہیں''

ہمارے ہاں لوگ عام طور پر لفظ ''حدیث'' کے صرف ایک ہی مفہوم سے آشنا ہیں جو کہ اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے' یعنی فرمانِ رسولؐ کو اصطلاحاً حدیث کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس لفظ کے لغوی معنی بات یا کلام کے ہیں اور قرآن میں لفظ ''حدیث'' اسی مفہوم میں آیا ہے۔ جیسے سورۃ المرسلات میں فرمایا گیا: ﴿فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍ ۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ کہ اس قرآن کے بعد اب یہ لوگ بھلا اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ کا مطلب ہے: بہترین کلام۔

مُّتَشَابِهًا سے مراد قرآن کے الفاظ' اس کی آیات اور اس کے مضامین کا باہم مشابہ ہونا ہے۔ یہ مشابہت قرآن کے اہم مضامین کی تکرار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ قصہ آدمؑ و ابلیس قرآن میں سات مقامات پر مذکور ہے۔ بظاہر سب مقامات پر یہ قصہ ایک سا معلوم ہوتا ہے مگر ہر جگہ سیاق و سباق کے حوالے سے اس میں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور سامنے آتی ہے۔ اگر ایک شخص اپنے معمول کے مطابق سات روز میں قرآن مجید ختم کرتا ہو تو وہ ہر روز کہیں نہ کہیں اس قصے کی تلاوت کرے گا۔ اس لحاظ سے اس قصے کی تفصیلات' متعلقہ آیات اور ان آیات کے الفاظ اسے باہم مشابہ محسوس ہوں گے۔ اسی طرح بعض سورتوں کی بھی آپس میں گہری مشابہت ہے اور اسی مشابہت کی بنا پر انہیں جوڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے —— مَثَانِىَ کا معنی ہے دہرائی ہوئی یا جوڑوں کی صورت میں۔

﴿تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ﴾ ''اس (کی تلاوت) سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

متقی لوگ جب قرآن مجید کو پڑھتے ہیں تو ان پر اللہ کا خوف طاری ہو جاتا ہے اور اس خوف کی وجہ سے ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

﴿ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے نرم پڑ جاتے ہیں۔''

یعنی ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک پڑتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳﴾ ''اور جس کو اللہ گمراہ کر دے پھر اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

جس کی گمراہی پر اللہ ہی کی طرف سے مہر ثبت ہو چکی ہو پھر اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

آیت ۲۴ ﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''بھلا وہ شخص جو اپنے چہرے پر روکے گا بدترین عذاب قیامت کے دن!''

یہ پھر وہی حذف کا اسلوب ہے کہ بھلا ایک شخص جس کا چہرہ قیامت کے دن بدترین عذاب کی زد میں ہوگا اور آگ کے تھپیڑوں کو اپنے چہرے پر روکنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا' کیا وہ اس شخص کے برابر ہو جائے گا جو ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝۸۹﴾ (الواقعہ) کے مزے لے رہا ہوگا؟

﴿وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴﴾ ''اور کہہ دیا جائے گا اُن ظالموں سے کہ اب چکھو مزہ اس کا جو کچھ کمائی تم کرتے رہے تھے۔''

انہیں جتلا دیا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے اعمال ہی ہیں جنہوں نے آج یہاں آگ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

آیت ۲۵ ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جھٹلایا تھا انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے' تو اُن پر آن دھمکا عذاب وہاں سے جہاں سے انہیں گمان تک نہیں تھا۔''

آیت ۲۶ ﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''تو اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھا دیا۔''

﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!''

آیت ۲۷ ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ''اور ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں''

مختلف احکام و مسائل کو قرآن میں کھول کھول کر اور اسلوب بدل بدل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

﴿لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷﴾ ''شاید کہ وہ سبق حاصل کریں۔''

آیت ۲۸ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۲۸﴾ ''(ہم نے اسے بنا دیا ہے) قرآنِ عربی' اس میں کوئی کجی نہیں ہے' شاید کہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کریں۔''

ہم نے اس قرآن کو فصیح و بلیغ عربی میں اتارا ہے۔ اس کی زبان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ اس حوالے سے سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی ہے: ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾ ''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے' تو ہے کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا؟''

آیت ۲۹ ﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ﴾ ''اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے ایک شخص کی جس میں بہت سے آپس میں ضد رکھنے والے آقا شریک ہیں اور ایک وہ شخص ہے جو پورے طور پر ایک ہی آقا کا غلام ہے۔''

یہ تمثیل ''توحیدِ عملی'' کا مفہوم واضح کرنے کے لیے بیان فرمائی جا رہی ہے۔ یہ دو غلاموں کی حالت کا تقابل ہے۔ ایک غلام کے کئی آقا ہیں اور وہ بھی ضدی' مختلف الاغراض اور مختلف مزاج رکھنے والے۔ اور دوسرا غلام وہ ہے جس کا ایک ہی آقا ہے۔ مقامِ غور ہے کہ اگر چار آپس میں ضد رکھنے والے اور تند خو آدمیوں نے مل کر ایک غلام خرید رکھا ہے تو اس غلام کی جان تو ہر وقت مصیبت میں پھنسی رہے گی۔ ایک آقا اسے بیٹھنے کا کہے گا تو دوسرا اٹھنے کا حکم دے گا۔ تیسرا کوئی اور فرمائش کرے گا اور چوتھا کچھ اور کہے گا۔ وہ بے چارا ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرے گا تو دوسرا ناراض ہو جائے گا۔ الغرض ایسے غلام کے لیے ایک وقت میں اپنے سب آقاؤں کو خوش رکھنا کسی طور بھی ممکن نہیں۔ اس کے برعکس اگر کسی غلام کا ایک ہی آقا ہو تو اس کے لیے اپنے اس آقا کو خوش کرنا اور مطمئن رکھنا بہت آسان ہو گا۔ اس مثال کی اہمیت انتظامی امور کے حوالے سے بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ اگر کسی ملک یا ادارے کا ایک مقتدر سربراہ ہو گا تو اس کا نظام درست رہے گا' لیکن جہاں متوازی حکم چلانے والے کئی سربراہ ہوں گے تو وہاں لازمی طور پر فساد مچ جائے گا۔

اب اس مثال کی روشنی میں شرک اور توحید کے معاملے کو دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگر تم ایک اللہ کے بندے بن کر رہو گے تو سکون اور چین سے رہو گے۔ اگر مختلف شخصیات اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری بنو گے تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ ایک کو خوش کرو گے تو دوسرا ناراض ہو جائے گا۔ آخر کس کس معبود کی پوجا کرو گے؟ کتنے آقاؤں کے حضور نذرانے پیش کرو گے؟ اور کہاں کہاں جا کر پیشانی رگڑو گے؟ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

﴿ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ﴾ ''کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں مثال میں؟''

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ؕ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''کل تعریف اللہ کے لیے ہے' لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

یعنی بات واضح ہو گئی کہ توحید ہی صحیح راستہ ہے' لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا جانتے بوجھتے ناسمجھ بنے بیٹھے ہیں۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یقیناً موت آپ پر بھی وارد ہو گی اور یہ

سب بھی مرنے والے ہیں۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝﴾ ’’پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس آپس میں جھگڑو گے۔‘‘

اس جھگڑے کی نوعیت کچھ یوں ہوگی کہ حضور ﷺ شہادت دیں گے کہ اے اللہ! میں نے تیرا پیغام کماحقہ ان تک پہنچا دیا تھا۔ ممکن ہے وہاں ان میں سے کچھ لوگ انکار کریں کہ نہیں نہیں یہ بات ان تک نہیں پہنچی تھی اور بحث وتکرار کی نوبت آجائے۔ ابلاغِ رسالت کے بارے میں پیغمبروں کی گواہی اور متعلقہ اُمتوں کے افراد سے جواب طلبی کے حوالے سے سورۃ الاعراف کی یہ آیت بہت اہم ہے: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ ’’ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور ان سے بھی پوچھیں گے جنہیں رسول بنا کر بھیجا تھا‘‘۔ چنانچہ وہاں سب پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ لوگوں نے ہمارا پیغام اپنی اپنی قوموں تک پہنچا دیا تھا؟ جواب میں تمام پیغمبر گواہی دیں گے کہ اے اللہ ہم نے پہنچا دیا تھا۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر موجود لوگوں سے استفسار فرمایا تھا: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟ جواب میں پورے مجمعے نے یک زبان ہو کر کہا تھا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ!(۱) کہ حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ' امانت اور نصیحت کا حق ادا کر دیا! اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! کہ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ' یہ لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))(۲) کہ اب جو لوگ موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس طرح آپؐ نے یہ فریضہ امت کی طرف منتقل فرما دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کے بعد یوں سمجھیں کہ اب یہ پوری امت اللہ کے رسولؐ کی رسول ہے (سورۂ یٰسٓ کی آیت ۱۴ کے تحت اس اصطلاح کی وضاحت کی جا چکی ہے)۔ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے جو پیغام ان تک پہنچایا ہے اب انہوں نے اسے پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا ہے۔

حضور ﷺ کی اُمت کے اس اعزاز اور فریضہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقامات پر فرمایا ہے' ہجرت سے متصلاً قبل سورۃ الحج میں اور ہجرت سے متصلاً بعد سورۃ البقرۃ میں۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں یوں فرمایا: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ ’’اُس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے جدِ امجد ابراہیمؑ کی ملت پر۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا' اس سے پہلے بھی (تمہارا یہی نام تھا) اور اس (کتاب) میں بھی' تا کہ پیغمبر تم پر گواہ

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی ﷺ۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الاضاحی' باب من قال الاضحی یوم النحر۔ وصحیح مسلم' کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو''۔ سورۃ البقرۃ میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں پھر سے دہرایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (آیت ۱۴۳) ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو''۔ دونوں مقامات پر الفاظ ایک سے آئے ہیں صرف الفاظ کی ترتیب تبدیل ہوئی ہے۔

آیت ۳۲ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ﴾ ''اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جھٹلائے سچی بات کو جبکہ اس کے پاس آ گئی ہو!''

یہ دونوں خصوصیات ایک ہی شخص کے کردار میں بھی ہو سکتی ہیں کہ وہ اللہ پر جھوٹ بھی باندھ رہا ہو اور اللہ کی طرف سے جو حق اس کے پاس آیا ہے اس کی تکذیب یا نفی بھی کر رہا ہو۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ کرداروں کا ذکر ہو۔ یعنی ایک وہ شخص جو اپنی کسی بات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے دعویٰ کرے کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اسی درجے کا ظالم وہ شخص بھی ہوگا جس کے پاس اللہ کا کلام پہنچ جائے جو کہ سراسر حق ہے اور وہ اس حق کو جھٹلا دے۔

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲﴾ ''تو کیا جہنم ہی میں ٹھکانہ نہیں ہے ایسے کافروں کا!''

اب اگلی آیت میں اس کے برعکس کردار کا ذکر ہے:

آیت ۳۳ ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ ''اور وہ شخص جو سچائی لے کر آیا اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی''

گزشتہ آیت کی طرح یہاں بھی دونوں احتمالات موجود ہیں۔ یعنی یہ الگ الگ دو کردار بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں خوبیاں کسی ایک ہی شخص میں پائی جائیں کہ وہ راست باز بھی ہے اور حق کی تصدیق کرنے والا بھی۔ لیکن اس آیت کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ یہاں وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد محمدٌ رسول اللہ ﷺ ہیں جو اللہ کی طرف سے حق اور سچائی لے کر آئے ہیں اور وَصَدَّقَ بِهٖٓ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اس سچائی کی بلاحیل وحجت تصدیق کی۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳﴾ ''یہی لوگ ہیں کہ جو متقی ہیں۔''

آیت ۳۴ ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۴﴾ ''ان کے لیے اپنے رب کے پاس وہ سب کچھ ہے جو یہ چاہیں گے۔ یہی بدلہ ہے نیکوکاروں کا!''

آیت ۳۵ ﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ ''تاکہ اللہ ان سے دور کر دے اُن کے بُرے اعمال کو''

ظاہر بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو معصوم ہیں۔ ان سے اگر بر بنائے طبع بشری کسی غلط بات کا امکان پیدا ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کے صدور سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن انبیاءؑ کے علاوہ تو ہر شخص سے غلطی اور خطا کا امکان ہے۔ چنانچہ اوپر کی آیات میں جن متقین اور محسنین کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف

فرما کر ان کے نامہ ہائے اعمال کو برائیوں اور گناہوں سے بالکل پاک کر دے گا۔

﴿وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور ان کو اجر عطا فرمائے ان کے بہترین اعمال کے حساب سے۔''

ظاہر بات ہے کہ ہر نیک شخص کے تمام نیک اعمال ایک جیسے نہیں ہوتے' یعنی نیکیوں کی بھی درجہ بندی ہے۔ کوئی نیکی بہت اعلیٰ درجے کی ہے تو کوئی نسبتاً نچلے درجے کی۔ لہٰذا مذکورہ لوگوں کے اعمال کی جزا دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کے بلند ترین درجے کے اعمال کو مدنظر رکھے گا اور ان ہی اعمال کی مطابقت سے جنت میں انہیں مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا' جبکہ ان کے برے اعمال کے منفی اثرات سے انہیں پاک کر دے گا۔

آیات ۳۶ تا ۴۱

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع

آیت ۳۶ ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ﴾ ''کیا اللہ کافی نہیں ہے اپنے بندے کے لیے؟''

یہاں بالخصوص نبی اکرم ﷺ اور تبعاً اہل ایمان کی تسلی مقصود ہے کہ آپ لوگ مطمئن رہیں' اللہ آپ کی مدد اور حفاظت کے لیے کافی ہے۔ لیکن بات میں زور پیدا کرنے کے لیے سوالیہ انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔

﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ کو ڈراتے ہیں اُن سے جو اُس کے علاوہ (ان کے معبود) ہیں۔''

یہ لوگ اپنے جھوٹے معبودوں کی طرف سے آپؐ کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ آپ پر ان کی کوئی پھٹکار پڑ جائے گی۔ اسی طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی آپؑ کی قوم نے دھمکی دی تھی کہ آپ نے ہمارے سارے معبودوں کی نفی کر کے انہیں ناراض کر دیا ہے' اب آپ پر ان کی پھٹکار پڑے گی اور ان کی طرف سے آپ کی پکڑ ہوگی۔ ان کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا (الانعام: ۸۱) کہ ''میں ان سے کیونکر ڈروں جن کو تم نے شریک ٹھہرایا ہے جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی!'' یعنی بدبختو! مجھے تم ان پتھر کے بتوں سے کیا ڈراتے ہو' جب کہ ڈرنا تو تم

لوگوں کو چاہیے کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو!

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۶﴾ ''اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اُس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔''

جس کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے اس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔

آیت ۳۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ﴾ ''اور جس کو اللہ ہدایت دے دے تو اُسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔''

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝۳۷﴾ ''تو کیا اللہ زبردست' انتقام لینے والا نہیں ہے؟''

آیت ۳۸ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے!''

﴿قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ﴾ ''تو ان سے کہیے کہ ذرا غور کرو! جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا' اگر اللہ نے میرے لیے کسی تکلیف کا فیصلہ کر لیا ہے تو کیا وہ (تمہارے معبود) اُس تکلیف کو دور کر سکیں گے؟''

دراصل مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑے معبود کے طور پر تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی انہوں نے بہت سے چھوٹے معبود بھی بنا رکھے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں ان کے اسی عقیدے کے مطابق ایک منطقی سوال کیا گیا ہے کہ اگر تمہارا بڑا معبود اللہ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کر لے تو اس کے بعد کیا اس بڑے کا حکم چلتا ہے یا اس کے مقابلے میں تمہارے یہ چھوٹے معبود بھی اپنی من مرضی کرتے ہیں؟ اور اگر بالفرض اللہ نے میرے لیے کسی ضرر کا فیصلہ کر لیا ہے تو کیا تمہارے یہ معبود اس کے اس فیصلے کے آڑے آ سکتے ہیں؟

﴿اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ ''یا اگر اُس نے میرے لیے رحمت کا کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو کیا وہ اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟''

﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے تو اللہ ہی کافی ہے! اور اُسی پر توکل کرتے ہیں توکل کرنے والے۔''

آیت ۳۹ ﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ ''آپ کہیے کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ پر جو کر سکتے ہو کر لو''

تم لوگ اپنی پوری قوت مجتمع کر لو اور پھر میرے خلاف جو تدبیریں بروئے کار لا سکتے ہو' جو سازشیں کر سکتے ہو اور جو اقدام کر سکتے ہو کر گزرو!

﴿اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۹﴾ ''میں بھی اپنی سی محنت کر رہا ہوں' پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

آیت ۴۰ ﴿مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾﴾ ”کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اُسے رسوا کردے اور اُس پر وہ عذاب نازل ہو جائے جو ہمیشہ رہنے والا ہو!“

آیت ۴۱ ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کر دی ہے لوگوں کے لیے حق کے ساتھ۔“

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ﴾ ”تو جو کوئی ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔“

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ﴾ ”اور جو کوئی گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر آئے گا۔“

﴿وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾﴾ ”اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔“

آپ ﷺ ان لوگوں کے انجام کے بارے میں جوابدہ نہیں ہیں۔ آپؐ کی ذمہ داری ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی حد تک ہے اور قیامت کے دن اسی کے بارے میں آپؐ سے پوچھا جائے گا۔

آیات ۴۲ تا ۵۲

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا
الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ
الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا
وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ
الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۱۱ ۲

آیت ۴۲ ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾ ’’اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت‘‘
﴿وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ﴾ ’’اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں۔‘‘
يَتَوَفّٰى (فعل مضارع) وفی مادہ سے باب تفعّل ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا قبضے میں لے لینا۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ میں یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے آیا ہے اور وہاں لغوی اعتبار سے اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد قرآن حکیم کے اس مطالعہ کے دوران جہاں بھی اس مادہ سے کوئی لفظ آیا میں نے خصوصی طور پر اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس لفظ کی بنیاد پر قادیانیوں نے لوگوں کے ذہنوں میں جو اشکالات پیدا کر رکھے ہیں ان کا منطقی جواب مل سکے۔ چنانچہ اس کا مفہوم یوں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت ان کی جانوں اور ان کے شعور کو قبض کر لیتا ہے۔

نیند کی کیفیت میں انسان کا فہم و شعور اور اختیار و ارادہ سلب کر لیا جاتا ہے مگر روح موجود رہتی ہے۔ جبکہ موت کی حالت میں روح اور شعور دونوں چلے جاتے ہیں' صرف جسم پیچھے رہ جاتا ہے۔ چونکہ اس مادے میں کسی چیز کو مکمل اور پورے کا پورا لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لیے لفظ تَوَفّی کا بتمام و کمال اطلاق تو حضرت مسیح علیہ السلام کے (روح' شعور اور جسم سمیت) رفع آسمانی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ جبکہ نیند کے حوالے سے یہ لفظ استعارۃً بولا جاتا ہے۔

﴿فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ﴾ ’’تو جس کی موت کا وہ فیصلہ کر چکا ہو اس کو اپنے پاس روکے رکھتا ہے اور دوسروں کو واپس بھیج دیتا ہے ایک وقتِ معیّن تک کے لیے۔‘‘

یعنی سونے والا جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کا فہم و شعور اور اختیار و ارادہ واپس آ جاتا ہے اور ایک وقت معین یعنی اس کی موت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو ہر روز موت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا مشاہدہ کراتا رہتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۲﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ﴾ ’’کیا انہوں نے اللہ کے سوا کوئی سفارشی بنا رکھے ہیں؟‘‘
﴿قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۳﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہیے اگرچہ انہیں سرے سے کوئی اختیار ہی نہ ہو اور نہ ہی انہیں کچھ سمجھ ہو (پھر بھی وہ تمہاری شفاعت کریں گے)؟‘‘

آیت ۴۴ ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ﴾ ’’آپؐ کہیے کہ شفاعت کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے۔‘‘
قیامت کے دن جو کوئی بھی کسی کی شفاعت کرے گا تو وہ اللہ کی اجازت سے ہی کرے گا' اور پھر کسی شفاعت کا قبول کرنا یا نہ کرنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بات اللہ سے منوا لے۔
﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۴۴﴾ ’’آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی

کے لیے ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اور جب ذکر کیا جاتا ہے اکیلے اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل کُڑھنے لگتے ہیں۔''

یہ اصلاً تو کفار کا ذکر ہے' مگر مسلمانوں میں سے بھی جو مشرکانہ ذوق رکھتے ہیں ان کا یہی حال ہے کہ اگر کہیں صرف اللہ ہی کی بات ہو رہی ہو تو انہیں یہ اچھا نہیں لگتا۔ کسی تقریر یا وعظ میں اگر ساری گفتگو توحید پر ہی ہو تو عام طور پر لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ یہ کیا بات ہوئی؟ یہ کیسی تقریر ہے جس میں نہ تو اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر کیا جا رہا ہے اور نہ ہی شانِ نبوت بیان ہو رہی ہے!

﴿وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تب وہ خوش ہو جاتے ہیں۔''

آیت ۴۶ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ''آپؐ کہیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غائب اور حاضر کے جاننے والے!''

﴿اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۶﴾ ''یقیناً تُو فیصلہ کرے گا اپنے بندوں کے مابین اُن تمام چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہوتا جو بھی زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہوتا تو وہ قیامت کے دن بُرے عذاب سے بچنے کے لیے وہ سب فدیہ میں دے دیتے۔''

روزِ محشر اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی دولت ہو بلکہ اتنی اور بھی ہو تو وہ چاہیں گے کہ وہ سب کچھ دے دیں اور انہیں کسی طرح جہنم کے عذاب سے بچا لیا جائے۔ انسان کی اس کیفیت کا مشاہدہ تو یہاں دنیا میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب کبھی انسان کی جان پر بن جاتی ہے تو وہ ایک گھونٹ پانی کے لیے اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہاں یہ اسلوب صرف انسانوں کے سمجھانے کے لیے آیا ہے' ورنہ اُس دن نہ تو کسی کے پاس کچھ دینے کو ہو گا اور نہ ہی کوئی کسی کو کچھ دے سکے گا۔

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷﴾ ''اور (اُس روز) ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ کچھ آ جائے گا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا۔''

آج وہ سمجھتے ہیں کہ جہنم اور اس کے عذابوں کی حقیقت کچھ بھی نہیں' بلکہ ان کا خیال ہے کہ جس طرح بچوں کو کوئی بات منوانے کے لیے فرضی چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے اسی طرح ہمیں بھی خالی ڈراوے دیے جا رہے ہیں اور جہنم کا 'ہوا' دکھایا جا رہا ہے۔ لیکن اس دن جہنم کو اس کے تمام تر عذابوں اور سختیوں کے ساتھ ان کے سامنے لایا جائے گا اور پھر ان سے پوچھا جائے گا: ﴿اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ﴾ (الانعام: ۳۰) کہ جو کچھ

اب تم اپنے سامنے دیکھ رہے ہو کیا یہ حقیقت نہیں؟ تو اُس وقت وہ تسلیم کریں گے کہ ہاں کیوں نہیں‘ ہمارے پروردگار کی قسم! واقعی یہ تو ایک حقیقت ہے۔

آیت ۴۸ ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ”اور ان کے سامنے آ جائیں گے اُن کی کمائی کے سارے بُرے نتائج اور ان کو گھیرے میں لے لے گی وہ چیز جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

آیت ۴۹ ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا﴾ ”تو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے“

﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا﴾ ”پھر جب ہم اسے لپیٹ دیتے ہیں اپنی نعمت میں“

﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ ”تو وہ کہتا ہے مجھے تو یہ ملا ہے اپنے علم کی بنیاد پر۔“

وہ کہتا ہے کہ یہ تو میری سمجھ‘ ذہانت و فطانت اور منصوبہ بندی کا کمال ہے۔ میں نے بہت پہلے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ عنقریب اس چیز کی ڈیمانڈ آنے والی ہے‘ چنانچہ میں نے بروقت فیکٹری لگالی اور یوں میرے وارے نیارے ہو گئے۔ یہ مضمون سورۃ القصص کے آٹھویں رکوع میں قارون کے حوالے سے بڑی وضاحت کے ساتھ آ چکا ہے۔ اس نے بھی اپنی دولت کے بارے میں کہا تھا: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (آیت ۷۸) کہ یہ سب کچھ تو مجھے میری ذہانت و فطانت کی وجہ سے ملا ہے۔

﴿بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ”بلکہ یہ تو ایک آزمائش ہے‘ لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

آیت ۵۰ ﴿قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”ان سے پہلوں نے بھی یہی بات کہی تھی“

مثلاً قارون بھی ایسے ہی دعوے کیا کرتا تھا۔

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ”تو جو کچھ بھی انہوں نے کمائی کی تھی وہ ان کے کسی کام نہ آ سکی۔“

جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا تو اپنی اس دولت کے بل پر وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہ پایا۔

آیت ۵۱ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ ”پس انہیں اس کے بد نتائج پہنچ گئے جو وہ کماتے تھے۔“

﴿وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ﴾ ”اور اِن میں سے بھی جو لوگ ظلم (شرک) کی روش اختیار کریں گے“

﴿سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ ”ان کو پہنچ کر رہیں گے ان کے کرتوتوں کے برے نتائج‘ اور وہ (اللہ کو) عاجز کر دینے والے نہیں ہیں۔“

آیت ۵۲ ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”کیا یہ جانتے نہیں کہ اللہ ہی ہے جو کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔“

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں۔''

آیات ۵۳ تا ۶۳

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ
الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ
یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ
یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَۃً وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ۙ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ
جَنۡۢبِ اللّٰہِ وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ۙ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ ہَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾ۙ
اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ اٰیٰتِیۡ
فَکَذَّبۡتَ بِہَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ
وُجُوۡہُہُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ وَ یُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا
بِمَفَازَتِہِمۡ ۫ لَا یَمَسُّہُمُ السُّوۡٓءُ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۫ وَّ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ
وَّکِیۡلٌ ﴿۶۲﴾ لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ع

آیت ۵۳ ﴿قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے!''

قُلۡ یٰعِبَادِیَ کا اندازِ تخاطب اس سورت میں یہاں دوسری مرتبہ آیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا: ﴿قُلۡ یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو''۔ اب یہاں گویا پھر سے یاددہانی کرائی جا رہی ہے کہ اب تک کی زندگی اگر تم لوگوں نے غفلت میں گزار دی ہے تو اب بھی وقت ہے' اب بھی ہوش میں آ جاؤ! اور اگر تم نے اب تک اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو:

﴿لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف فرما دے گا۔''☆

لیکن اس معافی کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اُس کے حضور خلوصِ دل سے توبہ کرو' حرام خوری چھوڑ دو' معصیت کی روش ترک کر دو اور آئندہ کے لیے اپنے اعمال کو درست کر لو۔ ایسی توبہ کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف

☆ توبہ کے موضوع پر یہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے —— توبہ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''توبہ کی عظمت اور تاثیر'' کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔ (مرتب)

سے یہ ملے گا کہ تمہارے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ سورۃ الفرقان میں اس بارے میں بہت واضح حکم موجود ہے: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾﴾ ''سوائے اُس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے' تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے' اور اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے تو یہی شخص توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے''۔ چنانچہ سابقہ گناہوں کی معافی توبہ سے ممکن ہے' لیکن توبہ وہی قبول ہوگی جس کے بعد انسان کے اعمال درست ہو جائیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو رسمی اور زبانی توبہ بے معنی ہے۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾﴾ ''یقیناً وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ ''اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو' اور اُس کے فرمانبردار بن جاؤ''

﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اس سے پہلے کہ تم پر عذاب مسلط ہو جائے' پھر تمہاری کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور پیروی کرو اس کے بہترین پہلو کی جو نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے''

یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۱۸ میں بھی آ چکا ہے' وہاں پر ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ گویا قرآن جو راستہ تم لوگوں کو دکھا رہا ہے اس میں بھی مختلف درجات ہیں۔ ان درجات کا ذکر سورۃ التوبہ کی اس آیت میں بھی ہوا ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (آیت ۱۰۰) ''اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے' اور وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی کے ساتھ''۔ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں بھی چار مدارج کا ذکر ہے۔ ان میں پہلا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے' دوسرے درجے پر صدیقین ہیں' تیسرے درجے پر شہداء اور چوتھے پر صالحین۔ سورۃ الحدید میں یہ مضمون زیادہ واضح انداز میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں قرآن کے اتباع میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کو پانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''اس سے پہلے کہ تم پر عذاب اچانک آ دھمکے اور تمہیں اس کا گمان تک نہ ہو۔''

آیت ۵۶ ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ ''مبادا کہ اُس وقت کوئی جان یہ کہے کہ ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو مجھ سے اللہ کی جناب میں ہوئی''

ہائے میری بدقسمتی کہ میں زندگی بھر اپنے دھندوں میں اس طرح مگن رہا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچان ہی نہ سکا۔ میرے سامنے اللہ کا دین مغلوب تھا مگر میں اس کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے کے بجائے اپنی عیش و

عشرت کے مواقع ڈھونڈنے اور اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے میں لگا رہا۔ میں نے دنیا کے مال و متاع کو ہی اپنا معبود سمجھ لیا اور عمر بھر اسی کے لیے اپنا تن مَن دھن کھپاتا رہا۔

﴿وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾﴾ ''اور میں تو مذاق اڑانے والوں ہی میں شامل رہا۔''

میں نے اللہ تعالیٰ اس کے دین اور آخرت کی باتوں کو نہ کبھی دھیان سے سنا اور نہ ہی کبھی سنجیدگی سے ان پر غور کیا' بلکہ میں تو ہمیشہ ان باتوں کا مذاق ہی اڑاتا رہا۔

آیت ۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾﴾ ''یا وہ یہ کہے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دی ہوتی تو میں بھی متقین میں سے ہو جاتا!''

اگر کوئی شخص ایسے کہے گا تو گویا وہ اپنے اس اختیار کی نفی کرے گا جو اسے انسان کی حیثیت سے دنیا میں عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اشرف المخلوقات بنایا تھا اور اختیار دیا تھا: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾﴾ (الدھر) کہ چاہو تو میرے شکر گزار بندے بن کر رہو اور چاہو تو نافرمان اور ناشکرے بن جاؤ۔

آیت ۵۸ ﴿اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾﴾ ''یا جب وہ عذاب کو دیکھے تو یوں کہے کہ اگر مجھے ایک بار لوٹنا نصیب ہو جائے تو میں محسنین میں سے ہو جاؤں!''

یعنی اگر مجھے ایک دفعہ دنیا میں دوبارہ جانے کا موقع مل جائے تو میں صرف مسلم' صرف مؤمن یا صرف متقی ہی نہیں بنوں گا بلکہ محسنین کی صف میں جگہ بنا لوں گا۔

آیت ۵۹ ﴿بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾﴾ ''کیوں نہیں! تیرے پاس میری آیات آئی تھیں تو تُو نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور تکبر کیا تھا اور تُو کافروں میں سے تھا۔''

آیت ۶۰ ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ﴾ ''اور قیامت کے دن تم دیکھو گے اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔''

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾﴾ ''تو کیا جہنم ہی میں ٹھکانہ نہیں ہے ایسے متکبرین کا؟''

آیت ۶۱ ﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ﴾ ''اور اللہ نجات دے گا ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی (اور انہیں پہنچا دے گا) ان کی کامیابی کی جگہوں پر۔''

جنت میں ان کے درجات اور مراتب کے مطابق اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقامات تک پہنچا دے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مراتب پر پہنچیں گے اور اسی طرح صدیقین' شہداء اور صالحین اپنے اپنے مقامات کو پالیں گے۔

﴿لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ ''نہ ان کو کوئی تکلیف چھو سکے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾﴾ ''اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے' اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اُسی کے لیے ہیں تمام کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔''
﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی ہیں گھاٹے میں رہنے والے۔''

اب اس سورت کے آخری دو رکوع ہمارے زیر مطالعہ ہوں گے۔ یہ دونوں رکوع اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں توحید فی العبادت کا مضمون بہت پُر جلال انداز میں بیان ہوا ہے۔

آیات ۶۴ تا ۷۰

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ
يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷

آیت ۶۴ ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے بھی یہ مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کروں؟''

یہ انداز اس آیت کے علاوہ پورے قرآن میں اور کہیں نہیں پایا جاتا اور یہ خاص اسلوب دراصل مشرکینِ مکہ کے اس دباؤ کا جواب ہے جو انہوں نے حضور ﷺ پر ''کچھ لو اور کچھ دو'' کی پالیسی اختیار کرنے کے لیے ڈال رکھا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ آپ اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کریں اور ہمارے معبودوں میں سے کچھ کو تسلیم کر لیں تو اس کے جواب میں ہم بھی آپ کی کچھ باتیں مان لیں گے' بلکہ آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح ایک درمیانی راہ نکل آئے گی اور جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ان کے اس مطالبے کا جواب بہت سخت انداز میں دیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ عربی میں 'جاہل' اس کو کہتے ہیں جو علم اور عقل کے بجائے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

آیت ۶۵ ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف تو وحی کی جا چکی ہے اور جو (رسول) آپ سے پہلے تھے ان کی طرف بھی (وحی کر دی گئی تھی)''

آگے اس وحی کا لُبِ لُباب بیان کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اگر آپ بھی (بالفرض) شرک کریں گے تو آپ کے سارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی نہایت خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

یہ سخت اسلوب دراصل حضورﷺ کے لیے نہیں بلکہ مشرکین کے لیے ہے۔ آپؐ کو مخاطب کر کے دراصل انہیں سنانا مقصود ہے کہ قانونِ خداوندی اس سلسلے میں بہت واضح اور اٹل ہے۔ شرک جو کوئی بھی کرے گا اسے اس کی سزا ضرور ملے گی' کسے باشد! اللہ کا قانون کسی کے لیے تبدیل نہیں کیا جاتا: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب) ''اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی!''

آیت ۶۶ ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''بلکہ آپؐ صرف اللہ ہی کی بندگی کیجیے اور بن جایئے شکر گزار بندوں میں سے!''

آیت ۶۷ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے کہ اس کی قدر کا حق تھا''

یہ لوگ اللہ کی قدرت' اُس کی قوت اور اُس کی صفات کا اندازہ نہیں کر پائے۔ اس معاملے میں یہ بہت اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگرچہ ہم انسان اللہ تعالیٰ کے علم' اُس کی قدرت اور اس کی دوسری صفات کو ناپ تول نہیں سکتے' اگر ہم اس کی کوشش بھی کریں گے تو یوں سمجھیں کہ اس کوشش کی مثال سنار کی ترازو میں ٹنوں کے وزن کو تولنے جیسی ہوگی' لیکن ہم یہ تو جان سکتے ہیں کہ وہ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہستی ہے۔ اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اللہ کو عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ماننے سے بھی عاجز ہیں۔ اب اللہ کی قدرت اور عظمت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ ''اور زمین پوری کی پوری اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

کیا اس کیفیت کا اندازہ کرنا انسانی فکر اور سوچ کے بس کی بات ہے؟ آسمانوں کی پہنائیاں! کائنات میں موجود کہکشائیں' ستاروں اور سیاروں کی تعداد! ایک ایک کہکشاں کی وسعت! ایک ایک ستارے کی جسامت! ان کہکشاؤں اور ستاروں کے باہمی فاصلے! ان فاصلوں اور وسعتوں کو ناپنے کے لیے انسان کے فرض کیے ہوئے نوری سالوں کے پیمانے! ایک نوری سال کے فاصلے کا تصور! اور پھر اربوں کھربوں نوری سالوں کی وسعتوں کا تخیل! اور پھر یہ تصور کہ یہ سب کچھ لپٹا ہوا ہوگا اللہ کے داہنے ہاتھ میں!! بہرحال یہ ایسا موضوع ہے جس پر سوچتے ہوئے انسانی فکر اور اس کی قوتِ متخیلہ بھی تھک ہار کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان کی عقل جو اللہ کی تخلیق کی ہوئی کائنات کے کسی ایک کونے کا احاطہ کرنے سے بھی عاجز ہے' وہ اللہ کی قدرت کا کیا اندازہ کرے گی!

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ''وہ پاک ہے اور بہت بلند و بالا اُس تمام شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾

''اور صُور میں پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جو کوئی بھی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں' سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے گا''۔

یہ منظر بہت دہشت ناک ہو گا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فرشتوں کے علاوہ باقی تمام فرشتے بھی صور کی اس آواز سے بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ دراصل یہ تین نفخے ہوں گے۔ پہلا نفخہ وہ ہو گا جسے قرآن میں ''السَّاعة'' بھی کہا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں شدید زلزلے' ہلچل اور طوفان کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ سورج اور چاند آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔ پھر دوسرا نفخہ ہو گا جس کے نتیجے میں تمام جانداروں پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس آیت میں اسی دوسرے نفخہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد نفخہ ثالثہ کی کیفیت یوں ہو گی:

﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝﴾ ''پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے دیکھتے ہوئے''۔

اس تیسرے نفخے کے نتیجے میں تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ یہ گویا بعث بعد الموت کا نفخہ ہو گا اور اسی کا نام قیامت (کھڑے ہونا) ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ ''اور زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے''

اس وقت کی کیفیت کو سورۃ الفرقان میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝﴾ ''اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا بادلوں کی مانند اور فرشتے نازل کیے جائیں گے لگاتار''۔ پھر اللہ تعالیٰ زمین پر نزول فرمائیں گے اور فرشتے صفیں باندھے نیچے اتریں گے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝﴾ (الفجر)۔

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور اَعمال نامہ لا کر رکھ دیا جائے گا''

لوگوں کے اعمال نامے کا سرِ محشر لا کر رکھے جانے کی صورتِ حال کا نقشہ سورۃ الکہف کی آیت ۴۹ میں یوں کھینچا گیا ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ﴾ ''اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ' چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ وہ لرزاں و ترساں ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہو گا اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ اس نے نہ تو کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو' مگر اس کو محفوظ کر کے رکھا ہے''۔ اس کے بعد کی کیفیت کا نقشہ آگے دکھایا جا رہا ہے:

﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ ''اور لائے جائیں گے انبیاء اور شہید''

یہاں ''شہید'' سے مراد اوّلاً تو رسول ہیں کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں پر سب سے پہلے گواہی دیں گے۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں حضور ﷺ کی اپنی امت پر گواہی کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ ''تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو''۔ لیکن یہاں انبیاء

کے ذکر کے بعد شہید کا لفظ خصوصی طور پر اس لیے لایا گیا ہے کہ وہاں ان لوگوں کو بھی گواہ کے طور پر بلایا جائے گا جو انبیاء و رسل ﷩ کی طرف سے تبلیغ کرتے رہے ہوں گے۔ جیسے عَشرہ مبشّرہ میں سے چھ چوٹی کے صحابہ وہ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی تبلیغ کے نتیجے میں ایمان لائے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بہت سے علاقوں اور قبیلوں کی خواہش پر اپنے بعض صحابہ ؓ کو قرآن اور دین کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ ایسے مبلّغ اور معلّم صحابہؓ زیادہ تر اصحابِ صُفّہ ؓ میں سے تھے۔ ان صحابہؓ نے حضور ﷺ کی طرف سے جن لوگوں کو دعوت دی تھی، قیامت کے دن ان پر وہ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! تیرے نبی ﷺ نے تیرے دین کا جو پیغام ہم تک پہنچایا تھا ہم نے وہ ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔

پھر حضور ﷺ کے بعد دین کی دعوت و تبلیغ کی یہ ذمہ داری آپؐ کی امت کی طرف منتقل ہو گئی اور اس لحاظ سے آج ہم سب اس ذمہ داری کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ ہمیں وہاں بطور گواہ بلایا جائے گا کہ محمد (ﷺ) کی طرف سے اللہ کا جو دین تم تک وراثتاً پہنچا تھا کیا تم لوگوں نے اسے آگے نوعِ انسانی تک پہنچا دیا تھا؟ اگر خدانخواستہ ہم یہ گواہی دینے میں ناکام رہے تو ان تمام لوگوں کی گمراہی اور ضلالت کا وبال بھی ہماری گردن پر آئے گا جو ہمارے حلقہ اثر اور دائرۂ اختیار میں تھے اور ہم انہیں دعوت نہیں دے سکے تھے۔ لیکن اگر ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق یہ حق ادا کر دیا ہو گا تو ہم اس گواہی سے سرخرو ہوں گے اور وہ لوگ اپنے اعمال کے لیے اللہ کے ہاں خود جوابدہ ہوں گے۔ بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت کا منظر دکھایا گیا ہے جو سرِ محشر سجائی جائے گی۔ تمام بنی نوع انسان کا اعمال نامہ بھی لا کر اس عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر انبیاء و رُسل ﷩ اور دوسرے گواہوں کو بھی لایا جائے گا۔

﴿وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور ان کے مابین فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

آیت ۷۰ ﴿وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''اور پورا پورا دے دیا جائے گا ہر جان کو جو کچھ کہ اس نے عمل کیا ہو گا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

اس موضوع سے متعلق قرآن کے مختلف مقامات پر جو اشارے ملتے ہیں ان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میدانِ حشر اسی زمین پر ہو گا۔ اس کے لیے زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا، جیسا کہ سورۃ الانشقاق کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾﴾۔ پھر اسے بالکل ہموار اور چٹیل میدان کی شکل دے دی جائے گی، اس طرح کہ: ﴿لَا تَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾﴾ (طٰہٰ) ''تم نہیں دیکھو گے اس میں کوئی ٹیڑھ اور نہ کوئی ٹیلا''۔ پھر یہیں پر اللہ تعالیٰ کا نزول ہو گا اور یہیں پر فرشتے اتریں گے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾﴾ (الفجر) اور یہیں پر حساب کتاب ہو گا۔ گویا قصہ زمین برسرِ زمین چکایا جائے گا۔

فیصلوں کے بعد اہلِ جنت کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور اہلِ جہنم کو جہنم کی طرف۔ یہ میدانِ حشر کا آخری منظر ہو گا جس کا نقشہ اگلے رکوع میں بڑے پُرجلال انداز میں کھینچا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قرآن کا خاص مقام ہے۔

آیات ۷۱ تا ۷۵

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ
قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ
حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ
حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ع ۸ ۵

آیت ۷۱ ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ﴾ ”اور ہانک کرلے جائے جائیں گے کافر جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔“

اس طرح کہ ایک اُمت کے بعد دوسری اُمت اور پھر تیسری اُمت۔ غرض تمام اُمتوں کے مجرم لوگ اپنے اپنے لیڈروں کی قیادت میں جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ سورۂ ہود میں فرعون اور اس کی قوم کے حوالے سے ایک نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے: ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝۹۸﴾ ”قیامت کے دن وہ آئے گا آگے چلتا ہوا اپنی قوم کے' پھر وہ آگ کے گھاٹ پر انہیں اتار دے گا۔ اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے جائیں گے“۔ تو یوں اہل جہنم کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

﴿حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں گے جہنم پر تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے“

جیسے جیل کے دروازے صرف نئے قیدیوں کے داخلے کے لیے ہی کھولے جاتے ہیں' اسی طرح جہنم کے بند دروازے بھی مجرموں کی آمد پر ہی کھولے جائیں گے۔

﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ﴾ ”اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے“

ان مجرمین کی آمد پر جہنم پر مامور فرشتے ان سے پوچھیں گے:

﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ﴾ ”کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول ؑ نہیں آئے تھے جو تمہیں سناتے تھے تمہارے رب کی آیات اور تمہیں خبردار کرتے تھے تمہاری آج کے دن کی اس ملاقات سے!“

﴿قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''وہ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن کافروں پر عذاب کا حکم ثابت ہو کر رہا۔''

یعنی پیغمبروں نے تو دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دیا' لیکن یہ لوگ انکار اور کفر پر اڑے رہے اور یوں انہوں نے خود کو عذاب کا مستحق ثابت کر دکھایا۔

آیت ۷۲ ﴿قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ ''کہہ دیا جائے گا ان سے کہ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں' اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ تو بہت بُرا ہے یہ ٹھکانہ متکبرین کا۔''

پیغمبروں کی دعوت کے جواب میں جو اکڑفوں تم لوگ دکھاتے رہے تھے اس کی وجہ سے آج تم اس انجام سے دوچار ہوئے ہو۔

آیت ۷۳ ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ﴾ ''اور لے جایا جائے گا ان لوگوں کو جنت کی طرف جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیے رہے تھے گروہ در گروہ۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے''

یہاں پر ''و'' بہت معنی خیز ہے۔ اس ''و'' کی وجہ سے فقرے میں یہ مفہوم پیدا ہو رہا ہے کہ جنت کے دروازے پہلے سے ہی کھلے ہوں گے۔ یعنی اہل جنت کا انتظار کھلے دروازوں کے ساتھ ہو رہا ہو گا۔ اس حوالے سے سورۂ صٓ کی آیت ۵۰ میں ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ کے الفاظ بھی اسی مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔

﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾ ''اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے: آپ پر سلام ہو' آپ لوگ کتنے پاکباز ہیں!''

﴿فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ ''اب داخل ہو جایئے اس میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لیے۔''

آیت ۷۴ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ ''اور وہ کہیں گے کہ کُل حمد اور کُل شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا''

﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ﴾ ''اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ اب ہم گھر بنا لیں جنت میں جہاں چاہیں۔''

﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ ''تو بہت ہی اچھا ہو گا اجر عمل کرنے والوں کا!''

گواہوں نے گواہیاں دے دیں' آخری فیصلے صادر کر دیے گئے' سزا پانے والوں کو جہنم کی طرف بھیج دیا گیا' کامیاب ہونے والوں کو جنت میں پہنچا دیا گیا۔

اب آخری آیت میں گویا عدالتِ محشر کا اختتامی منظر (ڈراپ سین) دکھایا جا رہا ہے:

آیت ۷۵ ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ﴾ ''اور تم دیکھو گے فرشتوں کو کہ وہ عرشِ الٰہی کو گھیرے ہوئے ہوں گے' اپنے ربّ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اُس کی حمد کے ساتھ۔''

﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ان کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا''

یہاں پر بَيْنَهُمْ سے کچھ مفسّرین نے تو انسان ہی مراد لیے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں گویا وہی بات دہرائی گئی ہے جو قبل ازیں چھٹے رکوع میں بایں الفاظ بیان ہو چکی ہے: ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۹﴾۔ لیکن ایک دوسری رائے کے مطابق یہاں پر وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے فیصلوں کے بعد فرشتوں کے درمیان بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔

قبل ازیں سورۂ صٓ کی آیت ۶۹ کے ضمن میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ فرشتے عاقل ہستیاں ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی سوچ اور اپنی رائے رکھتا ہے۔ اس بنا پر ان میں اختلافات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی رائے دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فلاں فیصلے میں یہ حکمت ہے' وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر میں فرشتوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کا بھی حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵﴾ ''اور پکارا جائے گا کہ کُل کی کُل حمد اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے!''

یعنی آخر میں وہی اللہ تعالیٰ کی جے بلند کی جائے گی کہ کُل شکر اور کُل تعریف اللہ کے لیے ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

بیان القرآن

سُورَۃُ المُؤمِن

(۴۰)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

تمہیدی کلمات

سورۃ المؤمن کا دوسرا نام ''سورۂ غافر'' بھی ہے۔ غافر (معاف کرنے والا) اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جو اس سورت کی تیسری آیت میں آیا ہے۔ اسی طرح اس سے اگلی سورت یعنی سورۂ حٰمٓ السّجدۃ کا دوسرا نام سورۂ فُصِّلَت ہے۔ ان دو سورتوں کے علاوہ کئی اور سورتیں بھی ایسی ہیں جن کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل کا دوسرا نام سورۃ الاسراء ہے، جو اس کی پہلی آیت سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ سے لیا گیا ہے۔ عرب ممالک میں چھپنے والے قرآن مجید کے نسخوں میں ان سورتوں کے نام الاسراء، غافر اور فُصِّلَتۡ ہی لکھے جاتے ہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں سورۃ الزمر کے تعارف میں بھی ذکر ہو چکا ہے، سورۃ الزمر اور سورۃ المؤمن کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے ان میں ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ دونوں کے آغاز کی آیات (سورۃ الزمر کی پہلی اور سورۃ المؤمن کی دوسری آیت) ایک جیسی ہیں، ان میں صرف ''الحکیم'' اور ''العلیم'' کا فرق ہے — سورۃ المؤمن ان سات سورتوں میں سے پہلی سورت ہے، جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے۔ اس نسبت سے ان سورتوں کو ''حوامیم'' کہا جاتا ہے۔ ان میں سے سورۃ الشوریٰ کو البتہ یہ تخصیص بھی حاصل ہے کہ اس کی دوسری آیت بھی حروفِ مقطعات (عٓسٓقٓ) پر مشتمل ہے اور یوں اس کے آغاز میں پانچ حروفِ مقطعات ہیں۔ سورۃ المؤمن کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جو اسمائے حسنیٰ آئے ہیں ان میں سے اکثر مرکب اضافی کی صورت میں ہیں۔ مثلاً غَافِرِ الذَّنۡۢبِ، قَابِلِ التَّوۡبِ اور شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ۔

سورۃ الزمر سے مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے ان کا مرکزی مضمون یا عمود توحید ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ ان سب سورتوں میں مکی سورتوں کے عام مضامین مثلاً آخرت، رسالت، تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس گروپ کی پہلی چار سورتیں (سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ) ''توحید عملی'' کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔

''توحید عملی'' سے متعلق تفصیلی گفتگو اس سے پہلے سورۃ الزمر کے تمہیدی کلمات میں بھی کی جا چکی ہے۔ ہمارے ہاں خطبۂ جمعہ میں بالعموم یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں: یَا اَیُّھَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰہَ! یعنی اے لوگو! توحید کو اور کامل کرو اور توحید اپنے عمل میں لاؤ! اس لیے کہ توحید صرف ایک عقیدہ ہی نہیں یا زبان سے چند الفاظ ادا کر دینے کا ہی نام نہیں بلکہ یہ بندۂ مؤمن کی عملی زندگی کا منشور ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو اس منشور کا ایک ایک نکتہ ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھنے اور جہادِ زندگانی کے گھمسان میں اپنا ایک ایک قدم اس سے راہنمائی حاصل کر کے اٹھانے کی ضرورت ہے۔ لغوی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو باب تَفۡعِیۡل میں لفظ ''توحید''

بطور مصدر ''تدریج'' کے مفہوم کا حامل نظر آتا ہے۔ یعنی اس وزن پر دوسرے الفاظ مثلاً تعلیم، تبلیغ، ترویج وغیرہ کے اندر محنت اور مشقت سے کسی عمل کو مسلسل جاری رکھنے کا جو مفہوم پایا جاتا ہے لغوی طور پر وہی مفہوم لفظ توحید کے اندر بھی مضمر ہے۔ چنانچہ یوں سمجھیں کہ ''توحید'' عمر بھر کا ریاض ہے اور اس پر کاربند رہنے کے لیے محنتِ شاقہ اور جُہدِ مسلسل کی ضرورت ہے۔

زیر مطالعہ گروپ کی پہلی چار سورتیں (سورۃ الزمر، سورۃ المؤمن، سورۂ حٰمٓ السّجدۃ اور سورۃ الشوریٰ) توحید عملی کے مضمون کی وجہ سے آپس میں جڑی ہوئی ہیں۔ سورتوں کے اس نظم کے حوالے سے اس ''بیان القرآن'' کے ابتدا میں تعارفِ قرآن کے تحت تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ مختصراً اسے یوں سمجھ لیں کہ قرآن کی ہر آیت اپنی جگہ حکمت کا ایک موتی ہے۔ یہ موتی جب ایک لڑی (سورت) کی شکل میں پروئے جاتے ہیں تو ان کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح آیات کے موتیوں کو پرونے سے سورتیں بنتی ہیں اسی طرح مضامین کی مشابہت اور مماثلت کی بنا پر سورتوں کے گروپس بنتے ہیں۔ سورۃ الزمر کی آیت ۲۳ میں قرآن کو اسی لیے ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ کہا گیا ہے کہ اس کے مضامین اور الفاظ کی آپس میں گہری مشابہت ہے۔ البتہ جس طرح کسی خوبصورت ہار کو دیکھنے سے بظاہر اس کے موتی ہی نظر آتے ہیں اور ان موتیوں کو باہم مربوط کرنے والی ڈور نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے اسی طرح مختلف گروپس کی سورتوں کو باہم جوڑنے والے مضامین بھی عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور انہیں تلاش کرنے کے لیے محنت اور تدبر درکار ہے۔ بہر حال زیر مطالعہ گروپ کی پہلی چار سورتوں کے خوبصورت ہار کو جس ڈور نے باہم مربوط کر رکھا ہے وہ توحید عملی کا مضمون ہے۔

اب ان چار سورتوں کے مرکزی مضمون (توحید عملی) کے اندر موجود ایک خاص ترتیب اور تدریج کو بھی سمجھ لیجیے۔ ان سورتوں میں ''توحید عملی'' کے تقاضوں کو ایک فرد سے تدریجاً اجتماعیت کی طرف بڑھایا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ الزمر میں توحید عملی کے ظاہری پہلو (عبادت) پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو اپنی اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ پھر سورۃ المؤمن میں توحید عملی کے داخلی پہلو یعنی دعا کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ اس اعتبار سے ان دونوں سورتوں کو آپس میں جوڑنے والی ڈور دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا وہ حکم ہے جو دونوں سورتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ الزمر میں ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ کے الفاظ کی تکرار ہے، جبکہ سورۃ المؤمن میں ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں سورتوں میں توحید عملی کو عبادت اور دعا کی صورت میں معاشرے کے پہلے درجے یعنی انفرادی سطح پر متعارف کرایا گیا ہے۔ پھر سورۂ حٰمٓ السّجدۃ میں دعوتِ توحید کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ دعوت و تبلیغ کی بھرپور تحریک کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو توحید کا قائل کیا جائے اور ان کے دلوں میں توحید کا سبق جاگزیں کرایا جائے۔ اور جب لوگوں کی ایک معقول تعداد عملی طور پر توحید پر کاربند ہو جائے تو پھر ان لوگوں کو منظم کر کے نظام توحید کے قیام کی جدوجہد کے لیے تیار کیا جائے۔ اس ترتیب کے حوالے سے ہم دیکھیں گے کہ سورۂ حٰمٓ السّجدۃ میں دعوتِ توحید کی بات ہو گی اور پھر سورۃ الشوریٰ میں معاشرے کے اندر اجتماعی طور پر نظامِ توحید کے قیام (اقامتِ دین) کا حوالہ آئے گا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

آیات ۱ تا ۹

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ
الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝۳ مَا یُجَادِلُ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْکَ تَقَلُّبُہُمْ فِی الْبِلَادِ ۝۴ کَذَّبَتْ قَبْلَہُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِہِمْ ۠
وَہَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍۭ بِرَسُوْلِہِمْ لِیَاْخُذُوْہُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ
فَاَخَذْتُہُمْ ۣ فَکَیْفَ کَانَ عِقَابِ ۝۵ وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّہُمْ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا
وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِہِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْہُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِیْ وَعَدْتَّہُمْ
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِہِمْ وَاَزْوَاجِہِمْ وَذُرِّیّٰتِہِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۸ وَقِہِمُ
السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَہٗ ؕ وَذٰلِکَ ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۹ ع ۱ ۹ ۶

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ۝۱﴾ ’’ح‘م۔‘‘

آیت ۲ ﴿تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۲﴾ ’’نازل کیا جانا ہے اس کتاب کا اُس اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے‘ صاحبِ علم ہے۔‘‘

آیت ۳ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ﴾ ’’(وہ اللہ کہ جو) بخشنے والا ہے گناہ کا‘ قبول کرنے والا ہے توبہ کا‘ سزا دینے میں بہت سخت ہے‘ وہ بہت طاقت اور قدرت والا ہے۔‘‘

یہاں اللہ تعالیٰ کی چار شانوں کا ذکر مرکب اضافی کی صورت میں ہوا ہے۔ آگے چل کر بھی اس سورت میں اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے یہ انداز اور اسلوب نظر آئے گا۔

﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝۳﴾ ’’اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں‘ اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

یہاں یہ اہم نکتہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ اس سورت میں ’’توبہ‘‘ اور ’’استغفار‘‘ کا ذکر بار بار آئے گا‘ بلکہ اس حوالے سے فرشتوں کا ذکر بھی آئے گا کہ وہ بھی بندوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن کا سورۃ الزمر کے ساتھ چونکہ جوڑے کا تعلق ہے اس لیے ان دونوں سورتوں کے بنیادی اور مرکزی مضمون میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مماثلت کے حوالے سے قبل ازیں تمہیدی کلمات میں بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ سورۃ الزمر

کا مرکزی مضمون ''توحید فی العبادت'' ہے اور سورۃ المؤمن کا مرکزی مضمون ''توحید فی الدعاء'' ہے۔ ''دعا'' کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))(۱) یعنی دعا عبادت کا جوہر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))(۲) کہ دعا ہی اصل عبادت ہے۔ اس لحاظ سے توحید فی العبادت اور توحید فی الدعاء آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ جس طرح عبادت کے حوالے سے سورۃ الزمر میں بار بار ''مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ'' کی تکرار ہے' اسی طرح اس سورت میں ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی بار بار تاکید ہے۔ یعنی دعا کرو اللہ سے اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ دعا تو اللہ سے مانگو اور اطاعت کسی اور کی کرو۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ انتہائی بے تکی حرکت ہوگی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو جزوی اطاعت قبول نہیں اسی طرح اسے اس شخص کی دعا سننا بھی منظور نہیں جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ کسی اور کی اطاعت کا طوق بھی اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو چاہیے کہ جس ''معبود'' کی وہ اطاعت کرتا ہے' دعا بھی اُسی سے کرے۔

آج ہم پاکستانیوں کو من حیث القوم اس تناظر میں اپنی حالت کا بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آج ہم ہر میدان میں ذلیل و رسوا کیوں ہو رہے ہیں اور روز بروز ہمارے قومی و ملکی حالات بد سے بدتر کیوں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں نہ صرف ہمارا ملک دولخت ہو گیا بلکہ بدترین شکست کا داغ بھی ہمارے ماتھے پر لگ گیا۔ آج ہماری حالت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ اس وقت ہمارے باقی ماندہ ملک کی سلامتی بھی ڈانواں ڈول ہے۔ انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ مانگی گئی ہماری دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اور رو رو کر کی گئی فریادیں بھی نہیں سنی جاتیں۔ یہ دراصل کوئی غیر متوقع اور غیر معمولی صورتِ حال نہیں بلکہ ہمارے اجتماعی و قومی رویے کا منطقی نتیجہ ہے۔ اور یہ رویّہ یا طرزِ عمل کیا ہے؟ آج ہم نے اپنی ترجیحات بدل لی ہیں' ہماری اطاعت اللہ کے لیے خالص نہیں رہی' بلکہ ہم اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر بہت سی دوسری اطاعتوں کے غلام بن گئے ہیں۔ ہم نے اللہ کے نام پر یہ ملک اس وعدے کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ اس ملک میں ہم اللہ کے دین کا بول بالا کریں گے۔ مگر آج ہم اللہ کے ساتھ کیے گئے اس وعدے سے پھر چکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں وہ ہماری دعائیں کیونکر سنے گا؟ کیوں وہ ہماری فریاد رسی کرے گا اور کیوں ہماری مدد کو پہنچے گا؟ چنانچہ آج اصولی طور پر ہمیں چاہیے کہ ہم دعائیں بھی اُسی ''سپر پاور'' سے کریں جس کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالے پھرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴﴾ ''نہیں جھگڑتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کفر کرتے ہیں' تو (اے نبی ﷺ!) زمین میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔''

یہاں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے سب مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ان غیر مسلموں کے مادی وسائل' اُن کی طاقت' ترقی اور ٹیکنالوجی تمہیں مرعوب نہ کرے۔ دیکھو! کسی دنیوی ''سپر پاور'' کے دھوکے

(۱) سنن الترمذی' ابواب الدعوات' باب منه۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب تفسیر القران' باب ومن سورة البقرة۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب الدعاء۔

میں آ کر کہیں تم اللہ کی قدرت اور طاقت کو بھول نہ جانا!

آیت ۵ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ”ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا تھا اور ان کے بعد بہت سی دوسری قوموں نے بھی۔“

﴿وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ﴾ ”اور ہر قوم نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اُسے پکڑ لے (اور قتل کر دے)“

﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵﴾ ”اور وہ باطل (دلیلوں) کے ساتھ جھگڑتے رہے تاکہ اس کے ذریعے حق کو پسپا کر دیں‘ بالآخر میں نے انہیں پکڑ لیا‘ تو کیسی رہی میری سزا؟“

آیت ۶ ﴿وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶﴾ ”اور اسی طرح ان کافروں پر بھی آپ کے رب کی بات پوری ہو چکی ہے کہ یہ سب کے سب جہنمی ہیں۔“

اللہ کے جس قانون کی زد میں زمانہ ماضی کے کفار آئے تھے اب وہی قانون مشرکینِ عرب پر بھی لاگو ہو چکا ہے۔

آیت ۷ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ ”وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو ان کے ارد گرد ہیں“

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۃ الزمر کی آخری آیت کو ذہن میں رکھیے جس میں میدانِ حشر میں عدالتِ الٰہی کا اختتامی منظر دکھایا گیا تھا: ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ ”اور تم دیکھو گے فرشتوں کو کہ وہ گھیرے ہوئے ہوں گے عرش کو اور اپنے ربّ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے حمد کے ساتھ“۔ چنانچہ یہاں ان حاملینِ عرش اور ان کے ساتھی ملائکہ کا ذکر دوبارہ ہو رہا ہے کہ:

﴿يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ”وہ سب تسبیح کر رہے ہوتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور اُس پر پورا یقین رکھتے ہیں“

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”اور اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔“

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے“

﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ ”پس بخش دے تُو اُن لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی پیروی کی“

اے پروردگار! ہم تجھ سے کیا عرض کریں؟ تجھے ہر شے کا علم ہے‘ تیری رحمت پہلے ہی ہر چیز کو اپنی گود میں لیے ہوئے ہے۔ پھر بھی ہم تجھ سے تیری رحمت کی درخواست کرتے ہیں اور اہلِ زمین میں سے جو مؤمنین اور نیک لوگ ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اے پروردگار! تو ان کی خطائیں بخش دے اور ان کے گناہوں

سے درگزر فرما! اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین کے حق میں فرشتے بھی شفاعت کریں گے۔ یہ شفاعتِ حقّہ ہے۔

﴿وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٧﴾﴾ ''اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لے۔''

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ﴾ ''پروردگار! اور انہیں داخل فرما اُن رہنے والے باغات میں جن کا تُو نے ان سے وعدہ کیا ہے''

﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٨﴾﴾ ''اور (ان کو بھی) جو نیک ہوں ان کے آباء واَجداد ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے۔ تُو یقیناً زبردست ہے' کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۹ ﴿وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۚ﴾ ''اور انہیں بچا لے برائیوں سے۔ اور جسے تُو نے اس دن برائیوں سے بچالیا اس پر تُو نے بڑا رحم کیا۔''

﴿وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾﴾ ''اور یقیناً یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

آیات ۱۰ تا ۲۲

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى
الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا
فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ﴿١١﴾ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ
تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ
رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ
الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا
لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٩﴾
وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٢٠﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا ع ٢/١١
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

گزشتہ آیات میں مؤمنینِ صادقین کے حالات کا نقشہ دکھایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حاملینِ عرش ملائکہ ان کی مغفرت کے لیے دعائیں کر رہے ہوں گے۔ نہ صرف ان کے لیے بلکہ وہ ان کے آباء و اَجداد اور اہل و عیال کے لیے بھی سفارش کریں گے کہ ان میں سے اگر کوئی جنت کے نچلے درجے میں ہے تو اے پروردگار! تو اس کے درجات کو بھی بلند فرما دے تاکہ وہ اپنے ان عزیز و اقارب کے ساتھ مل جائے جنہیں بلند تر درجات عطا ہوئے ہیں۔ اب ان آیات میں اس کے برعکس کفار و مشرکین کے حالات کا منظر دکھایا جا رہا ہے:

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں پکارا جائے گا کہ آج تم جس قدر اپنی جانوں سے بےزار ہو گئے ہو اللہ کی بیزاری تم سے اس سے کہیں بڑھ کر تھی“

﴿اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ ”جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔“

آج عذاب کی حالت میں تمہاری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم اپنی جانوں سے بیزار ہو کر موت کی دعائیں کر رہے ہو۔ مگر یاد کرو وہ وقت جب اللہ کا رسول تمہیں اللہ کی طرف اور قرآن کی طرف بلا رہا تھا اور تمہیں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ دکھا رہا تھا تو تم مسلسل انکار کیے جا رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ تم سے جس قدر بیزاری محسوس کر رہا تھا وہ تمہاری اس بیزاری سے کہیں زیادہ تھی جو تم لوگ آج اپنی جانوں سے محسوس کر رہے ہو۔

آیت ۱۱ ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ ”وہ فریاد کریں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا“

﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾﴾ ”تو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے‘ تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے؟“

یعنی اگر ہم اس سے پہلے اتنے مراحل سے گزر آئے ہیں تو اب اس مرحلے سے بھی گزرنے کا کوئی طریقہ تو ہو گا۔ تو اے پروردگار! ایک دفعہ ہمیں اس عذاب سے جان چھڑانے کا موقع بھی فراہم کر دے۔

تخلیقِ انسانی اور حیاتِ انسانی کی حقیقت کے ضمن میں اس آیت کا مضمون پورے قرآن میں ذروۂ سنام کا درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے لیکن اس قدر واضح انداز میں اور کہیں نہیں آیا۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ”تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کا‘ حالانکہ تم مُردہ تھے تو اُس نے تمہیں زندہ کیا‘ پھر وہ تمہیں مارے گا‘ پھر زندہ کرے گا‘ پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے“۔ اگرچہ سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی دو احیاء اور دو

اموات کا ذکر ہے مگر مختلف مفسرین نے ان الفاظ کی تاویل مختلف انداز میں کی ہے۔ البتہ آیت زیر مطالعہ اپنے مفہوم میں اس قدر واضح ہے کہ اس کی وضاحت کے لیے کسی تعبیر اور تاویل کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے حوالے سے یہاں حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار کو اچھی طرح سے سمجھ لیجیے۔

ہر انسان کی پہلی تخلیق اُس وقت عمل میں آئی جب عالمِ اَرواح میں اس کی روح پیدا کی گئی۔ عالم ارواح کی یہ زندگی پورے شعور کے ساتھ تھی۔ اسی لیے تو وہاں تمام ارواح سے وہ عہد لیا گیا تھا جس کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ﴾ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ اس عہد کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح سے لے کر دنیا کے آخری انسان کی روح تک تمام ارواح حاضر و موجود تھیں۔ عالم ارواح میں ارواح کے اس عظیم الشان اجتماع کی کیفیت ایک حدیث میں ''جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ''(۱) (لشکروں کے لشکر) کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ ہر انسان کی پہلی موت (اماتۂ اولیٰ) تھی جو عالم ارواح میں اس پر وارد ہوئی۔ اس طرح تمام ارواح کو گویا ایک کولڈ سٹوریج میں محفوظ کر دیا گیا۔ چنانچہ جو ارواح ابھی تک دنیا میں نہیں آئیں وہ ابھی تک اسی کیفیت میں ہیں۔ علامہ اقبال نے اس کیفیت کا عجیب نقشہ کھینچا ہے مگر یہ ایسی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب عالمِ خَلق (ماں کے پیٹ) میں کسی انسان کے جسم کا لوتھڑا تیار ہو جاتا ہے تو اس کی روح کو عالم ارواح سے اس لوتھڑے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس جسم میں منتقل ہونے کے بعد جب روح ''آنکھ'' کھولتی ہے تو یہ اس روح کا ''احیائے اوّل'' ہے۔ اس کے بعد وہ انسان ماں کے پیٹ سے دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ ایک معین عرصے تک دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور اس کے بعد مر جاتا ہے۔ چنانچہ دُنیوی زندگی کی یہ موت اس انسان یا روح کی دوسری موت (اماتۂ ثانیہ) ہے۔ اس موت کے بعد وہ روح عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، جبکہ جسم اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پوری نوعِ انسانی کی ارواح اپنی اپنی باری پر زندہ ہو کر دنیا میں آتی جائیں گی اور یہاں اپنے اپنے جسم کے ساتھ زندگی گزار کر ''دوسری موت'' کے بعد عالم برزخ کو سدھارتی جائیں گی۔

اس کے بعد جب قیامت برپا ہوگی تو ہر انسان کی روح کو ایک دفعہ پھر اس کے دنیوی جسم سے ملا کر زندہ کر دیا جائے گا۔ یہ تمام انسانوں کا ''احیائے ثانی'' ہوگا۔ چنانچہ جب میدانِ حشر میں اللہ کی عدالت لگے گی تو مجرم لوگ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔ عالم ارواح سے دنیا کی زندگی تک اور دنیا کی موت کے بعد قیامت کے اس دن تک کئی ادوار ہم پر گزر چکے، تو اے ہمارے پروردگار! اب ایک دور اور سہی۔ ایک مرتبہ پھر ہم پر کرم فرمایا جائے اور ہمیں ایک موقع اور دے دیا جائے۔ یعنی وہ لوگ اپنی سابقہ زندگی کے مختلف ادوار کو دلیل بنا کر ایک اور دور کی رعایت حاصل کرنے کی درخواست کریں گے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب الارواح جنود مجندة۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الارواح جنود مجندة۔

آیت ۱۲ ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ﴾ ”یہ اس لیے ہے کہ جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔“

﴿وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ﴾ ”اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم مان لیتے۔“

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫﴾ ”تو اب کُل اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو بہت بلند‘ بہت عظمت والا ہے۔“

آیت ۱۳ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ﴾ ”وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور اتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے روزی۔“

اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے اور بارش کا پانی زمین سے روزی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬﴾ ”اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہی جو رجوع کرتا ہے (اللہ کی طرف)۔“

آیت ۱۴ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭﴾ ”پس تم پکارو اللہ کو اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے‘ خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔“

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے یہ کلمات سورۃ الزمر اور اس سورت کے درمیان مماثلت اور مشابہت کی علامت ہیں۔ دونوں سورتوں میں یہ کلمات بار بار آئے ہیں۔ ظاہر ہے توحید خالص کا عملی مظاہرہ اللہ کے نافرمانوں اور طاغوتی کارندوں کو تو کبھی بھی اچھا نہیں لگے گا۔ وہ تو چاہیں گے کہ ”اللہ کا حصہ اللہ کو دیا جائے اور قیصر کا حصہ قیصر کو!“ یعنی توحید کا ذکر بھی ہوتا رہے اور کاروبارِ شرک بھی چلتا رہے۔ کبھی کبھار کوئی حکم اللہ کا بھی مان لیا جائے‘ مگر ساتھ ہی ساتھ دوسرے خداؤں اور حاجت رواؤں کو بھی خوش رکھا جائے۔

آیت ۱۵ ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ﴾ ”(وہی اللہ ہے) درجات کو بلند کرنے والا‘ عرش کا مالک۔“

یہاں پھر اللہ کی شان کا بیان مرکب اضافی کی شکل میں ہوا ہے۔

﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮﴾ ”وہ القا کرتا ہے روح کو اپنے امر میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تا کہ وہ خبردار کردے (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے۔“

تا کہ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے لوگوں کو یاد دہانی کرائیں کہ ایک دن انہوں نے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔ یہاں پر الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ سے وحی مراد ہے۔ فرشتہ‘ وحی اور انسانی روح تینوں کا تعلق عالمِ امر سے ہے‘ لہٰذا ”روح“ کا لفظ ان تینوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ﴾ ”جس روز یہ سامنے نکل کھڑے ہوں گے‘ ان کی کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوگی۔“

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ﴾ ”(اُس روز پوچھا جائے گا:) کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن؟

﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯﴾ ’’(جواب ملے گا:) اکیلے اللہ کے لیے ہے جو تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ﴾ ’’آج ہر جان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا۔‘‘

﴿لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰﴾ ’’آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۸ ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) انہیں خبردار کر دیجیے اس نزدیک آ جانے والے دن سے‘‘

﴿اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ﴾ ’’جبکہ دل حلق میں آ پھنسیں گے اور وہ غم کو دبا رہے ہوں گے۔‘‘

﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱﴾ ’’ان ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲﴾ ’’وہ جانتا ہے نگاہوں کی چوری کو بھی، اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے اس کو بھی۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ﴾ ’’اور اللہ فیصلہ کرے گا حق کے ساتھ۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ﴾ ’’اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کریں گے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳﴾ ’’یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ’’کیا یہ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!‘‘

﴿كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ ’’وہ کہیں زیادہ بڑھ کر تھے ان سے قوت میں اور زمین میں آثار کے حوالے سے بھی‘‘

انہوں نے زمین میں بڑی بڑی عمارتیں اور بہت سی دوسری ایسی یادگاریں بنائیں جو ان کے بعد بھی ان کی نشانیوں کے طور پر موجود رہی ہیں۔ اقوامِ ماضی کے ایسے بہت سے آثار آج بھی دنیا میں جابجا موجود ہیں جنہیں ہم آثارِ قدیمہ کہتے ہیں۔

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ﴾ ’’تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی پاداش میں۔‘‘

﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ㉑﴾ ’’اور پھر کوئی نہ ہوا انہیں اللہ سے بچانے والا۔‘‘

آیت ۲۲ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ’’یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس آتے رہے ان کے رسول بہت واضح نشانیوں کے ساتھ‘‘

﴿فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲﴾ ''لیکن انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا' یقیناً وہ بہت طاقتور' سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیات ۲۳ تا ۲۷

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا
سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ
مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶
وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۷ۧ ع ۸

اب آئندہ آیات میں ''مومنِ آلِ فرعون'' کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جو اس سورت کا خاص مضمون ہے۔ وہ فرعون کے دربار میں بہت بڑے مرتبے پر فائز تھے۔ ظاہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت دوسرے لوگوں کے ساتھ ساتھ اُن تک بھی پہنچی ہوگی۔ اس دعوت کے جواب میں اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ البتہ مصلحت کے تحت انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار نہ کیا۔ پھر ایک موقع پر جب فرعون نے اپنی کابینہ کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تجویز رکھی تو اس مردِ حق سے خاموش نہ رہا گیا۔ چنانچہ فرعون کی اس تجویز کے جواب میں انہوں نے بھرے دربار میں ایک بہت مدلّل اور مؤثر تقریر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ''حق گوئی و بے باکی'' کی پذیرائی یوں فرمائی کہ ان کی پوری تقریر کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔ وہ نہ نبی تھے اور نہ رسول' لیکن ان کی طویل تقریر جس شان سے اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے اس کی کوئی مثال قرآن میں کسی نبی یا رسول کے حوالے سے بھی نہیں ملتی۔ ان کے اس خصوصی اعزاز سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس شان سے اپنے بندوں کی قدر افزائی فرماتا ہے۔

آیت ۲۳'۲۴ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ﴾ ''اور ہم نے بھیجا تھا موسیٰ ؑ کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ' فرعون' ہامان اور قارون کی طرف''

﴿فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک جادوگر ہے انتہائی جھوٹا۔''

یہی الفاظ مشرکینِ مکہ نے حضور ﷺ کے لیے کہے تھے جو سورۂ صٓ کی آیت ۴ میں نقل ہوئے ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ﴾ ''تو جب وہ آیا ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو۔''

﴿وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵﴾ ''لیکن کافروں کا داؤ بھٹک کر ہی رہ جاتا ہے۔''

اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کے پندرھویں رکوع میں بھی سردارانِ قومِ فرعون کے اس مطالبے کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ موسیٰؑ کو کب تک ڈھیل دیتے رہیں گے؟ لوگ دھڑا دھڑ اس پر ایمان لا رہے ہیں' روز بروز اس کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے نتیجے میں ملک کے اندر فساد پھیل رہا ہے۔ آپ اسے قتل کیوں نہیں کروا دیتے؟ لیکن جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ فرعون ایک وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی سخت اقدام کرنے سے کتراتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گویا اپنا بڑا بھائی سمجھتا تھا اور اس تعلق کی وجہ سے وہ دل میں آپؑ کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے لے کر بحیثیتِ رسولؑ فرعون کے سامنے آنے تک کے واقعات کو ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت رعمسیس دوم فرعون برسراقتدار تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو دریا سے نکال کر جب اس کے محل میں لایا گیا تو اس کی بیوی نے کسی طرح اسے قائل کر لیا کہ اس بچے کو قتل نہ کیا جائے۔ اس موقع پر فرعون کی بیوی کے اپنے شوہر کے ساتھ مکالمے کو سورۃ القصص میں یوں نقل کیا گیا ہے: ﴿وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَیۡنٍ لِّیۡ وَلَکَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡہُ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا﴾ (آیت ۹) ''اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔ تم اسے قتل مت کرو' ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں''۔ غالب گمان یہی ہے کہ وہ خاتون حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جن کا ذکر سورۃ التحریم میں آیا ہے۔ اس وقت تک فرعون بے اولاد تھا۔ بعد میں اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ چنانچہ فرعون کا حقیقی بیٹا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سگے بھائیوں کی طرح اکٹھے رہے اور ایک ساتھ جوانی کی عمر کو پہنچے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو گیا تو آپؑ مدین چلے گئے۔ مدین سے آپؑ کی واپسی کے زمانے میں بڑا فرعون اگرچہ زندہ تھا مگر بڑھاپے کی وجہ سے اس نے تمام امورِ سلطنت اپنے بیٹے (منفتاح) کو سونپ رکھے تھے۔ اس طرح عملی طور پر اس کا بیٹا ہی حکمران تھا جو ایک طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی اور بچپن کا ساتھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے بڑے بڑے سرداروں کے پرزور مطالبے کے باوجود بھی وہ کئی سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف انتہائی اقدام کرنے سے گریز کرتا رہا۔ پھر جب اُس نے کسی سخت اقدام کو ناگزیر سمجھا بھی تو آپؑ کی ذات کے بجائے آپؑ کی قوم کو نشانہ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کے تحت اس نے ایک دفعہ پھر حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور صرف ان کی بیٹیوں کو ہی زندہ رہنے دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اس تحریک کو کچلنے اور بنی اسرائیل کی طاقت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس کے اسی منصوبے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے مخالفین کی کوئی چال بھی اللہ کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

آیت ۲۶ ﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی وَلۡیَدۡعُ رَبَّہٗ ۚ﴾ ''اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰؑ کو قتل کر دوں اور وہ (بچاؤ کے لیے) پکار لے اپنے رب کو۔''

فرعون کے اس فقرے کے اندر بہت سی اَن کہی تفصیلات کی جھلک بھی نظر آ رہی ہے۔ اوّلاً اس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک فرعون بھانپ چکا تھا کہ پانی سر سے گزرنے کو ہے اور یہ کہ اس مرحلے پر اگر موسیٰؑ کو قتل کر کے راستے سے نہ ہٹایا گیا تو یہ طوفان اس کے اقتدار سمیت مصر کی ''عظیم الشان تہذیب'' اور ''مثالی روایات'' کو بھی بہا لے جائے گا۔ ثانیاً اس فقرے سے اس کی بے چارگی بھی عیاں ہو رہی ہے۔ وہ مطلق العنان بادشاہ تھا مگر اس کے باوجود اس نے اپنے وزراء اور امراء سے اس قرارداد کی منظوری کی درخواست کی۔ اس کی ضرورت اسے کیوں محسوس ہوئی؟ دراصل وہ دیکھ رہا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے ہر طبقے کے لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ اس لیے اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس تجویز پر تمام درباریوں کو اعتماد میں نہ لیا گیا تو ردِعمل کے طور پر کہیں سے کوئی بغاوت بھی جنم لے سکتی ہے۔

﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۲۶﴾ ''مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا یا زمین میں فساد برپا کر دے گا۔''

''دین'' سے مراد یہاں نظامِ حکومت ہے' اور فرعون کو اب سب سے بڑا اندیشہ یہی تھا کہ مصر کا اقتدارِ اعلیٰ ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

فرعون کی مذکورہ قرارداد کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپؑ نے خود کو اللہ کی پناہ میں دینے کے عزم کا اظہار کیا:

آیت ۲۷ ﴿وَقَالَ مُوْسٰۤی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۲۷﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا کہ میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر اُس متکبر شخص کے مقابلے میں' جو یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔''

آیات ۲۸ تا ۳۷

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۲۸ یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَمَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۲۹ وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ ۳۰ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۳۱ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ۙ ۳۲ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۳ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا

هٰلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُۨ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ
ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ
لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ
فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ ع

آیت ۲۸ ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ڰ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ﴾ ”اور آلِ فرعون میں سے ایک مؤمن مرد نے‘ جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا‘ کہا:“

اس مرحلے پر اس مردِ مؤمن نے صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کلمۂ حق زبان پر لانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر بھرے دربار میں اس مطلق العنان فرعون کے سامنے کھڑے ہو کر ”حق گوئی و بے باکی“ کی ایسی مثال قائم کی کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے گویا ع ”موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے!“ اور پھر ان موتیوں کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے جاں نثارانِ حق کی آنکھوں کی طراوت کے لیے صفحاتِ قرآن کی زینت بنا دیا۔ چنانچہ فرعون نے جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی قرارداد پیش کی‘ یہ مردِ مؤمن فوراً بول اٹھا اور اس نے فرعون اور تمام اہل دربار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ ”کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو محض اس لیے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے!“

کیا کسی شخص کا اللہ کو رب ماننا تمہارے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی پاداش میں تم اس کی جان کے درپے ہو گئے ہو؟

ایک مرتبہ جب مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعام ہجو کی اور آپؐ پر حملہ آور ہوئے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیچ میں آ گئے اور انہوںؓ نے مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے یہی الفاظ دہرائے تھے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (۱) ”کیا تم لوگ ایک شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان کے درپے صرف اس لیے ہو رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے!“

﴿وَقَدْ جَاۗءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ﴾ ”حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔“

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب المناقب‘ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿لو کنت متخذا خلیلاً﴾ و کتاب تفسیر القرآن‘ ح: ۳۶۷۸‘ ۴۸۱۵۔

﴿وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ﴾ ''اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اُسی پر آئے گا۔''

﴿وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ﴾ ''اور اگر وہ سچا ہوا تو تمہیں وہ بعض باتیں پہنچ کر رہیں گی جن کے بارے میں وہ تمہیں وعید سنا رہا ہے۔''

ایسی صورت میں تم پر عذابِ الٰہی کی مار پڑے گی اور تم تباہ و برباد کر دیے جاؤ گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ۝۲۸﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ راہ یاب نہیں کرتا اس کو جو حد سے بڑھنے والا' بہت جھوٹا ہو۔''

آیت ۲۹ ﴿یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! آج تو تمہارے ہاتھ میں حکومت ہے اور تم ہر طرح سے زمین میں غالب ہو۔''

آج تو تم ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک ہو اور پوری دنیا میں تمہاری طاقت کا ڈنکا بج رہا ہے۔

﴿فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا﴾ ''لیکن اگر کہیں ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو اس سے بچانے کے لیے ہماری مدد کون کرے گا؟''

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی﴾ ''فرعون نے کہا: میں تو تمہیں وہی کچھ دکھا رہا ہوں جو مجھے نظر آ رہا ہے''

مجھے تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اگر اب بھی موسیٰؑ کا قصہ پاک نہ کیا گیا تو پانی ہمارے سروں سے گزر جائے گا اور یہ مصر کے طول و عرض میں فساد برپا کر دے گا۔ اس طرح جو تباہی آئے گی وہ ہمارا سب کچھ برباد کر کے رکھ دے گی۔ اس فقرے کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تو تمہارے سامنے اپنی وہی رائے پیش کی ہے جو مجھے مناسب نظر آتی ہے —— مردِ مؤمن کی کھری کھری باتوں کے جواب میں فرعون کا یہ معذرت خواہانہ ردِعمل حیران کن ہے۔ فرعون کی مطلق العنانی کا تصور ذہن میں رکھیے اور پھر اس مختصر سے جملے کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتی ہوئی بے بسی اور بے چارگی ملاحظہ کیجیے۔

﴿وَمَآ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝۲۹﴾ ''اور میں نہیں راہنمائی کر رہا تمہاری مگر کامیابی کے راستے کی طرف۔''

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ﴾ ''اور مردِ مؤمن نے (اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے) کہا: اے میری قوم کے لوگو!''

﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰﴾ ''مجھے اندیشہ ہے تم پر ایسے دن کا جیسے دن پہلی قوموں پر آئے تھے۔''

آیت ۳۱ ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ''جیسا کہ معاملہ ہوا تھا قومِ نوحؑ کا اور قومِ عاد اور قومِ ثمود اور ان کے بعد کی قوموں کا۔''

﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱﴾ ''اور اللہ تو اپنے بندوں پر کسی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

یہ تو خود بندے ہی ہیں جو رسولوں کی تکذیب اور اپنی کوتاہیوں اور شرارتوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں' ورنہ اللہ عزوجل تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

آیت ۳۲ ﴿وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! مجھے اندیشہ ہے تم پر چیخ پکار کے دن کا۔''

جس دن ہر طرف فریاد و فغاں اور چیخ و پکار مچی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پکار رہے ہوں گے۔

آیت ۳۳ ﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ﴾ ''جس دن تم پیٹھ موڑ کر بھاگو گے لیکن اللہ کی پکڑ سے تمہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳﴾ ''اور جسے اللہ ہی گمراہ کر دے پھر اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔''

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''اور (دیکھو!) اس سے پہلے تمہارے پاس یوسفؑ آئے تھے واضح نشانیاں لے کر''

تمہارے اسی ملک مصر میں اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے نبی کی حیثیت سے تمہارے آباء و اَجداد کے پاس آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تاویل الاحادیث کا علم عطا کیا تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو اس کے خواب کی تعبیر بتلا کر آنے والی قحط سالی کے تدارک کی تدبیر بھی بتائی تھی اور اس طرح اس ملک کو تباہی سے بچایا تھا۔ اس کے باوجود تمہاری قوم نے نہ تو ان کی نصیحتوں پر کان دھرا اور نہ ہی انہیںؑ اللہ کا نبی مانا۔ اس آیت سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں کوئی اور نبی نہیں آئے۔ اگر حضرت یوسفؑ کے بعد کوئی اور نبی بھی آئے ہوتے تو مؤمنِ آلِ فرعون اُن کا بھی ذکر کرتے۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چودہ سو سال کے دوران بنی اسرائیل میں بغیر کسی وقفے کے مسلسل نبوت رہی۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ نکتہ بھی مدنظر رہے کہ آپؑ رسول نہیں' صرف نبی تھے۔

﴿فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ﴾ ''لیکن تم شکوک و شبہات میں ہی پڑے رہے ان تعلیمات کے بارے میں جو وہؑ تمہارے پاس لے کر آئے تھے۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ اب ان کے بعد اللہ کسی اور کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔''

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں تو انہیں اللہ کا پیغمبر تسلیم نہ کیا مگر فوت ہونے پر ان کا ذکر پیغمبر کے طور پر ہی کیا۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝۳۴﴾ ''اسی طرح اللہ گمراہ کر دیتا ہے ان لوگوں کو

جو حد سے بڑھنے والے اور شکوک و شبہات میں مبتلا رہنے والے ہوں۔"

آیت ۳۵ ﴿الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ﴾ "جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو۔"

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ "بڑی بیزاری کی بات ہے یہ اللہ کے نزدیک بھی اور اہلِ ایمان کے نزدیک بھی۔"

﴿كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵﴾ "اسی طرح اللہ مہر لگا دیا کرتا ہے ہر اُس شخص کے دل پر جو متکبر اور سرکش ہو۔"

اللہ کے اس فیصلے کے بعد پھر ایسے لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوتی۔

مؤمنِ آلِ فرعون کی اس تقریر کو پڑھتے ہوئے فرعون کے دربار کا نقشہ ذہن میں لایئے اور در و دیوار کے درمیان سے اُبھرنے والی اس تصویر کو غور سے دیکھئے! فرعون نظریں زمین پر گاڑے بت بنا بیٹھا ہے۔ اس کے دائیں بائیں سب کے سب درباری مبہوت ہو چکے ہیں' پورے دربار میں سناٹے کا عالم ہے۔ فضا میں صرف ایک آواز گونج رہی ہے اور وہ ہے حق کی آواز! مردِ مؤمن پُرجلال انداز میں اپنی تقریر جاری رکھے ہوئے ہے۔ تقریر نہایت مؤثر اور مربوط ہے۔ اس میں عقلی دلائل بھی ہیں اور تاریخی شواہد بھی۔ دعوت کا انداز بھی ہے اور عبرت کا سامان بھی۔ ماحول پر گہری سنجیدگی طاری ہو چکی ہے۔ اس صورتِ حال میں فرعون کرے تو کیا کرے۔ نہ تو اسے چپ رہنے کا یارا ہے اور نہ بولنے کا حوصلہ۔ اندیشہ ہائے دور دراز کے جھرمٹ میں اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ "فرعون" ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد جب وہ اس کیفیت سے باہر آتا بھی ہے تو مردِ مؤمن کو جواب دینے کے بجائے اپنے وزیر سے مخاطب ہونا مناسب سمجھتا ہے:

آیت ۳۶ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶﴾ "اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ میں پہنچ جاؤں راستوں تک۔"

آیت ۳۷ ﴿اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ "یعنی آسمان کے راستوں تک' پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے الٰہ کو"

یہ موسیٰ جس الٰہ کا ذکر کرتا ہے میں اس تک پہنچ کر خود اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ﴾ "اور میرا گمان تو یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔"

﴿وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ "اور اس طرح فرعون کے لیے اس کا بُرا عمل بھی مزین کر دیا گیا"

یعنی فرعون کی نگاہوں میں اُس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی۔

﴿وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ۝۳۷﴾ "اور اسے روک دیا گیا سیدھی راہ

سے۔ اور فرعون کی یہ چال نہیں تھی مگر تباہ ہونے کے لیے۔''

فرعون کی بے بسی کی ایک تصویر تو ہم قبل ازیں آیت ۲۹ میں دیکھ آئے ہیں: ﴿مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾﴾ کہ دیکھو بھئی! یہ تو میری رائے ہے' مجھے جو بات صحیح محسوس ہوئی وہ میں نے آپ لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب آیت زیر مطالعہ میں جو منظر دکھایا گیا ہے اس میں وہ پہلے سے بھی زیادہ بے بس نظر آرہا ہے۔ یہ جملے بولتے ہوئے نہ تو اس نے مردِ مؤمن کی کسی بات کا جواب دیا اور نہ ہی وہ اس سے نظریں ملا سکا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے بات کی بھی تو اپنے وزیر سے کی اور بات بھی نہایت بے تکی اور لایعنی کی! کہ مجھے کوئی اونچا سا مینار بنا دو تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں! واہ رے بادشاہ سلامت واہ! اسے کہتے ہیں کھسیانی بلی کھمبا نوچے!

اللہ تعالیٰ کے وجود کے خلاف ایسی ہی ایک ''پختہ دلیل'' موجودہ دور کے لال بجھکڑوں کو بھی سوجھی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو چاند تک بھی ہو آئے ہیں' ہمیں تو کہیں کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ مردِ مؤمن نے بہرحال فرعون کی اس فضول اور بے محل بات کو نظر انداز کر کے کمال سنجیدگی سے اپنی تقریر کو جاری رکھا:

آیات ۳۸ تا ۵۰

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا
مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ
حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ
وَاُشْرِکَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ
اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰہِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ ھُمْ
اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ ۢ
بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ
یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ
الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ یَتَحَاۗجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا
فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْھَآ ۙ اِنَّ اللّٰہَ
قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَۃِ جَھَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا
مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰی ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا
دُعٰۗؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۱۳ ۱۰

آیت ۳۸ ﴿وَقَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿ۚ۳۸﴾﴾ ’’اور کہا اُس مؤمن نے کہ اے میری قوم کے لوگو! تم میری پیروی کرو' میں تمہاری راہنمائی کروں گا نیکی کے راستے پر۔‘‘

یہ گویا فرعون کی اس بات کا جواب ہے جو اُس نے کہا تھا: ﴿وَمَاۤ اَهۡدِیۡکُمۡ اِلَّا سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور میں تمہاری راہنمائی نہیں کر رہا مگر کامیابی کے راستے کی طرف‘‘۔ جواب میں مردِ مؤمن نے فرعون ہی کے الفاظ دہراتے ہوئے اہلِ دربار کو مخاطب کیا ہے کہ اگر کوئی ’’سبیل الرشاد‘‘ کی بات کرتا ہے تو آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ’’سبیل الرشاد‘‘ کیا ہے۔ تم میری بات مانو' میرے پیچھے آؤ' میں تمہاری راہنمائی کرتا ہوں کہ بھلائی اور کامیابی کیا ہوتی ہے اور کون سا راستہ رشد و ہدایت اور فلاح و کامیابی کی طرف جاتا ہے۔

آیت ۳۹ ﴿یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾﴾ ’’اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی تو بس (چند روزہ) برتنے کا سامان ہے اور مستقل رہنے کی جگہ تو آخرت ہے۔‘‘

آیت ۴۰ ﴿مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ﴾ ’’جس نے کوئی بدی کمائی ہوگی تو اُسے بدلہ ملے گا اُسی کے مانند۔‘‘

﴿وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ﴾ ’’اور جو کوئی نیک عمل کرے گا' چاہے مرد ہو یا عورت' لیکن ہو وہ مؤمن‘‘

﴿فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡهَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾﴾ ’’تو وہی لوگ جنّت میں داخل ہوں گے' وہاں انہیں رزق ملے گا بغیر حساب کے۔‘‘

آیت ۴۱ ﴿وَیٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اور اے میری قوم کے لوگو! مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں پکار رہا ہوں نجات کی طرف اور تم مجھے دعوت دے رہے ہو آگ کی!‘‘

تم اللہ کے رسولؑ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہو اور مجھ سے چاہتے ہو کہ میں بھی اس گناہ میں تمہارے ساتھ شریک ہو کر جہنم کا مستحق بن جاؤں' جبکہ میں چاہتا ہوں کہ تم سب میرے ساتھ آؤ' میرا راستہ اپناؤ' اللہ کے حضور توبہ کرو اور جہنم سے نجات پا کر جنت میں چلے جاؤ۔

آیت ۴۲ ﴿تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشۡرِکَ بِهٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ۫﴾ ’’تم مجھے دعوت دے رہے ہو اس بات کی کہ میں اللہ کا کفر کروں اور شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ جس کا مجھے کوئی علم نہیں‘‘

﴿وَّاَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾﴾ ’’اور میں تمہیں بلا رہا ہوں اُس ذات کی طرف جو زبردست ہے' بخشش کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ لَیۡسَ لَهٗ دَعۡوَةٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَا فِی الۡاٰخِرَةِ﴾ ’’بلاشبہ جن (معبودوں) کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو' ان کے لیے کوئی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں‘‘

یہ سب تمہارے خود ساختہ معبود ہیں۔ نہ تو دنیا میں کہیں ان کی رسائی ہے اور نہ ہی آخرت میں انہیں کوئی

اختیار ہے۔

﴿وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ ’’اور یہ کہ ہم سب کو لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے‘‘

یاد رکھو! خواہی نخواہی ہمیں ایک دن حاضر تو اللہ ہی کے حضور ہونا ہے۔

﴿وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾﴾ ’’اور جو حد سے گزرنے والے ہیں وہی جہنمی ہیں۔‘‘

آیت ۴۴ ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ﴾ ’’تو عنقریب تم یاد کرو گے (یہ باتیں) جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔‘‘

میں جانتا ہوں کہ تم میری ان باتوں کو نہیں مانو گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم موسیٰؑ اور اس کی قوم کے خلاف اپنی ساری چالیں چل کر رہو گے۔ مگر یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً تم اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دو گے۔ بہر حال میری یہ باتیں تمہیں اس وقت ضرور یاد آئیں گی جب تمہارا بھیانک انجام تمہارے سامنے آن کھڑا ہو گا۔

﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔‘‘

یہ مردِ مؤمن کی تقریر کے اختتامی الفاظ ہیں۔ اس جملے کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ فرعون کے دربار میں کلمۂ حق بلند کرنے کے بعد مردِ مؤمن ذہنی طور پر کسی بھی سزا کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ اس ’’گستاخی‘‘ کے بعد انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کا اختتام اس خوبصورت جملے پر کیا۔ سورۂ یٰسٓ میں بھی ایک مردِ مؤمن کی ’’حق گوئی و بے باکی‘‘ کا ذکر ہوا ہے، جس نے اپنی قوم کو رسولوں کی پیروی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنے ایمان کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا تھا۔ اس ’’اعلانِ بغاوت‘‘ کے نتیجے میں اس کو اسی لمحے شہید کر دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے جنت میں داخل فرما دیا تھا۔ قرآن حکیم میں اس کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (یٰسٓ) ’’اس نے کہا کاش! میری قوم کو معلوم ہو جاتا میرے رب نے جس طرح میری مغفرت فرمائی ہے اور جس طرح مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر لیا ہے!‘‘ مؤمنِ آلِ فرعون نے بھی اپنی شہادت کے امکان کو دیکھتے ہوئے کمال اطمینان سے اپنا معاملہ اللہ کو سونپ دیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾﴾ ’’اللہ یقیناً اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔‘‘

اسے یقین تھا کہ اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے، وہ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ وہ جسے چاہے ظلم و زیادتی کا شکار ہونے سے بچا سکتا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ ’’تو بچا لیا اللہ نے اُس کو ان کی چالوں کی برائیوں سے‘‘

یہاں ’’ہُ‘‘ کی ضمیر کا مرجع مؤمنِ آلِ فرعون بھی ہو سکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد مؤمنِ آلِ فرعون ہے کہ اللہ نے اسے فرعون کے انتقام کا نشانہ بننے سے بچا لیا، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت موسیٰؑ مراد ہیں۔ چونکہ اس بات کا آغاز فرعون کی اس قرار داد سے ہوا تھا جو اس نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کی اجازت کے لیے اپنے درباریوں کے سامنے پیش کی تھی۔ اس لیے زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس پوری تفصیل کے اختتام پر آیت زیرِ مطالعہ میں فرعون کے مذکورہ منصوبے کی

ناکامی پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ مؤمنِ آلِ فرعون کی اس تقریر کے بعد دربار کا ماحول ایسا نہ رہا کہ اس میں حضرت موسٰیؑ کے قتل کی قرارداد پاس ہو سکتی۔ چنانچہ فرعون اور اس کے درباری اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۴۵﴾ ''اور گھیر لیا آلِ فرعون کو بدترین عذاب نے۔''

آیت ۴۶ ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ﴾ ''آگ ہے جس پر وہ پیش کیے جاتے ہیں صبح و شام۔''

یہ قرآن مجید کی دوسری آیت ہے جس سے عذابِ قبر سے متعلق دلیل ملتی ہے (نیز ملاحظہ ہو: سورۃ الفرقان کی آیت ۶۹ کی تشریح۔)

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۴۶﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہو گی (اُس دن کہہ دیا جائے گا کہ) داخل کر دو فرعون کی قوم کو شدید ترین عذاب میں۔''

اس آیت کے مفہوم کے مطابق آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں تو قیامِ قیامت کے بعد داخل کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے قبر کی زندگی کے دوران صبح و شام انہیں آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے — عذابِ قبر کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات بہت واضح ہیں۔ آپؐ کا فرمان ہے: ((اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ))[۱] ''قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا''۔ منکرینِ حدیث البتہ عذابِ قبر کی نفی کرتے ہیں۔ دراصل قبر کا معاملہ ایک دوسرے جہان کا معاملہ ہے جو عالمِ غیب ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ قبر سے مراد وہ مخصوص گڑھا نہیں جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ سورۃ المُطَفِّفِین میں عالم برزخ کی دو کیفیات عِلِّیِّیْن اور سِجِّیْن کا ذکر ملتا ہے۔ اس عالم میں انسان نیم شعوری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی خوش قسمت ''عِلِّیِّیْن'' میں ہے تو وہاں جنت کی کھڑکی کھلی ہوتی ہے اور وہ جنت کی ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ''سِجِّیْن'' میں جہنم کی کھڑکی میں سے آگ کی لپٹ آ رہی ہوتی ہے۔

آیت ۴۷ ﴿وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ ''اور جب وہ آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے''

﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۴۷﴾ ''ہم تو تمہاری پیروی کرتے تھے، تو کیا تم لوگ ہم سے آگ کے عذاب کا کوئی حصہ کم کروا سکتے ہو؟''

دنیا میں تو تمہارا ہر جگہ حکم چلتا تھا۔ تو اگر یہاں پر بھی تمہارا کچھ اختیار ہے تو ہمارے عذاب میں کچھ کمی کروا دو۔ آخر ہم تمہاری پیروی کر کے ہی اس حال کو پہنچے ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ﴾ ''وہ بڑے بننے والے کہیں گے کہ ہم سبھی اس کے اندر پڑے ہوئے ہیں''

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع، ح: ۲۴۶۰۔

یعنی ابوجہل اور عتبہ بن ابی معیط جیسے بڑے بڑے سردار اپنی بے بسی اور بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں سے یوں معذرت کریں گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾﴾ ''اللہ نے تو اپنے بندوں کے مابین فیصلہ کر دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری فیصلہ ہو چکا ہے اور ہم تم سب چونکہ مجرم تھے اس لیے اس عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾﴾

''اور کہیں گے وہ لوگ جو آگ میں ہوں گے جہنم کے داروغوں (فرشتوں) سے' آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہم سے بس ایک دن ہی عذاب میں تخفیف کر دے۔''

آیت ۵۰ ﴿قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ﴾ ''وہ جواب میں کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس رسولؑ نہیں آتے رہے تھے واضح نشانیوں (اور واضح تعلیمات) کے ساتھ؟''

﴿قَالُوْا بَلٰى ۭ﴾ ''وہ کہیں گے: ہاں (آئے تو تھے)!''

﴿قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾﴾ ''وہ کہیں گے: تو اب تم خود ہی پکارو! اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر بھٹک کر رہ جانے والی۔''

دنیا کی زندگی میں جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی تھی آج ان کی دعا بالکل صدا بصحرا ثابت ہوگی۔ ان لوگوں کی دعا کا نہ کوئی اثر ہوگا اور نہ ہی اس کی کہیں شنوائی ہوگی۔ بالکل یہی کیفیت ان لوگوں کی بھی ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنی حرام خوری بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ باطل کی چاکری بھی کیے جا رہے ہیں' طاغوت کے حمایتی بھی بنے ہوئے ہیں اور اپنی سوچ اور فکر کو باطل طور طریقوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے نت نئی راہیں بھی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ گویا ان کی وفاداری اور دوستی تو شیطان اور اس کے چیلوں سے ہوتی ہے مگر دعا اللہ سے کرتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو بڑا طویل سفر کر کے (حج یا عمرہ کے لیے) آتا ہے۔ اس کے کپڑے بھی میلے ہو چکے ہیں اور بال بھی غبار آلودہ ہیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر ''یا رب! یا رب!'' پکارتا ہے۔ لیکن اُس کا کھانا بھی حرام کا ہے' اُس کا پینا بھی حرام کا ہے' اُس نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں وہ بھی حرام کمائی کے ہیں' اور اس کے جسم نے حرام غذا سے نشو و نما پائی ہے —— تو اُس کی دعا کیونکر قبول ہو؟ ((فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ!)) (۱)

۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران ہم نے دیکھا کہ پاکستان کی نصرت کے لیے حرمین شریفین میں قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی تھی اور گڑگڑا کر دعائیں مانگی جاتی تھیں' مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے کرتوتوں کی وجہ سے اپنے گھر کے اندر مانگی گئی ان دعاؤں کو بھی ٹھکرا دیا اور جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا۔

لفظ ''کافر'' کو اس کے وسیع مفہوم کے تناظر میں رکھ کر غور کیجیے کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ اس کا مصداق قانونی کفار کے علاوہ وہ لوگ بھی ٹھہرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ کے آخر میں سنائی گئی وعید بہت واضح ہے۔ مذکورہ آیت میں حج کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے''۔ یعنی جس نے صاحبِ استطاعت ہو کر بھی حج ادا نہیں کیا اس نے گویا کفر کیا۔ اسی طرح تارکِ صلوٰۃ کے بارے میں حضور ﷺ کا بہت مشہور فرمان ہے: ((مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا))(۱) ''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اُس نے علانیہ کفر کیا۔''

پس ایک کفر تو وہ ہے جس سے ایک مسلمان باقاعدہ مرتد ہو کر سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے اور ایک کفر یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی خاص حکم کی نافرمانی سے سرزد ہوتا ہے اور جس کو کسی صاحب نظر نے ''جو دم غافل سو دم کافر'' کا عنوان دیا ہے۔ اس زاویے سے دیکھا جائے تو آج پوری دنیا کے مسلمان اس کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کا کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو' جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو اس بارے میں یہ ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں''۔ چنانچہ ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ اس حوالے سے آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم جس ملک کے شہری ہیں کیا وہاں شریعت اسلامی کی حکمرانی ہے؟ کیا ہمارے دیوانی و فوجداری معاملات قرآن کے قانون کے مطابق طے پا رہے ہیں؟ کیا ہمارا نظامِ معیشت اللہ کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو کیا ہم سورۃ المائدۃ کی مذکورہ آیت کے مصداق نہیں بن چکے ہیں۔

آیات ۵۱ تا ۶۰

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی : ۳/ ۳۴۳۔ الترغیب والترھیب للمنذری : ۱/ ۲۶۱۔ مجمع الزوائد للھیثمی: ۱/ ۳۰۰۔ الجامع الصغیر للسیوطی' ح: ۸۵۸۷۔ عن انس بن مالك ؓ۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۵۹ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ
ع۶ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝۶۰

آیت ۵۱ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۵۱﴾ ''ہم لازماً مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی' اور اُس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔''

آیت ۵۲ ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ﴾ ''جس دن کہ ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی''

﴿وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۵۲﴾ ''اور ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہو گا۔''

آیت ۵۳ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ۝۵۳﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت دی تھی اور ہم نے وارث بنایا تھا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔''

آیت ۵۴ ﴿هُدًی وَّذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۵۴﴾ ''جو ہدایت اور یاددہانی تھی ہوشمندوں کے لیے۔''

آیت ۵۵ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے''

﴿وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ ''اور اپنے قصور کی معافی چاہیں''

اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ کسی درجے میں بھی آپ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ سے استغفار کیجیے۔ یہاں پر حضور ﷺ کے حوالے سے لفظ ''ذنب'' کے مفہوم اور اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی کیفیات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستقل استحضار کا مخصوص انداز اور معیار ہے۔ اگر استحضار کے اس مخصوص معیار میں کسی لمحے کوئی کمی آ جائے تو اپنے احساس کی شدت کی وجہ سے انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ یہ گویا ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن'' والا معاملہ ہے۔ یعنی مقرّبینِ بارگاہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ عام آدمی کے معیار کی نیکی ان کے معاملے میں شاید کوتاہی شمار ہو جائے۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۵۵﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے شام کو بھی اور صبح کو بھی۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں جھگڑے ڈالتے ہیں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو''

﴿اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ﴾ ''نہیں ہے ان کے دلوں میں کچھ' مگر تکبر جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں۔''

ان کے دلوں میں صرف بڑائی کی خواہش ہے' جو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۵۶﴾ ''پس آپ اللہ کی پناہ طلب کیجیے' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی تخلیق یقیناً زیادہ بڑا کام ہے انسانوں کی تخلیق سے''

اس مفہوم کو جتنا آج ہم سمجھ سکتے ہیں آج سے چودہ سو سال پہلے انسان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں کے بارے میں آج کا انسان جو کچھ جانتا ہے اُس دور کا انسان تو اس کے مقابلے میں بہت کم جانتا تھا۔ یہ کائنات اس قدر وسیع و عریض ہے کہ سائنس کی تمام تر ترقی اور بڑی بڑی ٹیلی سکوپس (telescopes) ایجاد کر لینے کے باوجود آج کے سائنس دان یہ تک نہیں جان سکے کہ اس کائنات کا نقطہ آغاز کہاں ہے اور یہ ختم کہاں پر ہوتی ہے۔ تو جس اللہ نے اتنی وسیع کائنات تخلیق کی ہے اس کے لیے تمہاری تخلیق کیا معنی رکھتی ہے!

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷﴾ ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیت ۵۸ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ﴾ ''اور برابر نہیں ہو سکتے اندھے اور آنکھوں والے''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْۗءُ ۭ﴾ ''اور (نہ برابر ہو سکتے ہیں) وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور وہ جو بدکار ہیں۔''

﴿قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸﴾ ''بہت ہی کم ہے جو کہ تم سبق حاصل کرتے ہو۔''

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۡ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۹﴾ ''(اور دیکھو!) یقیناً قیامت آ کر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۶۰ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ﴾ ''اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

ابتدا میں بتایا گیا تھا کہ اس سورت کا مرکزی مضمون دعا ہے۔ چنانچہ نوٹ کیجیے یہاں پھر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے بندے ہو تو مجھ سے مانگو! انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اُس سے مانگا جائے تو اس پر گراں گزرتا ہے' جبکہ اللہ سے اگر نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ گویا عطائے خداوندی خود سائلوں کی تلاش میں رہتی ہے ؏ ''ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!'' نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتے ہیں اور ایک ندا ہوتی ہے: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ ، هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأُجِيْبَهُ (۱) ''ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی گناہوں کی

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها' باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل ...... ومسند احمد' کتاب باقی مسند المکثرین' باب باقی مسند السابق' ح ۹۲۲۰۔ راوی: حضرت ابوہریرہ ؓ ۔ واللفظ لہ۔

معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ میں اس کی پکار قبول کروں؟''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کی بنا پر اعراض کرتے ہیں وہ داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر۔''

قبل ازیں عبادت اور دعا کے لازم وملزوم ہونے کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اس حدیث کا ذکر بھی ہو چکا ہے جس میں حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا ہی اصل عبادت ہے۔ چنانچہ اس آیت میں یہ نکتہ مزید واضح ہو گیا ہے۔ یہاں پر پہلے دعا کا ذکر کیا گیا ہے (ادْعُوْنِيْٓ) اور پھر اسی کے لیے عبادت کا لفظ لایا گیا ہے۔ گویا اس آیت میں دعا اور عبادت مترادف الفاظ کے طور پر آئے ہیں۔

آیات ۶۱ تا ۶۸

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ ع ۸ ۱۲

آیت ۶۱ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن بنادیا ہے دیکھنے کے لیے۔''

اُس نے رات کو تاریک بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اس میں کام کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ ''یقیناً اللہ تو اپنے بندوں پر بہت فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

آیت ۶۲ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب جو ہر چیز کا خالق ہے۔''

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو کہاں سے تم پھرائے جا رہے ہو!''

آیت ۶۳ ﴿كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ ''اسی طرح وہ لوگ بھی اُلٹے پھرائے گئے تھے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔''

آیت ۶۴ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے بنا دیا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت''

﴿وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ ''اور تمہاری صورت گری کی' تو کیا ہی عمدہ تمہاری صورتیں بنائیں''

﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ﴾ ''اور تمہیں رزق بہم پہنچایا پاکیزہ چیزوں سے۔''

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب!''

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''تو بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''وہ زندہ و جاوید ہستی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں''

ایک وہی ذات ہے جو خود زندہ ہے' صرف اُسی کی حیات ذاتی ہے۔ باقی زندگی جہاں بھی ہے' جس شکل میں بھی ہے اُسی کی عطا کردہ ہے۔ ہمیں بھی زندگی کے یہ چار دن اُسی نے مستعار دیے ہیں۔ ع ''عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن!''

﴿فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾ ''پس اُسی کو پکارو! اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

نوٹ کیجیے' پھر وہی حکم دہرایا جا رہا ہے کہ دُعا اُسی سے مانگو' وہ قبول بھی کرے گا' مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری اطاعت خالص اُسی کے لیے ہونی چاہیے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''کُل حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے: مجھے تو روک دیا گیا ہے کہ میں بندگی کروں ان کی جن کو تم پکار رہے ہو اللہ کے سوا''

آیت ۶۰ کی طرح یہاں بھی عبادت (اَعْبُدَ) اور دعا (تَدْعُوْنَ) کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

﴿لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫﴾ ''جبکہ میرے پاس آ چکی ہیں واضح تعلیمات میرے رب کی طرف سے''

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں سرِ تسلیم خم کر دوں تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔''

جہاں تک سورۃ المؤمن میں توحیدِ عملی کے داخلی پہلو یعنی دعا کے مضمون کا تعلق ہے وہ اس سورت کی

آیت ۶۵ پر اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس سورت میں بھی انہیں مضامین کی جھلک نظر آئے گی جو عام طور پر مکی سورتوں میں آئے ہیں۔ البتہ یہاں پر یہ مضامین قدرے مختلف اسلوب اور ترتیب میں نظر آئیں گے۔ ان ہی مضامین میں سے ایک انسان کی تخلیق کا ذکر ہے:

آیت ۶۷ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پہلے مٹی سے' پھر نطفے سے' پھر علقہ سے''

عَلَقَه کے لغوی معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی دوسری چیز کے ساتھ معلّق ہو۔ اس لفظ میں بچے کی تخلیق کے حوالے سے دوسرے مرحلے کی کیفیت بیان ہوئی ہے جب نطفہ رحم مادر کی دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے ـــ لفظ 'عَلَقَه'' کی مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ کی تشریح۔

﴿ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا﴾ ''پھر وہ تمہیں نکال لیتا ہے ایک بچے کی حیثیت سے''

﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ﴾ ''پھر (تمہیں پروان چڑھاتا ہے) تا کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو''

﴿ثُمَّ لِتَکُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ﴾ ''پھر (تمہیں مزید عمر دیتا ہے) تا کہ تم ہو جاؤ بوڑھے۔''

یعنی حیاتِ انسانی کا دورانیہ (life cycle) عام طور پر اسی نہج پر چلتا ہے۔

﴿وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور تم میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہیں اس سے پہلے ہی وفات دے دی جاتی ہے''

بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑھاپے کی عمر تک نہیں پہنچ پاتے۔ کوئی بچپن میں فوت ہو جاتا ہے اور کوئی جوانی میں۔

﴿وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''اور (بعض کو مہلت دیتا ہے) تا کہ تم ایک وقتِ معیّن کو پہنچ جاؤ اور (یہ اس لیے ہے) تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

چاہے کوئی بچپن میں ہی انتقال کر جائے' کوئی جوانی میں فوت ہو یا کوئی بہت طویل عمر پا لے' ہر شخص نے اپنی موت تک بہر صورت زندہ رہنا ہے اور ہر شخص کی موت کا وقت اللہ کے ہاں مقرر اور طے شدہ ہے۔

آیت ۶۸ ﴿هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ﴾ ''وہی ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت وارد کرتا ہے۔''

﴿فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝﴾ ''چنانچہ (اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ) جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیات ۶۹ تا ۷۸

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۝

فِي الْحَمِيمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۞ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۞ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ
قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۞ ذَٰلِكُم
بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ۞ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۞ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۞ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ
مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ
بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۞ ع ۸ ۱۲

آیت ۶۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں!“

اَلَمْ تَرَ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں؟ لیکن اس کا مفہوم یہی ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا؟

﴿اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝۶۹﴾ ”وہ کہاں سے پھرائے جا رہے ہیں؟“

یعنی وہ حق کے قریب پہنچ کر واپس پلٹ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محمد ﷺ کا دور نصیب ہوا' آپؐ کے ساتھ ایک شہر اور ایک جگہ اکٹھے رہنے کا موقع ملا۔ لیکن ان کی بدقسمتی ملاحظہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے انعام کے باوجود بھی یہ لوگ ہدایت سے محروم رہ گئے۔ مقامِ عبرت ہے! دیکھو' یہ لوگ کہاں تک پہنچ کر ناکام لوٹے ہیں: ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا!

آیت ۷۰ ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڐ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۰﴾ ”وہ لوگ کہ جنہوں نے جھٹلایا کتاب کو اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو' تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“

بس کچھ ہی وقت کی بات ہے' اصل حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔

آیت ۷۱ ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝۷۱﴾ ”جب ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے' (اس حالت میں) انہیں گھسیٹا جائے گا۔“

آیت ۷۲ ﴿فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝۷۲﴾ ”کھولتے پانی میں' پھر انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا۔“

آیت ۷۳ ' ۷۴ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۷۳ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ”پھر ان سے کہا جائے

گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک بنایا کرتے تھے اللہ کے سوا؟''

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ﴾ ''وہ کہیں گے: سب گم ہو گئے ہم سے' بلکہ ہم نہیں پکار رہے تھے اس سے پہلے کسی بھی شے کو۔''

اے اللہ! آج اس وقت ہم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ جنہیں معبود سمجھ کر ہم پکارا کرتے تھے ان کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۴﴾ ''اسی طرح اللہ بھٹکا دیتا ہے کافروں کو۔''

آیت ۷۵ ﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝۷۵﴾ ''اور یہ سب اس لیے ہوا کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اکڑا بھی کرتے تھے۔''

تم لوگ دنیا کے مال و متاع پر خواہ مخواہ اکڑفوں دکھاتے تھے۔ گویا تم ہلدی کی گانٹھ مل جانے پر پنساری بن بیٹھے تھے۔ حالانکہ دنیا میں تمہارا وہ سارا مال و متاع ہمارا ہی عطا کیا ہوا تھا جس پر اترانے اور فخر جتلانے کا تمہیں کوئی حق نہیں تھا۔

آیت ۷۶ ﴿اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ﴾ ''اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں' اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔''

﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۶﴾ ''تو یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے متکبّرین کا۔''

اب اگلی آیت میں حضور ﷺ سے خطاب کر کے آپؐ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے:

آیت ۷۷ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے' یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے۔''

اللہ کا وعدہ ہے کہ اُس کا دین ضرور غالب ہو گا: ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲﴾ (طٰہ) ''ہم نے یہ قرآن آپؐ پر اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپؐ ناکام ہو جائیں'' (معاذ اللہ!)

﴿فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''تو اگر ہم آپؐ کو دکھا دیں اس میں سے کچھ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں''

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے کہ جس عذاب کے بارے میں انہیں خبردار کیا جا رہا ہے وہ ان پر آپؐ کی زندگی میں بھی آ سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر وہ برا وقت آپؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آئے۔

﴿فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝۷۷﴾ ''پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

مجھے انہیں پکڑنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ انہوں نے آنا تو بہر حال میرے ہی پاس ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ﴾ ''اور ہم نے بہت سے رسول بھیجے آپؐ سے پہلے' ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے

آپ سے کیا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔"

یعنی ان رسولوں میں سے بعض کے حالات آپ کو سنا دیے ہیں اور بعض کے نہیں سنائے۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ "اور کسی بھی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ وہ کوئی نشانی لے آتا مگر اللہ کے اذن سے۔"

کبھی کوئی رسول اپنی مرضی اور ذاتی کوشش سے اپنی قوم کو کوئی معجزہ نہیں دکھا سکا۔ یہ مضمون اکثر مکی سورتوں میں آیا ہے۔ گویا اس مضمون کی ڈور کا تسلسل زیر مطالعہ مکی سورتوں میں بھی نظر آ رہا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۷۸﴾ "پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو فیصلہ چکا دیا گیا حق کے ساتھ اور اُس وقت خسارے میں پڑ گئے جھٹلانے والے۔"

آیات ۷۹ تا ۸۵

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ
اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸۳ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ
مُشْرِكِيْنَ ۝۸۴ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ
عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۵ ع ۹

آیت ۷۹ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹﴾ "اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنا دیے تاکہ تم سواری کرو ان میں سے بعض پر اور ان میں سے بعض کا تم گوشت بھی کھاتے ہو۔"

آیت ۸۰ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ "اور ان میں تمہارے لیے اور بھی بہت سی منفعتیں ہیں"

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النحل میں بہت تفصیل سے آ چکا ہے۔

﴿وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰﴾ "اور تاکہ ان پر سوار ہو کر تم اپنی وہ ضرورتیں پوری کرو جو تمہارے دل میں ہوتی ہیں اور اُن پر بھی اور کشتیوں پر بھی تمہیں سوار کرایا جاتا ہے۔"

آیت ۸۱ ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱﴾ ''اور وہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا رہتا ہے' تو تم اللہ کی کون کون سی آیات کا انکار کرو گے؟''

گزشتہ تین آیات میں آیاتِ آفاقیہ کا ذکر ہوا۔ اب آگے ''ایام اللہ'' یعنی عبرت آموز تاریخی حقائق کا تذکرہ ہے۔

آیت ۸۲ ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ غور کرتے کہ کیسا انجام ہوا اُن کا جو ان سے پہلے تھے!''

﴿كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ ''وہ ان سے کہیں زیادہ تھے تعداد میں اور زیادہ شدید تھے طاقت میں بھی اور زمین میں نشانات چھوڑنے کے اعتبار سے بھی''

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲﴾ ''تو ان کے کچھ کام نہ آیا وہ سب کچھ جو وہ کماتے رہے تھے۔''

ان کے یہ سارے کارنامے اور ساری کمائی انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

آیت ۸۳ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''تو جب آگئے ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر''

الْبَیِّنٰتِ سے مراد حسّی معجزات بھی ہیں اور واضح تعلیمات اور دلائل بھی۔

﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸۳﴾ ''تو وہ اتراتے رہے اسی پر جو بھی علم ان کے پاس تھا اور گھیرے میں لے لیا انہیں اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

وہ لوگ اپنے آبائی عقائد و توہمات پر جمے رہے اور انہی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے رہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس حق کا بھی مذاق اڑایا جو ان کے رسولوںؑ نے ان کے سامنے پیش کیا اور عذاب کی وعیدوں کا بھی جس سے انہیں خبردار کیا گیا۔ بالآخر انہیں اپنے کرتوتوں کی سزا مل کر رہی۔

آیت ۸۴ ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ ''پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تب انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اللہ واحد پر''

تب کہنے لگے کہ اب ہم توحید کے قائل ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

﴿وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝۸۴﴾ ''اور ہم نے انکار کیا ان (معبودوں) کا جنہیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے رہے تھے۔''

آیت ۸۵ ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ﴾ ''تو پھر ان کا ایمان لانا ان کے لیے ہرگز مفید نہیں ہوا جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔''

عذاب کے واضح آثار سامنے آجانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ایسے وقت کا ایمان اللہ کے

ہاں قابل قبول نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے اور اس قانون سے استثناء نوعِ انسانی کی پوری تاریخ میں صرف ایک ہی قوم کو ملا اور وہ تھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم۔ اس استثناء کا ذکر ہم سورۂ یونس کی آیت ۹۸ میں پڑھ چکے ہیں۔ دراصل حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی واضح اجازت آنے سے پہلے ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ چنانچہ نبیؑ کے کھاتے میں جو debit آیا وہ قوم کے لیے credit بن گیا۔ جدید اکاؤنٹنگ کے ماہرین خوب جانتے ہیں کہ ایک طرف کا debit دوسری طرف کا credit کیسے بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے واضح آثار دیکھ لینے کے بعد توبہ کر لی اور ان کی یہ توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

﴿سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ۸۵ ''یہ اللہ کا وہ دستور ہے جو اُس کے بندوں میں جاری رہا ہے' اور اُس وقت کافر لوگ خسارے میں رہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ اصل خسارہ تو کافروں ہی کے لیے ہے۔

بیان القرآن

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجدَۃ

(۴۱)

سُورۃ حٰمٓ السَّجدۃ

تمہیدی کلمات

سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا دوسرا نام سورۂ فُصّلت ہے۔ دراصل ''السجدۃ'' کے نام سے قرآن مجید میں دو سورتیں ہیں اور دونوں ہی حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ سورۃ الاحزاب سے متصلاً قبل کی سورۃ السجدۃ الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے' اس نسبت سے اس کا پورا نام الٓمّٓ السجدۃ ہے۔ لیکن چونکہ عام طور پر وہ صرف ''السجدۃ'' کے نام سے معروف ہے' اس لیے ان دونوں میں فرق واضح کرنے کے لیے زیر مطالعہ سورت کو حٰمٓ السجدۃ کہا جاتا ہے۔

سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا مرکزی مضمون ''دعوتِ توحید'' ہے۔ دعوت کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے ایک ایسے شخص کا تصور ذہن میں لایئے جس نے عقیدۂ توحید کو اختیار کر کے اپنے دل و دماغ کو باطل نظریات اور مشرکانہ خیالات سے پاک کرلیا ہے۔ نورِ توحید سے اس کا سینہ منور ہوگیا ہے اور اُس نے خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری طرح جھکا لیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ شخص کسی معاشرے کا حصہ ہے اور کسی بھی معاشرے میں رہتے ہوئے ایک توحید پرست شخص کے سامنے توحید کے حوالے سے درج ذیل دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی۔ یا تو اس معاشرے میں اللہ کا دین غالب ہوگا اور وہاں اسلامی حکومت ہوگی' یا پھر وہاں اللہ کا دین مغلوب ہوگا۔ دین کے غلبے کی صورت میں تو ایک توحید پرست شخص کے لیے اللہ کی بندگی اختیار کرنا اور ہمہ تن اللہ کا بندہ بن کر رہنا آسان ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس سے تقاضا بھی یہی ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں معاشرے کی صورتِ حال ایسی ہی تھی۔ یعنی مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نقشہ اللہ کی مرضی اور اس کے دین کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ اس نظام کے تحت عام لوگ بڑی آسانی اور سہولت سے اللہ کی اطاعت اور بندگی میں اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ لیکن اگر کسی معاشرے یا ملک میں باطل نظام غالب اور اللہ کا دین مغلوب ہو تو ایک مؤمن یا موحّد شخص کے لیے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور بندگی میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں۔ ایسی صورت میں کوئی بھی شخص اللہ کی بندگی پانچ' دس' پندرہ فی صد تک یعنی جزوی طور پر ہی کرسکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک توحید پرست شخص اگر ایسے معاشرے میں رہنے پر مجبور ہے جہاں باطل کا غلبہ ہے اور ملک میں مجموعی طور پر کفر کا نظام قائم ہے تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ چنانچہ ایک موحّد شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی صورتِ حال کو ذہنی طور پر تسلیم (reconcile) نہ کرے۔ وہاں رہتے ہوئے وہ احتجاج (protest) کی کیفیت میں زندگی بسر کرے' ہر وقت اس باطل نظام کو بدلنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی فکر میں رہے اور عملی طور پر اس کے لیے ہر ممکن جدّوجہد کرتا رہے۔ اس جِدّوجُہد کے حوالے سے اس کے لیے

لازم ہوگا کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریاتِ زندگی کم سے کم اور ناگزیر حد (subsistence level) تک پوری کرنے کے بعد اپنی تمام تر صلاحیتیں' اپنا وقت اور اپنے وسائل باطل نظام کو اُکھاڑ پھینکنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش میں کھپا دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کی یہ جدوجہد اور کوشش گویا باطل نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے گناہ کا کفّارہ بن جائے گی۔

نظریاتی طور پر اس نکتے کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ عملی طور پر اس جدوجہد کی ترتیب و تدریج کیا ہوگی۔ ظاہر ہے یہ کام کسی اکیلے آدمی کے بس کا تو ہے نہیں' اکیلا چنا تو بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ باطل نظام کو اکھاڑ پھینکنا بہرحال کوئی آسان کام نہیں۔ اس کام کے لیے طاقت ناگزیر ہوگی اور طاقت حاصل کرنے کے لیے جمعیت درکار ہوگی۔ جبکہ جمعیت کی تشکیل کے لیے دعوت الی اللہ کو عام کرنے کی ضرورت ہوگی اور یہی سورۂ حٰمٓ السجدة کا مرکزی مضمون ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کے کام کا بیڑا ہر اُس شخص کو اٹھانا ہوگا جس نے توحید کو ایک نظریہ کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ گویا ہر موحّد شخص کو اپنے نظریے کا داعی بن کر میدانِ عمل میں اترنا ہوگا' دوسروں کو قائل کرنا ہوگا اور اپنے ساتھ ملانا ہوگا' تاکہ غلبۂ حق یا اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے جمعیت اور طاقت مہیا ہو سکے۔

دعوت الی اللہ کے بارے میں ایک اہم بات یہ بھی لائق توجہ ہے کہ دعوت کا آلہ اور ذریعہ (medium) قرآن مجید ہے۔ اس حوالے سے داعیانِ حق کے لیے قرآن میں بار بار تاکید آئی ہے کہ وہ انذار اور تبشیر کا ذریعہ بھی قرآن کو بنائیں' تذکیر وتذکر کے لیے بھی قرآن سے رجوع کریں اور خود اپنے تزکیۂ نفس کے لیے بھی قرآن ہی کا سہارا ڈھونڈیں۔ غرض وہ دعوت کے ہر ہر موڑ اور ہر ہر مرحلے پر ہدایت ورہنمائی قرآن سے حاصل کریں۔ قرآن میں اس حوالے سے قرآن کا ذکر بار بار آیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں قرآن کا ذکر سولہ مرتبہ ہوا ہے۔ گویا اس سورت کا تانا بانا ہی قرآن کے ذکر سے بُنا گیا ہے۔ اسی طرح سورة الفرقان میں بھی قرآن کے ذکر کی تکرار ملتی ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدة اس حوالے سے تیسرے نمبر پر ہے' چھ رکوعوں پر مشتمل اس مختصر سی سورت میں چھ مرتبہ قرآن کا حوالہ آیا ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی مدِنظر رکھنا چاہیے کہ زیر مطالعہ سورتوں کا مرکزی مضمون ''توحید عملی'' ہے اور ''دعوت'' کا مضمون بھی اسی مضمون کا تسلسل ہے۔ اس تسلسل کو ذہن میں تازہ رکھنے کے لیے زیر مطالعہ سورتوں کے مضامین کی اس ترتیب کو ایک دفعہ پھر سے دہرا لیجیے کہ سورة الزمر اور سورة المؤمن میں توحید عملی کا مضمون انفرادی سطح پر بیان ہوا ہے۔ سورة الزمر میں توحید فی العبادت پر زور دیا گیا ہے جبکہ سورة المؤمن میں توحید فی الدعاء کے حوالے سے تاکید ہے۔ البتہ عبادت اور دعا کے ساتھ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کی شرط ان دونوں سورتوں میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ اس کے بعد سورۂ حٰمٓ السجدة اور سورة الشوریٰ میں توحید عملی کا مضمون بتدریج اجتماعیت کی طرف بڑھتا ہے۔ اجتماعیت کے حصول کے لیے چونکہ جدوجہد کا آغاز دعوت سے ہوتا ہے' اس لیے سورۂ حٰمٓ السجدة کا مرکزی مضمون دعوت اِلی اللہ ہے۔ البتہ اس مرکزی مضمون کے ساتھ ساتھ مکی سورتوں کے عام مضامین اور بعض علمی نکات بھی اس سورت میں ملیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۲

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳
بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ۝۴ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ
اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝۵ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ
مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَ وَیۡلٌ
لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝۶ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ۝۷ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝۸ قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ
یَوۡمَیۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۹ وَ جَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِہَا
وَ بٰرَکَ فِیۡہَا وَ قَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی
السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ۝۱۱
فَقَضٰہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَہَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا
بِمَصَابِیۡحَ ۖۚ وَ حِفۡظًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝۱۲ ع ۸ / ۱۵

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ۝۱﴾ ”حٰ، مٓ۔“

آیت ۲ ﴿تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲﴾ ”(اس کتاب کا) اتارا جانا ہے اُس ہستی کی طرف سے جو بے حد مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند بھی ہے اور اس رحمت میں دوام اور تسلسل بھی ہے۔

آیت ۳ ﴿کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ﴾ ”یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں“

یعنی قرآن میں ہر چیز اور ہر موضوع کو تفصیل کے ساتھ علیحدہ علیحدہ (discretely) بیان کر دیا گیا ہے۔

اس سورت کا دوسرا نام (فُصِّلَتۡ) اسی جملے سے لیا گیا ہے۔

﴿قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳﴾ ”قرآنِ عربی کی صورت میں' ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہوں (یا علم رکھنا چاہیں)۔“

آیت ۴ ﴿بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ﴾ ”بشارت دینے والی اور آگاہ کر دینے والی۔“

یہ کتاب بشارتیں بھی دیتی ہے اور خبردار بھی کرتی ہے۔ حضور ﷺ بھی تبشیر اور انذار کا حق قرآن مجید کے ذریعے سے ہی ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں فرمایا گیا: ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ ''پس ہم نے تو آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپؐ کی زبان میں' تاکہ آپؐ بشارت دیں اس کے ساتھ متقین کو اور خبردار کریں اسی کے ذریعے جھگڑالو قوم کو۔''

﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴾ ''تو ان کی اکثریت نے اعراض کیا اور وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔''

آیت ۵ ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف آپؐ ہمیں بلا رہے ہیں''

﴿وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ ''اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے''

مشرکینِ مکہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی باتیں ادب واحترام کے دائرے میں نہیں بلکہ آپؐ کو تنگ کرنے کے لیے گستاخانہ اور استہزائیہ انداز میں کرتے تھے۔ وہ لوگ مختلف طریقوں سے آپؐ کے سامنے اپنے اس موقف کو بار بار دہراتے رہتے تھے کہ آپؐ جس قدر چاہیں اپنے آپ کو ہلکان کر لیں' آپؐ کی یہ باتیں ہمارے دلوں میں اتر کر اپنا اثر نہیں دکھا سکتیں۔ آپؐ کی ان باتوں کو نہ تو ہم سنتے ہیں اور نہ ہی ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں' بلکہ ایسی باتیں سننے کے حوالے سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ آپؐ خواہ مخواہ ہمیں تنگ نہ کریں۔

﴿وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴾ ''اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان تو ایک پردہ حائل ہے' تو آپ اپنا کام کریں' ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔''

یہ گویا ان کی طرف سے چیلنج تھا کہ آپؐ جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں' جتنا چاہیں زور لگا لیں ہم آپؐ کی اس دعوت کو چلنے نہیں دیں گے۔

آیت ۶ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تو بس ایک انسان ہوں تمہاری طرح کا''

مخالفین کی طرف سے چیلنج کا گستاخانہ انداز دیکھئے اور حضور ﷺ کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ یعنی میں نے تم لوگوں کے سامنے نہ تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی میں نے کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس ایک انسان ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

﴿یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ''میری طرف وحی کی جا رہی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے''

ان سورتوں کا مرکزی مضمون چونکہ توحید ہے' اس لیے سورت کے آغاز میں ہی اس مضمون کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔

﴿فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ ''تو اُسی کی طرف سیدھا رکھو اپنے رخ کو اور اس سے استغفار کرو۔''

جو خطائیں اور غلطیاں اس سے پہلے ہو چکی ہیں ان کی معافی مانگو اور کفر و شرک کے عقائد سے توبہ کرو۔

﴿وَوَيۡلٞ لِّلۡمُشۡرِكِينَ ۝٦﴾ ''اور بڑی تباہی اور ہلاکت ہوگی مشرکین کے لیے۔''

آیت ۷ ﴿ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ﴾ ''وہ لوگ جو خود کو پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتے''

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ حضور ﷺ کے مکی دور میں زکوٰۃ کا کوئی نظام نہیں تھا۔ یہ نظام تو ہجرت کے بعد مدینہ میں جا کر قائم ہوا تھا۔ چنانچہ اگر لفظ زکوٰۃ مکی سورتوں میں آئے تو اس کے لغوی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ لفظ زکوٰۃ کے لغوی معنی چونکہ پاکیزگی کے ہیں اس لیے اس جملے کا مفہوم یہی ہوگا کہ جو لوگ اپنے تزکیۂ نفس کی کوشش نہیں کرتے۔

﴿وَهُم بِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ كَٰفِرُونَ ۝٧﴾ ''اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔''

آیت ۸ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَهُمۡ أَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُونٖ ۝٨﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے' ان کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔''

آیت ۹ ﴿قُلۡ أَئِنَّكُمۡ لَتَكۡفُرُونَ بِٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡأَرۡضَ فِي يَوۡمَيۡنِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہیے کہ کیا تم لوگ کفر کر رہے ہو اس ہستی کا جس نے زمین کو بنایا دو دنوں میں؟''

﴿وَتَجۡعَلُونَ لَهُۥٓ أَندَادٗاۚ ذَٰلِكَ رَبُّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٩﴾ ''اور تم اس کے لیے مدِ مقابل ٹھہرا رہے ہو! وہ ہے تمام جہانوں کا رب۔''

اَنۡدَاد کا واحد ''نِدّ'' ہے جس کے معنی مدمقابل کے ہیں۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا ہے تو اس کا مالک اور اصل حاکم بھی وہی ہے۔ لہٰذا دنیا میں اگر کوئی حاکم بنے گا تو اسے اللہ کا تابع اور ماتحت بن کر رہنا ہوگا۔ اس حیثیت سے وہ اللہ کا خلیفہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر حاکم بن بیٹھے اور خود کو مطلق اقتدار (sovereignty) کا حق دار سمجھنے لگے تو وہ گویا اللہ کا مدمقابل ہے' چاہے وہ ایک فرد ہو یا کسی ملک کے کروڑوں عوام ہوں۔

آیت ۱۰ ﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَٰسِيَ مِن فَوۡقِهَا﴾ ''اور اس میں اس نے بنائے پہاڑوں کے لنگر اس کے اوپر سے''

﴿وَبَٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقۡوَٰتَهَا فِيٓ أَرۡبَعَةِ أَيَّامٖ﴾ ''اور اس میں برکات پیدا کیں اور اس میں اندازے مقرر کیے اس کی غذاؤں کے' چار دنوں میں۔''

یعنی دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا جو بذاتِ خود ایک بہت بڑی تخلیق ہے' پھر مزید دو دنوں میں اس کے اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیے اور زمین کی مٹی کو روئیدگی کے قابل بنایا۔ زمین ابتدا میں تو آگ کے ایک کُرّے کی شکل میں تھی۔ آہستہ آہستہ یہ ٹھنڈی ہوئی۔ پہلے پہل اس کی مٹی میں صرف inorganic compounds پائے جاتے تھے۔ ہوتے ہوتے organic compounds پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اس میں وہ صلاحیت اور اہلیت پیدا ہوئی کہ یہ زندگی کا گہوارہ بن سکے۔ یہ سارا عمل چار دنوں میں مکمل ہوا۔ یہ آیت تا حال آیات متشابہات میں سے ہے' ابھی تک ہم ان چار دنوں کی حقیقت اور تفصیل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ﴿۱۰﴾﴾ ''تمام سائلین کے لیے برابر۔''

زمین کی مختلف صلاحیتوں' اس کی پیداوار اور اس کے غذائی ذخائر پران سب کا حق برابر ہے جنہیں ان کی ضرورت ہے۔ اس میں کسی کے لیے کوئی خاص حصہ نہیں رکھا گیا۔

آیت ۱۱ ﴿ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ﴾ ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا' اور ابھی وہ ایک دھواں سا تھا''

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آسمان ایک دھوئیں کی شکل میں تھا اور ابھی سات آسمانوں کی الگ الگ صورتیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ ان آیات میں کائنات کی تخلیق کے ابتدائی مرحلے سے متعلق کچھ اشارے پائے جاتے ہیں۔ سائنسی شواہد کے مطابق Big Bang کے بعد آگ کا ایک بہت ہی بڑا گولا وجود میں آیا۔ پھر اس گولے میں مزید دھماکے ہوئے اور اس طرح اس مادے کے جو حصے علیحدہ ہوئے ان سے کہکشائیں بننا شروع ہوئیں۔

﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ﴾ ''تو اُس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ تم دونوں چلے آؤ خوشی سے یا جبراً!''

﴿قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ﴿۱۱﴾﴾ ''ان دونوں نے کہا کہ ہم حاضر ہیں پوری آمادگی کے ساتھ۔''

آیت ۱۲ ﴿فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ﴾ ''پھر اُس نے ان کو سات آسمانوں کی شکل دے دی' دو دنوں میں۔''

قرآن حکیم میں سات مقامات پر یہ ذکر ملتا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی' لیکن یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں نہ صرف ان چھ دنوں کی مزید تفصیل (break up) دی گئی ہے بلکہ اس تخلیقی عمل کی ترتیب (sequence) کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔ یعنی پہلے زمین بنی اور سات آسمان اس کے بعد وجود میں آئے۔ لیکن ابھی تک ہم نہ تو مذکورہ چھ دنوں کے مفہوم کو سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی زمین و آسمان کے تخلیقی عمل کی ترتیب سے متعلق سائنٹیفک انداز میں کچھ جان سکتے ہیں۔ بہرحال ہمارا ایمان ہے کہ مستقبل میں کسی وقت سائنس ضرور ان معلومات تک رسائی حاصل کرے گی اور انسان اس حقیقت کی تہہ تک ضرور پہنچ جائے گا کہ زمین و آسمان کے وجود میں آنے کی صحیح ترتیب وہی ہے جو قرآن نے بیان فرمائی ہے۔

﴿وَاَوۡحٰى فِىۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ﴾ ''اور اس نے وحی کر دیا ہر آسمان پر اس کا حکم''

سات آسمان بنانے کے بعد ہر آسمان پر اس سے متعلق تفصیلی احکامات بھیج دیے گئے۔

﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ۖ وَحِفۡظًا ؕ﴾ ''اور ہم نے آسمانِ دُنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا اور اس کی خوب حفاظت کی۔''

چراغوں سے مراد ستارے ہیں۔ ستارے زمین سے قریب ترین آسمان کے لیے باعثِ زینت بھی ہیں اور شیاطین جن کی سرگرمیوں کے خلاف حفاظتی چوکیوں کا کام بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ جو شیاطینِ جن غیب کی خبریں حاصل کرنے کے لیے ممنوعہ حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان پر ان ستاروں سے میزائل داغے جاتے

ہیں۔(اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ الحجر کی آیت ۱۷ اور سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۲ کی تشریح۔)

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾﴾ ”یہ اُس ہستی کا بنایا ہوا اندازہ ہے جو زبردست ہے اور کُل علم رکھنے والا ہے۔“

آیات ۱۳ تا ۲۵

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ
اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ۚ
وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ ۲ ع ۱۰ ۱۶
حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ
خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ
اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ
ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۳ ع ۷ ۱۷

آیت ۱۳ ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تو تمہیں خبردار کر دیا ہے ایک ایسی خوفناک کڑک سے جیسی کہ قومِ عاد اور قومِ ثمود کی کڑک تھی۔“

میں نے تو تم لوگوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ جیسے قومِ عاد اور قومِ ثمود پر عذاب آیا تھا‘ تمہاری تکذیب کے باعث ویسا ہی کوئی عذاب تم پر بھی ٹوٹ سکتا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ ”جبکہ ان کے پاس رسولؑ آئے ان کے سامنے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی“

یہاں پر قومِ عاد اور قومِ ثمود کا ذکر کر کے عرب کا وہ پورا علاقہ مراد لیا گیا ہے جہاں مختلف قوموں کی طرف پے در پے پیغمبر آئے۔ ان پیغمبروں اور ان کی اقوام کا ذکر قرآن میں بہت تکرار سے آیا ہے۔

﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾ ”(اس دعوت کے ساتھ) کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔“

﴿قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ ”(جواب میں ہر قوم کے) لوگوں نے یہی کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا“

﴿فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ”پس جو چیز دے کر آپ بھیجے گئے ہیں ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔“

آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کو اللہ نے کوئی خاص پیغام دے کر ہماری طرف بھیجا ہے تو آپ اس حوالے سے ہمارا جواب بھی سن لیں اور وہ یہ کہ آپ کے دعوے کے مطابق جس چیز کے ساتھ بھی آپ کو بھیجا گیا ہے ہم اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ”عاد کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے زمین میں بہت تکبر کیا بالکل ناحق“

﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ کون ہے ہم سے بڑھ کر قوت میں؟“

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ﴾ ”کیا انہوں نے غور نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا وہ ان سے بہت بڑھ کر ہے قوت میں!“

اگر انہیں اپنے مدمقابل کوئی اور قوم اس وقت دنیا میں نظر نہیں آ رہی تھی تو کیا انہیں اللہ کی طاقت بھی نظر نہیں آ رہی تھی؟ ایک وہ طاقتور ہستی تو بہرحال موجود تھی جس نے انہیں پیدا کیا تھا۔

﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ”اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔“

آیت ۱۶ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ ”تو ہم نے ان پر چھوڑ دی بہت زور کی ہوا نحوست کے دنوں میں“

سورۃ الحاقہ میں تند و تیز ہوا کے اس عذاب کا ذکر یوں آیا ہے: ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ﴾ (آیت ۷) یعنی انتہائی تیز اور شدید ہوا کا یہ جھکڑ ان لوگوں پر سات راتوں اور آٹھ دن تک مسلسل چلتا رہا۔

﴿لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ﴾ ”تا کہ ہم انہیں مزہ چکھائیں رسوا کن عذاب کا اس دنیا کی زندگی میں۔“

﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ ”اور آخرت کا عذاب تو کہیں زیادہ رسوا

کن ہوگا اور وہاں کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔''

آیت ۱۷ ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ﴾ ''اور جو قومِ ثمود تھی' ان کو ہم نے ہدایت کی راہ دکھائی''

ان کی طرف ہم نے اپنا رسول بھی بھیجا اور اونٹنی کی صورت میں انہیں واضح معجزہ بھی دکھا دیا۔

﴿فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ ''لیکن انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھے پن کو ہی پسند کیا''

ہماری واضح تعلیمات ان تک پہنچ گئی تھیں' لیکن اس کے باوجود انہوں نے حقائق کی طرف سے اپنی آنکھیں بند ہی رکھیں۔

﴿فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾﴾ ''تو انہیں بھی آ پکڑا ذلت کے عذاب کی ہولناک کڑک نے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾﴾ ''اور ہم نے نجات دے دی ان کو جو (ان میں سے) ایمان لائے تھے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی۔''

آیت ۱۹ ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾﴾ ''اور جس دن اللہ کے یہ دشمن جمع کیے جائیں گے آگ کی طرف تو ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔''

ظاہر ہے کردار و اعمال کے حوالے سے اہلِ جہنم سب برابر نہیں ہوں گے۔ ہر مجرم کا عذاب اس کے جرم کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ وہاں جرائم اور سزاؤں کی اقسام کے مطابق اہلِ جہنم کو الگ الگ جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

آیت ۲۰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾﴾

''یہاں تک کہ جب یہ وہاں پہنچیں گے تو ان کے خلاف گواہی دیں گے ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس بارے میں جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

''شہادت'' کے بارے میں یہ بات بتکرار و اعادہ بیان کی جا چکی ہے کہ شہادت کسی کے خلاف ہوتی ہے اور کسی کے حق میں۔ چنانچہ شَهِدَ کے بعد اگر عَلٰی کا صلہ ہو تو اس کے معنی کسی کے خلاف گواہی دینے کے ہوں گے (جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے) جبکہ شَهِدَ کے ساتھ ''ل'' کا صلہ آنے کی صورت میں کسی کے حق میں گواہی کا مفہوم نکلے گا۔ مثلاً: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (المائدہ:۸) اور ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (النساء:۱۳۵)۔ ان دونوں آیات میں لفظ اللہ کے ساتھ ''ل'' اللہ کے لیے گواہی کا مفہوم دے رہا ہے' کہ تم لوگ اللہ کے لیے کھڑے ہو کر گواہی دینے والے بن جاؤ! بقول اقبالؔ: ؏ ''دے تو بھی محمد ﷺ کی صداقت کی گواہی!''

آیت ۲۱ ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ ''اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے کہ تم نے کیوں

ہمارے خلاف گواہی دی؟"

﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ "وہ کہیں گی کہ ہمیں بھی اُس اللہ نے بولنے کی صلاحیت عطا کر دی ہے جس نے ہر شے کو قوتِ گویائی عطا کی ہے"

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے حسب حال "زبان" عطا کر رکھی ہے جس سے وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے یہ الفاظ اس حوالے سے بہت واضح ہیں: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۴۴) "اور کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ وہ تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ لیکن تم لوگ نہیں سمجھ سکتے ان کی تسبیح کو۔"

﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ "اور اُسی نے تمہیں پیدا کیا پہلی مرتبہ اور اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔"

آیت ۲۲ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ "اور تم (اس خیال سے) پردہ داری نہیں کرتے تھے کہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے تمہارے اپنے کان، تمہاری اپنی آنکھیں اور تمہاری اپنی کھالیں"

انسان دنیا میں جرائم کرتے ہوئے لوگوں سے چھپنے کی کوشش کرتا ہے، مگر خود اپنے ہی اعضاء و جوارح سے کیونکر چھپ سکتا ہے؟

﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ "بلکہ تمہیں تو یہ گمان ہو گیا تھا کہ بہت سی باتیں تو اللہ کے علم میں ہی نہیں ہیں جو تم کر رہے ہو۔"

گویا ایسے جہلاء بھی اس دنیا میں پائے جاتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کرتوتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ معلوم نہیں۔ قبل ازیں اس حوالے سے مشائین (ارسطو اور اس کے پیروکاروں) کا ذکر بھی گزر چکا ہے جن کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم کلیات ہے، وہ جزئیات کا عالم نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور اس کی اشیاء کے متعلق قوانین بنا دیے ہیں اور وہ انہی قوانین کو جانتا ہے، جبکہ ان قوانین کے تحت رونما ہونے والے واقعات و حادثات کی جزئیات سے اسے کوئی سروکار نہیں —— اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ!

آیت ۲۳ ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ﴾ "اور تمہارا یہی وہ گمان ہے جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا تھا، جس نے تمہیں غارت کیا ہے"

اس حوالے سے ہمیں خود اپنے بارے میں بھی غور کرنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ایک ایک حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے لیکن اپنے اس ایمان کے مطابق ہمارے دلوں میں اس بارے میں یقین پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم غلط کام کرتے ہوئے اس حقیقت سے لاپرواہی برت جاتے ہیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ورنہ اگر واقعی کسی کے دل میں یقین ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو بھلا وہ کوئی غلط حرکت کیسے کر سکتا ہے۔

﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾ "تو آج تم ہو گئے خسارہ پانے والوں میں۔"

آیت ۲۴ ﴿فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ﴾ ''تو اب اگر یہ لوگ صبر کریں (یا نہ کریں) پس ان کا ٹھکانہ آگ ہی ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝۲۴﴾ ''اور اگر وہ معافی مانگیں تو اب انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔''

قیامت کے دن وہ چاہیں گے کہ انہیں معافی مانگنے پر چھوڑ دیا جائے مگر اس وقت یہ ممکن نہیں ہوگا۔ معافی مانگنے اور استغفار کرنے کا موقع تو دنیا میں ہے۔ انفرادی طور پر ہر آدمی کی موت کے وقت تک اور اجتماعی طور پر قیامت کے آثار نمایاں ہونے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے' لیکن اس کے بعد عالم برزخ یا عالم آخرت میں توبہ کا کوئی سوال نہیں۔

آیت ۲۵ ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ''اور ہم نے ان کے لیے ایسے ساتھی مقرر کر دیے جنہوں نے ان کو مزین کر کے دکھلائی ہر وہ چیز جو ان کے سامنے تھی اور جو ان کے پیچھے تھی''

جیسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں ایسے ہی ہر انسان کے ساتھ شیاطین جن بھی لگا دیے گئے ہیں۔ انسانوں کے ساتھ فرشتوں کی موجودگی کا ذکر قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۶۱ میں ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ﴾ کے الفاظ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے سے انسانوں کی حفاظت کا انتظام فرماتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے (کراماً کاتبین) اس کے اعمال کا ریکارڈ رکھنے کے لیے بھی مقرر کیے گئے ہیں۔ ان فرشتوں کا ذکر سورۃ الانفطار میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۹ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۱﴾ اسی طرح انسانوں کے ساتھ شیاطین جن بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ساتھی جنات (شیاطین) میں سے اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے مقرر نہ کر دیا گیا ہو''۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاِيَّایَ، لٰكِنْ اَعَانَنِیَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ)) (۱) ''ہاں! میرے ساتھ بھی (ایک شیطان ہے) مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر نصرت عطا فرمائی ہے اور میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے''۔ یعنی میں نے اسے اپنا تابع بنا لیا ہے اور اب وہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ بہر حال اس آیت میں غلط کار انسانوں کے ان شیطان ساتھیوں کا ذکر ہے جو دنیا میں ان کے غلط عقائد اور برے اعمال کو خوش نما بنا کر انہیں دکھاتے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ گناہوں کی لذت اور دنیا کی رنگینیوں میں ہی گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ﴾ ''اور ان پر سچ ثابت ہوئی (اللہ کے عذاب کی) بات' (اور وہ شامل ہو گئے) ان امتوں میں جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں جنوں اور انسانوں کی۔''

---

(۱) مختصر المقاصد للزرقانی' ح ۹۰۵۔

ان پر بھی بالآخر وہی بات پوری ہو کر رہی جو جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں پر پوری ہوئی تھی جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''یقیناً وہ خسارہ پانے والے لوگ تھے۔''

آیات ۲۶ تا ۳۶

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ
اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ
الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰۗؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ۭ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ع ۱۸
وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا
تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ
كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اب اگلی آیت میں قرآن مجید کا ذکر بہت عظیم الشان انداز میں ہو رہا ہے:

آیت ۲۶ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ مت سنو اس قرآن کو اور اس (کی تلاوت کے دوران) میں شور مچایا کرو''

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا آلہ اور ذریعہ چونکہ قرآن تھا اس لیے منکرین حق نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ مشورہ دینا شروع کر دیا کہ جب محمد (ﷺ) قرآن پڑھا کریں تو تم لوگ اسے مت سنا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے دلوں پر اس کا اثر ہو جائے اور اس کی وجہ سے تم اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہو جاؤ۔ اس لیے جب بھی وہ تمہیں قرآن سنانے کی کوشش کریں تم شور مچانا (hooting) شروع کر دیا کرو تا کہ اس کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑے۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی تلاوت چونکہ غیر معمولی تاثیر کی حامل تھی اور اس کی وجہ سے آپؐ کی دعوت کا پیغام تیزی سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا تھا' اس لیے مشرکینِ مکہ اس عمل کو روکنے کے لیے اپنے زعم میں گویا ایک جامع منصوبہ بندی کے ساتھ خم ٹھونک کر آپؐ کے مقابلے میں آ گئے۔

اس حوالے سے یہ نکتہ بھی اچھی طرح سے سمجھ لیجیے کہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا' سننا سنانا اور سیکھنا سکھانا چونکہ شیطان پر بہت بھاری ہے اس لیے جہاں کہیں بھی یہ کام مؤثر انداز میں ہو رہا ہوگا شیطانی قوتیں اسے روکنے کے لیے اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان میں آجائیں گی۔ البتہ اگر کہیں قرآن کا کوئی پروگرام محض رسمی انداز میں ہو رہا ہو' یعنی اس میں علمی اور عقلی سطح پر کوئی مؤثر پیغام لوگوں تک نہ پہنچ رہا ہو تو ایسی تقریبات' ٹی وی پروگرامز اور قرآنی سیمینارز پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ دورِ حاضر میں ٹی وی پروگرام ''الہدیٰ'' کی بندش اس کی زندہ مثال ہے۔ یہ پروگرام ''پی ٹی وی'' کا مقبول ترین ہفتہ وار دینی پروگرام تھا' جو بہت اہتمام کے ساتھ پورے ملک میں ایک ہی وقت پر ٹیلی کاسٹ ہوتا تھا (اُس وقت ابھی کیبل نیٹ ورک کا آغاز نہیں ہوا تھا)۔ اس میں مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب پیش کیا جاتا تھا۔ جب یہ پروگرام بہت مؤثر انداز میں چلنا شروع ہوا اور قرآن کا اصل پیغام ایک تدریج اور منطقی ترتیب کے ساتھ گھر گھر پہنچنے لگا تو شیطانی قوتیں ''لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ'' کا نعرہ لگا کر سامنے آکھڑی ہوئیں اور انہوں نے اس پروگرام کو بند کرا کے ہی دم لیا۔ یہ پروگرام اس حد تک مقبول ہوا تھا کہ بھارت میں بھی بڑے ذوق وشوق سے دیکھا جاتا تھا ـــــ بلکہ پی ٹی وی پر اس پروگرام کی بندش کے بعد یہ بھارت میں کیبل نیٹ ورک پر دکھایا جانے لگا تھا' بلکہ کبھی کبھی ''دوردرشن'' پر بھی پیش کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''پی ٹی وی'' پر میرے پروگراموں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

﴿لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ۝۲۶﴾ ''تا کہ تم غالب رہو۔''

ان کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے یہی مشورہ تھا کہ اگر تم اپنی ''سیادت'' کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو خود کو اور اپنے عوام کو اس قرآن سے دور رکھو۔ بالکل یہی انداز منافقین کے اس مشورے میں بھی نظر آتا ہے جو انہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر مدینہ کے عام لوگوں کو دینا شروع کیا تھا۔ ان کا مشورہ تھا: ﴿يٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ﴾ (الاحزاب: ۱۳) کہ اے اہل یثرب! تمہارے یہاں ٹھہرنے کی اب کوئی صورت نہیں ہے' لہٰذا اب تم واپس پلٹ جاؤ۔ بہر حال حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کے پیغام کو گھر گھر پہنچتے دیکھ کر مشرکین نے بجا طور پر محسوس کیا کہ اگر اس دعوت کو بروقت نہ روکا گیا تو پھر عرب کی سرزمین میں ان کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں بچے گا۔

آیت ۲۷ ﴿فَلَنُذِيۡقَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَذَابًا شَدِيۡدًا﴾ ''تو ہم لازماً مزہ چکھائیں گے ان کافروں کو بہت سخت عذاب کا''

یہ بہت سخت جواب ہے اور اس جملے کا اسلوب بھی بہت زوردار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ میرا کلام ہے' اسے میں نے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) کی حیثیت سے نازل فرمایا ہے۔ اگر یہ لوگ میری اس عظیم نعمت کو ٹھکرا رہے ہیں اور میرے بندوں تک اس کے ابلاغ کو روکنے کی سازشیں کر رہے ہیں تو میں انہیں اس بغاوت اور سرکشی کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔

﴿وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِيۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۲۷﴾ ''اور ہم انہیں سزا دیں گے ان کے بدترین

اعمال کے حساب سے۔''

یعنی ان کی سزا معین کرتے ہوئے ان کے سب سے برے اعمال کو بطور ''معیار'' مدنظر رکھا جائے گا۔

آیت ۲۸ ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ﴾ ''یہ ہے بدلہ اللہ کے دشمنوں کا (یعنی) آگ!''

یہ لوگ قرآن کے دشمن ہیں تو قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے یہ اللہ کے دشمن ہیں۔ اور اللہ کے دشمنوں کی سزا آتش دوزخ کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے!

﴿لَهُمۡ فِيۡهَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ﴾ ''ان کے لیے اسی میں ہمیشگی کا ٹھکانہ ہوگا۔''

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ۝۲۸﴾ ''یہ بدلہ ہوگا اس کا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے تھے۔''

آیت ۲۹ ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ﴾ ''اور جو کافر ہیں وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ذرا ہمیں دکھا دے جنوں اور انسانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا''

وہاں جہنم میں بڑے بڑے سرداروں اور لیڈروں کے خلاف ان کے عوام واویلا کر رہے ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! اس وقت ہم ان لوگوں کو دیکھنا چاہتے ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ وہ لوگ جو ہمیں قرآن سننے سے روکتے رہے' جنہوں نے ہماری عقلوں پر پردے ڈال دیے تھے' جنہوں نے محمد (ﷺ) کے بارے میں ہمیں ورغلایا' ان کے بارے میں ہمارے دلوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے' اور ہمارے اور ان کی دعوت کے درمیان آڑ بن گئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس وقت انہیں ہمارے سامنے لایا جائے تاکہ:

﴿نَجۡعَلۡهُمَا تَحۡتَ اَقۡدَامِنَا لِيَكُوۡنَا مِنَ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ۝۲۹﴾ ''ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے روندیں' تاکہ وہ ہو جائیں سب سے نیچے والے۔''

اگلی سات آیات اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' کے پہلے حصے کا چوتھا درس انہی آیات پر مشتمل ہے۔ منتخب نصاب کے اس حصے میں چار جامع اسباق ہیں اور ان چاروں اسباق یا دروس میں مضمون کے اعتبار سے ایک خاص ترتیب اور تدریج پائی جاتی ہے۔ ان میں پہلا درس سورۃ العصر پر مشتمل ہے: ﴿وَالۡعَصۡرِ ۝۱ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝۳﴾۔ یہ سورت قرآن حکیم کی تین مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں اُخروی نجات کے لیے چار شرائط بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد دوسرا درس آیت البر (سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷) پر مشتمل ہے۔ اس آیت میں وہی چار نکات قدرے وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جن کا ذکر سورۃ العصر میں ہوا ہے۔ تیسرے درس کے لیے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کو منتخب کیا گیا ہے۔ اس رکوع میں یہی مضمون ذرا مختلف انداز میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتوں کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ اس طرح سورۃ العصر کا مضمون ایک خاص ترتیب اور تدریج کے ساتھ چوتھے درس (زیر مطالعہ سورت کی آیات ۳۰

تا ۳۶) میں اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ ان سات آیات کے اندر آپ کو سورۃ العصر کے چاروں موضوعات (ایمان' اعمالِ صالحہ' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر) میں سے ہر ایک کی چوٹی نظر آئے گی' اور پھر انہی سات آیات کے عین درمیان میں وہ آیت بھی (آیت ۳۳) آئے گی جو اس سورت کا عمود ہے۔ اس آیت کی مثال ایک بہت بڑے ہیرے کی سی ہے جو ان سات آیات کے خوبصورت ہار کے عین وسط میں اپنی خصوصی آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ اس تمہید کے بعد آیئے اب ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں:

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا﴾ ''بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے''

اللہ پر ایمان لانا آسان ہے مگر اس پر جمے رہنا آسان نہیں ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب انسان کو اللہ پر پوری طرح توکّل ہو' وہ ہر حالت میں اس کی رضا پر راضی رہے۔ نہ اپنی کسی حالت کے بارے میں اس کی زبان پر حرفِ شکایت آئے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر اس کے دل میں ملال پیدا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے آگے اس کا سر تسلیم بلاحیل و حجت جھکتا چلا جائے اور وہ اپنے تن من دھن کو ہتھیلی پر رکھے' اس کے درِ اطاعت پر ہمہ وقت کمربستہ کھڑے رہ کر عملی طور پر ثابت کر دے کہ: ﴿اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ''یقیناً میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے''۔ اس استقامت کی اہمیت ایک حدیث سے بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتا دیں کہ آپ ؐ کے سوا کسی اور سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔'' (یعنی مجھے اسلام کی حقیقت ایک جملے میں بتا دیجیے تاکہ میں اسے گرہ میں باندھ لوں۔) جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ))(۱) ''کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ!'' اگر واقعی کوئی شخص غور کرے تو اس استقامت میں اسے قیامت مضمر دکھائی دے گی۔ (واضح رہے کہ استقامت اور قیامت کا سہ حرفی مادہ ایک ہی ہے۔) یہ قیامت ہی تو ہے کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کو نظریاتی طور پر اپنا رب مان لینے کے بعد عملی طور پر ساری دنیا سے بے نیاز ہو جائے اور اپنے ایک ایک عمل سے ثابت کر دے کہ میرا پروردگار' میرا حاجت روا' میرا سہارا' میرا مشکل کُشا' میرے نفع و نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔ دل کا یہ یقین اور عمل کا یہ رنگ گویا چوٹی ہے اس ایمان اور عملِ صالح کی جس کا ذکر سورۃ العصر میں نجاتِ اُخروی کی پہلی دو شرائط کے طور پر اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ میں ہوا ہے۔

اب اگلی آیت میں ان خوش قسمت لوگوں کا اللہ کے ہاں مقام ملاحظہ کیجیے جو اپنی دُنیوی زندگی میں ایمان و عمل کی اس چوٹی یعنی استقامت تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں:

---

(۱) مسند احمد' کتاب مسند المکیین' باب حدیث سفیان بن عبداللہ الثقفی' ح:۱۴۸۶۹۔ یہ حدیث صحیح مسلم (کتاب الایمان) میں ((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ فَاسْتَقِمْ)) کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے' جبکہ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی نقل کردہ روایت میں الفاظ یہ ہیں: ((قُلْ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) ''کہو میرا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم جاؤ!''

﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ آپ لوگ ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو اور خوشیاں مناؤ اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔‘‘

فرشتوں کا نزول ان لوگوں پر کب ہوتا ہے؟ اس حوالے سے یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ موت کے قریب ایسے لوگوں کو خوش آمدید کہنے اور بشارت دینے کے لیے فرشتے نازل ہوتے ہیں' لیکن دُنیوی زندگی کے دوران بھی اہل ایمان کی مدد کے لیے فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ جیسے میدانِ بدر میں اہلِ ایمان مجاہدین کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے: ﴿اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ﴾ (الانفال:۱۲) ’’(یاد کریں) جب آپؐ کا ربّ وحی کر رہا تھا فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم (جاؤ اور) اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو‘‘۔ چنانچہ مؤمنین صادقین پر ملائکہ کا نزول اثنائے حیات میں بھی ہوتا ہے۔

آیت ۳۱ ﴿نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ۚ﴾ ’’ہم ہیں تمہارے رفیق دُنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔‘‘

ان الفاظ سے یہ مفہوم خود بخود واضح ہو رہا ہے کہ فرشتے حیاتِ دُنیوی کے دوران بھی ان خوش قسمت لوگوں کی ہمت بندھاتے ہیں اور انہیں یہ پیغامِ جانفزا پہنچاتے ہیں۔

﴿وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ﴾ ’’اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ سب کچھ ہو گا جو تمہارے جی چاہیں گے‘‘

تمہارے جی وہاں جو کچھ چاہیں گے وہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے' کیونکہ تمہارے نفسوں کے تقاضوں اور تمہاری خواہشات کو بھی ہم نے خود ہی پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ہم تمہاری خواہشات کی تسکین کا مکمل سامان وہاں فراہم کریں گے۔

﴿وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور تمہارے لیے اس میں وہ سب کچھ بھی ہوگا جو تم مانگو گے۔‘‘

تمہارے نفسوں کے تقاضوں کے مطابق تو سب کچھ وہاں پہلے سے ہی مہیا ہو چکا ہوگا۔ البتہ مانگنے اور طلب کرنے کے حوالے سے ہر شخص کا اپنی ذہنی سطح کے مطابق ایک معیار اور مخصوص ذوق ہوتا ہے۔ بچہ اپنی پسند کی کوئی چیز مانگے گا' ایک سادہ لوح دیہاتی اپنے معیار کی کوئی چیز طلب کرے گا' جبکہ ایک حکیم و فلسفی اپنے ذوق کے مطابق سوال کرے گا۔ غرض جو کوئی جو کچھ مانگے گا وہ سب کچھ اس کے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔

آیت ۳۲ ﴿نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ ﴿۳۲﴾﴾ ’’یہ ابتدائی مہمان نوازی ہوگی اُس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔‘‘

جنت کی جن نعمتوں کا ذکر ہمیں قرآن و حدیث میں ملتا ہے ان کا تعلق اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) سے ہے۔ جہاں تک ان کی اصل ضیافت کا تعلق ہے اس کی کیفیت ہمارے احاطہ شعور میں نہیں آسکتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اَعۡدَدۡتُ

لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ، وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ......))(۱) ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا......'' پھر آپ ﷺ نے سورۃ السجدۃ کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑰﴾ ''پس کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان (اہل جنت) کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے' وہ بدلہ ہوگا ان کے اعمال کا۔''

اب اس کے بعد وہ آیت آ رہی ہے جو اپنے مضمون کے اعتبار سے اس سورت کا عمود ہے اور جس کو قبل ازیں ان سات آیات کے ہار کے درمیان ایک جگمگاتے ہیرے سے تشبیہ دی گئی تھی۔

آیت ۳۳ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو بلائے اللہ کی طرف''

جس خوش قسمت شخص کو ایمان کے بعد ''استقامت'' کا مقام حاصل ہو چکا ہو' اسے بھلا اب کس بات کی دھن ہوگی؟ کیا وہ اب بھی مال و دولتِ دنیا کے پیچھے دوڑے گا؟ یا کیا حکومت اور اقتدار کے حصول کی خواہش اب بھی اس کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچے گی؟ نہیں! ہرگز نہیں! اس ''متاعِ غرور'' کو تو وہ ٹھکرا کر بہت آگے نکل آیا ہے۔ مسندِ استقامت پر رونق افروز ہونے کے بعد دنیا و مافیہا کے بارے میں اس کی ترجیحات بہت واضح ہو چکی ہیں۔ اب تو وہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں' آج ہیں تو کل نہیں ہیں۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ دنیا اور اس کے لوازمات کی بہتات سے مسئولیت بڑھتی ہے اور حسابِ آخرت مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اب اس کے دل میں ایک ہی تڑپ ہے اور وہ ہے دعوت الی اللہ کی تڑپ۔ اب اس کی دوڑ دھوپ اور جدوجہد کا اگر کوئی ہدف ہے تو بس یہی کہ میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کو راہِ ہدایت پر لے آؤں۔

﴿وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۳۳﴾ ''اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

اعمالِ صالحہ کا مفہوم ''استقامت'' کے اندر بھی پوشیدہ ہے' لیکن یہاں پر اس کا علیحدہ ذکر بھی آ گیا ہے' اس لیے کہ دعوت الی اللہ اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک داعی کا اپنا عمل درست نہیں ہوگا تو نہ صرف یہ کہ اس کی دعوت موثر نہیں رہے گی بلکہ وہ دعوت کی بدنامی کا باعث بھی بنے گا۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ﴾ ''اور (دیکھو!) اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتے۔''

اب کون کہے گا کہ یہ دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ بات اس نکتے سے شروع کی جا رہی ہے جو سب کے ہاں متفق علیہ اور مسلّم ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفة الجنة وانما مخلوقة۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها۔ واللفظ له۔

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ﴾ ’’تم مدافعت کرو بہترین طریقے سے‘‘

لوگ بے شک آپ کو گالیاں دیں‘ مگر آپ انہیں دعائیں دو‘ اگر کوئی آپ کو پتھر مارے تو آپ جواب میں اسے پھول پیش کرو۔ یہ وہ حکمت عملی ہے جو کبھی نا کام نہیں ہوتی۔ اس طرزِ عمل کے سامنے بڑے سے بڑا کٹھور دل انسان بھی نرم پڑ جاتا ہے۔ یہاں اس مضمون کے حوالے سے یہ نکتہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ اگلی سورت یعنی سورۃ الشوریٰ میں اس تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر آئے گا۔ لیکن یاد رہے کہ سورۃ الشوریٰ میں سختی کا جواب سختی سے دینے کی بات اقامت دین کے حوالے سے ہوئی ہے جبکہ یہاں دعوتِ دین کے مرحلے کی حکمت عملی بتائی جا رہی ہے۔ دونوں مرحلوں پر پالیسی کے اس فرق کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بہرحال ’’دعوت‘‘ کے مرحلے کی پالیسی یہی ہے کہ جب تم دعوت کو لے کر چلو تو ایسے بے ضرر انسان بن جاؤ کہ بدھ مت کے بھکشو نظر آؤ۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حکمت عملی کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم سانپ کی مانند چوکنے اور فاختہ کی طرح بے ضرر بنو! یعنی ایک داعی کو ایسا احمق اور بدھو نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے اسے ضرر پہنچا جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ خود اُس کی ذات سے کسی دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس حوالے سے رسالت مآب ﷺ کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے گالیاں دینے والوں کو ہمیشہ دعائیں دیں‘ بلکہ آپؐ نے تو ابوجہل جیسے دشمنوں کی ہدایت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔

سلام اسؐ پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُسؐ پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں!

زیر مطالعہ موضوع یعنی ’’دعوت توحید‘‘ کی اہمیت کو اقامتِ دین کی جِدّ و جُہد کے حوالے سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ توحید عملی کے تدریجی مراحل کو اپنے ذہن میں ایک مرتبہ پھر سے تازہ کر لیں۔ اب تک ہم انفرادی سطح پر توحید عملی کے دو پہلوؤں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ سورۃ الزمر میں توحید کا خارجی یا ظاہری پہلو بیان ہوا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ اس کے بعد سورۃ المؤمن میں توحید کے داخلی پہلو کا ذکر آیا تھا کہ دعا صرف اللہ سے کرو‘ اور وہ بھی اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ اب سورۂ حٰمٓ السجدہ میں توحید کو انفرادی سطح سے اجتماعیت کی طرف بڑھانے کی بات ہو رہی ہے۔ گویا ’’توحید‘‘ ایک فرد سے نکل کر دوسرے افراد تک پہنچنا شروع ہو گی اور دعوت کے ذریعے ’’متعدی‘‘ صورت اختیار کر کے معاشرے میں پھیلتی چلی جائے گی۔ سورۂ آل عمران میں اس بنیاد پر باقاعدہ ایک جماعت قائم کرنے کی ضرورت اور اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ’’اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے‘ نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

بہرحال زیر مطالعہ آیات کا موضوع دعوتِ توحید ہے اور اس حوالے سے داعیانِ حق کو ہدایت کی جا رہی

ہے کہ تم برائی کا جواب ہمیشہ نیکی اور خوش اخلاقی سے دو۔ اگر تم یہ روش اختیار کرو گے:

﴿فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''تو (تم دیکھو گے کہ) وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا گرم جوش دوست بن جائے گا۔''

انسان آخر انسان ہے۔ اگر کوئی شخص ہر وقت آپ کی مخالفت پر ہی کمر بستہ ہے اور آپ ہیں کہ ہمیشہ اُس کی بھلائی کے لیے کوشاں ہیں تو آخر وہ کب تک اپنے منفی طرزِ عمل پر کار بند رہے گا۔ بالآخر اسے آپ کے اخلاق کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہی پڑیں گے۔

آیت ۳۵ ﴿وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ﴾ ''اور یہ مقام نہیں حاصل ہو سکتا مگر ان ہی لوگوں کو جو بہت صبر کرتے ہوں۔''

اس خاص مقام تک صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن میں صبر کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو اور وہ اپنی عملی زندگی میں بھی ہمیشہ صبر کی روش پر کار بند ہوں۔

﴿وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور یہ نہیں دیا جاتا مگر ان ہی کو جو بڑے نصیب والے ہوں۔''

یہ حَظٍّ عَظِیْمٍ کیا ہے اور اس کا حقیقی معیار کیا ہے؟ ہر انسان کے لیے اس کا صحیح ادراک حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس سے پہلے یہ لفظ ہم سورۃ القصص کے آٹھویں رکوع میں قارون کے حوالے سے بھی پڑھ آئے ہیں۔ قارون کے ٹھاٹھ باٹھ اور خدم وحشم سے متاثر ہو کر دنیا دار لوگوں نے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا: ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾﴾ (القصص) کہ یقیناً یہ شخص بڑا صاحب نصیب ہے۔ لیکن پھر جب وہ اپنے گھر بار سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا تو ان ہی لوگوں نے اس پر شکر و اطمینان کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑی مہربانی کی کہ انہیں قارون جیسا مال و منال نہ دیا' ورنہ انہیں بھی اسی طرح زمین میں دھنسا دیا جاتا۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کے لیے اصل کامیابی' حقیقی فوز و فلاح اور ''حظِ عظیم'' اسی عمل اور اسی کردار میں ہے جس کی نشاندہی اس آیت میں کی گئی ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ﴾ ''اور اگر کبھی تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی چوک لگنے لگے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو۔''

اگر کبھی کسی کے ناروا سلوک اور مخالفانہ رویے پر غصہ آ جائے تو فوراً سمجھ لو کہ یہ شیطان کی اُکساہٹ ہے' شیطان تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسی کیفیت میں فوراً اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو' کیونکہ صرف اسی کی پناہ میں آ کر تم شیطان کے وار سے بچ سکتے ہو۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾﴾ ''یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا۔''

یہ آیت سورۃ الاعراف (آیت ۲۰۰) میں بھی آ چکی ہے۔ وہاں ﴿اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ کے الفاظ ہیں۔ گویا یہاں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات (السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ) کے بارے میں زیادہ زور اور تاکید کا انداز پایا جاتا ہے۔

آیات ۳۷ تا ۴۶

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ
الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔــمُوْنَ ۝۳۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً السجدۃ
فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ
اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا
مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝۴۲ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ
قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۴۴ۧ وَلَقَدْ ع ۱۳ ۱۹
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ
وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۴۵ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا
رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

آیت ۳۷ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ﴾ ”اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں رات، دن، سورج اور چاند۔“

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ ”تم سورج کو سجدہ مت کرو اور نہ چاند کو،“

﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷﴾ ”بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا، اگر تم واقعتاً اُسی کی بندگی کرتے ہو۔“

آیت ۳۸ ﴿فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔــمُوْنَ ۝۳۸﴾ ”پس (اے نبی ﷺ!) اگر وہ استکبار کریں تو (پروا نہیں) وہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں وہ دن رات اُس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور وہ (اس سے) تھکتے نہیں۔“

اگر یہ لوگ تکبر کی بنا پر مجھے سجدہ کرنے کو تیار نہیں تو مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے پاس تو فرشتوں

کی فوجیں ہیں جو دن رات مسلسل میری تسبیح اور حمد میں لگے رہتے ہیں۔ اس بارے میں فرشتوں کا یہ بیان ہم سورۃ البقرہ کی آیت ۳۰ میں پڑھ چکے ہیں: ﴿وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ﴾ ''اور ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔''

آیت ۳۹ ﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ دبی پڑی ہے''

یعنی زمین کی وہ کیفیت کہ جب وہ بنجر اور ویران ہوتی ہے اور اس پر روئیدگی وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔

﴿فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ ؕ﴾ ''پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ اُبھر آتی ہے۔''

بارش کے برستے ہی زمین سے طرح طرح کے نباتات اگنے لگتے ہیں جیسے کہ مردہ زمین میں جان پڑ گئی ہو۔

﴿اِنَّ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾﴾ ''یقیناً وہ (اللہ) جس نے اس کو زندہ کیا ہے وہی مُردوں کو بھی زندہ کرے گا۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا ؕ﴾ ''جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔''

﴿اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ اٰمِنًا يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''تو کیا وہ شخص جو آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہوگا یا وہ کہ جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا!''

﴿اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۴۰﴾﴾ ''تم کیے جاؤ جو بھی کرنا چاہتے ہو' وہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

قبل ازیں ہم آیت ۵ میں مشرکین کی طرف سے حضور ﷺ کے لیے اس کھلے چیلنج کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ان کا کہنا تھا: فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ کہ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں' ہم بھی آپ کی ہر کوشش کا توڑ کریں گے اور آپ کی اس دعوت کو چلنے نہیں دیں گے۔ زیر مطالعہ جملے میں دراصل اسی چیلنج کا جواب ہے۔

آیت ۴۱ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اس یاد دہانی کا انکار کیا جبکہ یہ ان کے پاس آ گئی۔''

اس سے آگے اس مفہوم کے الفاظ محذوف ہیں کہ ''اب ان لوگوں کی شامت آنے والی ہے''۔ نوٹ کیجیے کہ اس سورت میں یہاں تیسری مرتبہ قرآن کا ذکر آیا ہے۔ (اس سے پہلے آیت ۳ اور آیت ۲۶ میں بھی قرآن کا ذکر آ چکا ہے۔) یہاں قرآن کو ''الذکر'' یعنی یاد دہانی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب تو اس گواہی کو اُجاگر کر کے تمہارے سامنے لا رہی ہے جو پہلے سے تمہاری فطرت کے اندر مخفی ہے۔ اللہ کی معرفت اور

اس کی محبت تو تمہاری ارواح کے اندر پہلے سے موجود تھی لیکن تمہاری عدم توجہی کی وجہ سے اس معرفت پر غفلت اور ذہول کے پردے پڑ گئے تھے' جس کے نتیجے میں تم اپنی فطرت کی اصل پہچان کو بھول کر اللہ ہی کو بھول گئے تھے۔ سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ میں اہلِ ایمان کو اسی حوالے سے تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ﴾ کہ اے اہلِ ایمان! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو نتیجتاً اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ چنانچہ یہاں قرآن کو ''الذکر'' کہہ کر گویا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب انسانی فطرت میں مضمر معرفت خداوندی کے ابدی سبق کی یاددہانی کے لیے آئی ہے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس یاددہانی کا انکار کر دیا ہے اب ان کی شامت آنے والی ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴾ ''(انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) بلاشبہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ﴾ ''باطل اس پر حملہ آور ہو ہی نہیں سکتا' نہ اس کے سامنے سے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔''

اس دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران بار بار میں مثالیں دیتا رہا ہوں کہ قرآن کس طرح اپنی حفاظت کرتا ہے اور کس طرح ان لوگوں کے عزائم کو ناکام بناتا ہے جو اس کی آیات کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں یا کسی آیت کی تعبیر اپنی مرضی سے کرنا چاہتے ہیں۔

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ ''اس کا اتارا جانا ہے ایک حکیم اور حمید ہستی کی طرف سے۔''

آیت ۴۳ ﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) نہیں کہا جاتا آپ سے مگر وہی کچھ جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا تھا۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''یقیناً آپ کا رب مغفرت والا بھی ہے اور دردناک سزا دینے والا بھی۔''

آیت ۴۴ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا﴾ ''اور اگر ہم نے اسے عجمی قرآن بنایا ہوتا''

نوٹ کیجیے یہ پانچویں مرتبہ قرآن کا ذکر آیا ہے اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اگر ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کے بجائے کسی عجمی زبان میں نازل کیا ہوتا:

﴿لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ﴾ ''تو یہ کہتے کہ اس کی آیات واضح کیوں نہیں کی گئیں!''

﴿ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ﴾ ''کیا کتاب عجمی اور مخاطب عربی؟''

ایسی صورت میں اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا تھا کہ جس کتاب کی اولین مخاطب ایک عربی قوم ہے وہ خود کسی اور زبان میں ہے!

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ یہ ہدایت اور شفا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔''

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ﴾ ''اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے''
﴿وَّھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی ؕ﴾ ''اور یہ (قرآن) ان کے حق میں اندھا پن ہے۔''
یعنی یہ لوگ قرآن کی حقیقت کو نہیں دیکھ پا رہے۔
﴿اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ ﴿۴۴﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو پکارے جاتے ہیں بہت دور کی جگہ سے۔''
انہیں قرآن کی باتیں عجیب اور نامانوس لگتی ہیں۔ قرآن کی تعلیمات کے بارے میں انہیں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی بہت دور سے پکار رہا ہو۔

آیت ۴۵ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ؕ﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب دی تھی' تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔''
﴿وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ ؕ﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا۔''
اللہ تعالیٰ کی تقویم میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے' اسی طرح ان کے فیصلے کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک وقت طے کر رکھا ہے۔ اگر یہ وقت پہلے سے طے نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ اب تک چکا دیا جاتا۔
﴿وَاِنَّھُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور یقیناً وہ اس کے بارے میں خلجان انگیز شک میں مبتلا ہیں۔''
یہاں مِنْہُ سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی پہلے انہوں نے خواہ مخواہ اختلافات کھڑے کیے۔ لیکن جب ہم نے ان اختلافات کی وضاحت کے لیے یہ کتاب بھیج دی تو اب وہ اس کے بارے میں ایسے شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں جس نے انہیں سخت خلجان اور اُلجھن میں ڈال دیا ہے اور وہ اس میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا ؕ﴾ ''جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے کرتا ہے' اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر آئے گا۔''
﴿وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور آپ کا رب کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے اپنے بندوں کے حق میں۔''

آیات ۴۷ تا ۵۴

اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَکْمَامِھَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِہٖ ؕ وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ اَیْنَ شُرَکَآءِیْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰکَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَھِیْدٍ ﴿۴۷﴾
وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ
مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ؗ وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ

ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ
لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ
غَلِيْظٍ ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ
عَرِيْضٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ
شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَ
لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ
بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ ع ۶

آیت ۴۷ ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ﴾ ”اُسی کی طرف لوٹتا ہے قیامت کا علم۔“

یعنی قیامت کا علم صرف اُسی کے پاس ہے۔

﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ﴾ ”اور نہیں نکلتے کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ کسی مادہ کو حمل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس کو جنتی ہے، مگر اُسی کے علم سے۔“

یعنی صرف قیامت ہی نہیں بلکہ تمام امورِ غیب کا علم اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ جزئیات کا بھی اتنا تفصیلی علم رکھتا ہے کہ اُس کی نگاہ سے کسی شخص کا کوئی چھوٹا سا عمل بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

واضح رہے کہ یہاں پر اُنْثٰی کا لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے انسانوں کے علاوہ تمام حیوانات کی مادائوں کا احاطہ بھی کرتا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ﴾ ”اور جس دن وہ ان کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک؟“

﴿قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝﴾ ”وہ کہیں گے: ہم نے تو آپ سے عرض کر دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے والا نہیں۔“

اُس وقت وہ بے بسی کے عالم میں یہ بھی نہیں کہہ سکیں گے کہ دنیا میں ہم نے واقعتاً کچھ سہارے ڈھونڈ کر ان سے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور وہ سب گم ہو جائیں گے اُن سے جنہیں وہ پکارا کرتے تھے اس سے پہلے“

اس دن کی سختی کو دیکھ کر گویا اُن کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

﴿وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝﴾ ”اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں۔“

آیت ۴۹ ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ﴾ ”انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا“

یہاں بھلائی (خیر) سے مراد دنیوی نعمتوں اور مال و دولت کی فراوانی ہے۔ کسی انسان کے پاس جتنی

چاہے دولت ہو اور جس قدر چاہے نعمتیں اسے میسر ہوں، پھر بھی مزید حاصل کرنے کی اس کی خواہش کبھی ختم نہیں ہوتی۔

﴿وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور اگر کہیں اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بالکل مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ﴾ ''اور اگر اسے ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیں اس کے بعد کہ اسے کوئی تکلیف پہنچی تھی''

﴿لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ﴾ ''تو وہ ضرور کہے گا کہ ہاں یہ تو میرا حق ہے''

سختی کا وقت گزر جانے کے بعد حالات بہتر ہو جانے پر وہ بڑے فخر سے دعوے کرے گا کہ میں نے اپنے ناخنِ تدبیر سے تمام عقدے حل کر لیے ہیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بالآخر میں نے اپنے تمام مسائل پر قابو پا لیا ہے۔

﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ﴾ ''اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ قیامت وغیرہ کوئی قائم ہونے والی شے ہے۔''

﴿وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ﴾ ''اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا میرے رب کی طرف''

یہ ہو بہو وہی الفاظ ہیں جو سورۃ الکہف کی آیت ۳۶ میں ایک مالدار اور آسودہ حال شخص کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔ ان دونوں مکالموں میں صرف رُّدِدْتُّ اور رُّجِعْتُ کا فرق ہے۔ یہ جملہ دراصل ایک ایسے مادیت پسند انسان کی سوچ کی عکاسی کرتا ہے جو دنیا کی زندگی کو ہی اصل زندگی سمجھتا ہے اور ہمہ تن اسی کی زیب و زینت میں گم ہے۔ ایسے شخص کو اگر کسی وقت آخرت کی فکر پریشان کرتی ہے تو وہ اس خیال سے خود کو تسلی دے لیتا ہے کہ قیامت برپا ہونے کی یہ تمام باتیں اوّل تو محض ایک ڈھکوسلا ہیں، لیکن اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی اور مجھے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہی پڑا تو:

﴿اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ﴾ ''یقیناً میرے لیے اُس کے پاس بہتری ہی ہوگی۔''

اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مجھے دولت اور عزت دی ہے، اولاد عطا کی ہے اور طرح طرح کی دوسری نعمتوں سے بھی مجھے نواز رکھا ہے تو اس کا یہی مطلب تو ہے کہ میں اس کا منظورِ نظر ہوں اور وہ مجھ پر مہربان ہے۔ چنانچہ اس زندگی کے بعد بھی اگر کوئی زندگی ہے تو میں وہاں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر ہی رہوں گا، وہ وہاں بھی مجھ پر اسی طرح مہربان رہے گا اور جس طرح میں یہاں اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہوں وہاں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں گا۔

﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ﴾ ''تب ہم پوری طرح سے جتلا دیں گے ان کافروں کو جو کچھ بھی اعمال انہوں نے کیے ہوں گے۔''

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۝۵۰﴾ ''اور انہیں ہم لازماً مزا چکھائیں گے بہت ہی گاڑھے عذاب کا۔''

آیت ۵۱ ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ ''اور جب ہم انسان پر نعمتوں کی بارش کر دیتے ہیں تو وہ رخ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بدل لیتا ہے۔''

﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ۝۵۱﴾ ''اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بڑی لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔''

آیت ۵۲ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر یہ (قرآن) واقعی اللہ ہی کی طرف سے ہو' پھر تم نے اس کا کفر کیا''

بے شک تم لوگ قرآن کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں ہو' لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لو کہ اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہو اور تم لوگ اس کے منکر ہو رہے ہو تو:

﴿مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۝۵۲﴾ ''تو کون ہوگا اس سے بڑھ کر بھٹکا ہوا جو دور کی مخالفت میں پڑا ہو!''

یہ بالکل وہی اسلوب ہے جو اس سے پہلے سورۂ سبا کی اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ﴾ (آیت ۴۶) ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں' یہ کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو ہو کر یا اکیلے اکیلے' پھر غور کرو' نہیں ہے تمہارے ساتھی کو جنون کا کوئی عارضہ۔''

اب یہاں آخری مرتبہ پھر قرآن مجید کا ذکر آ رہا ہے اور یہ استدلال ہمارے اس موجودہ سائنسی دور کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔

آیت ۵۳ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''عنقریب ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کی اپنی جانوں کے اندر بھی''

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی جانوں اور زمین و آسمان کے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مبرہن انداز میں ان لوگوں کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔''

اس آیت میں دراصل معلومات کے اس explosion کی طرف اشارہ ہے جو سائنسی ترقی کے باعث آج کے دور میں ممکن ہوا ہے۔ موجودہ دور سائنس کا دور ہے۔ اس دور کی تاریخ زیادہ سے زیادہ دو سو برس پرانی ہے اور سائنسی ترقی میں یہ برق رفتاری جو آج ہم دیکھ رہے ہیں اسے شروع ہوئے تو ابھی نصف صدی ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ پچھلی نصف صدی سے سائنسی ترقی کے سبب مسلسل حیرت انگیز انکشافات ہو رہے ہیں اور آئے روز

نت نئی ایجادات سامنے آ رہی ہیں۔ ان سائنسی معلومات کے اکتشافات اور حقائق کے بے نقاب ہونے سے بتدریج قرآن کا حق ہونا ثابت ہوتا چلا جا رہا ہے۔

دورۂ ترجمہ قرآن کے آغاز میں ''تعارفِ قرآن'' کے تحت اعجازِ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ ان تمام پہلوؤں کا احصاء اور احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت اعجازِ قرآن کے جس پہلو نے اہلِ عرب کو سب سے زیادہ متاثر بلکہ مسحور کیا تھا وہ اس کی فصاحت' بلاغت اور ادبیت تھی۔ اس وقت قرآن نے عرب بھر کے شعراء' خطباء اور فصحاء کو ان کے اپنے میدان میں چیلنج کیا کہ اگر تم لوگ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھاؤ۔ یہ چیلنج انہیں اس میدان میں دیا گیا تھا جس کے شہسوار ہونے پر انہیں خود اپنے اوپر ناز تھا اور جس کے نشیب و فراز کو وہ خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔

نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے ہاں چونکہ شاعری اور سخن وری و سخن فہمی کا بہت چرچا تھا اس لیے اس دور میں قرآن نے اپنے اسی ''اعجاز'' کو نمایاں کیا تھا۔ آج جبکہ سائنس کا دور ہے تو آج اعجازِ قرآن کے سائنسی پہلو کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ قرآن نے انسان کو کائنات میں بکھری ہوئی آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرنے اور ان پر غور کرنے کی بار بار دعوت دی ہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ اس میدان میں چودہ سو سال پہلے کے مشاہدے اور آج کے مشاہدے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پرانے زمانے کا انسان کائنات کے عجائبات کو ننگی آنکھ سے دیکھتا تھا جبکہ آج کے انسان کو بہت بڑی بڑی ٹیلی سکوپس' الیکٹرانک مائیکروسکوپس اور نہ جانے کون کون سی سہولیات میسر ہیں۔ بہرحال آج خصوصی محنت اور کوشش سے یہ حقیقت دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ جن حقائق تک سائنس آج پہنچ پا رہی ہے قرآن نے بنی نوع انسان کو چودہ صدیاں پہلے ان سے متعارف کرا دیا تھا۔ لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ابھی تک کسی مسلمان اسکالر کو قرآن اور سائنسی معلومات کا تقابلی مطالعہ (comparative study) کر کے یہ ثابت کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ اب تک کے تمام سائنسی انکشافات قرآن کی فراہم کردہ معلومات کے عین مطابق ہیں۔ حال ہی میں فرانسیسی سرجن ڈاکٹر موریس بوکائی [Maurice Bucaile (1920-1998)] نے ''بائبل' قرآن اور سائنس'' (The Bible, The Quran and Science) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ اب تک جو بھی سائنسی حقائق دنیا کے سامنے آئے ہیں وہ نہ صرف قرآن میں دی گئی تفصیلات کے عین مطابق ہیں بلکہ ان سب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اپنی اسی تحقیق کی بدولت موصوف سرجن کو ایمان کی دولت بھی نصیب ہوئی۔

قرآن کی بعض آیات تو اگرچہ آج بھی سائنسی حوالے سے تحقیق طلب ہیں' لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اب تک سامنے آنے والے سائنسی انکشافات کی روشنی میں قرآن کی متعلقہ آیات و عبارات کے مفاہیم و مطالب مزید نکھر کر سامنے آئے ہیں۔ بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قرآن کے بعض الفاظ کے جو معانی پرانے زمانے میں سمجھے گئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے ہیں اور ان کی جگہ ان الفاظ کے زیادہ واضح اور زیادہ منطقی معانی سامنے

آئے ہیں۔ مثلاً لفظ عَلَقَہ کا وہ مفہوم جو قبل ازیں سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ کے ضمن میں بیان ہوا ہے زیادہ بہتر اور درست ہے۔ اور لفظ ''فائدہ'' اور ''فواد'' کی وہ وضاحت جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳۶ کے تحت دی گئی ہے زیادہ واضح اور منطقی ہے۔

اسی طرح اجرام سماویہ کے بارے میں قرآنی الفاظ ﴿وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ) کا وہ مفہوم جو آج کے انسان کو معلوم ہوا ہے وہ پرانے زمانے کے انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا' بلکہ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ اجرامِ فلکی اور ان کی گردش سے متعلق مختلف زمانوں میں مختلف موقف اختیار کیے گئے۔ کسی زمانے میں انسان سمجھتا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج حرکت میں ہے۔ پھر اسے یوں لگا جیسے سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔ حتیٰ کہ آج کے انسان نے اپنی تحقیق و جستجو سے یہ ثابت کر دیا کہ سچ یہی ہے: ﴿وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾ کہ یہ سب ہی اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ بلکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ متحرّک ہے' حتیٰ کہ ہر ایٹم (atom) کے اندر اس کے اجزاء (الیکٹرانز' پروٹانز اور نیوٹرانز) بھی بے تابانہ مسلسل گردش میں ہیں۔ اقبال نے اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے: ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات اِک تغیّر کو ہے زمانے میں!

موجودہ دور میں اگرچہ مسلمانوں کو قرآن اور سائنس کے حوالے سے خصوصی اہتمام کے ساتھ تحقیق و تدقیق کرنے کی ضرورت ہے' لیکن ایسی کسی تحقیق کے دوران خواہ مخواہ تکلف کرنے اور زبردستی کھینچ تان کر کے قرآن کے دوراز کار مفاہیم نکالنے کی کوشش میں نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ جہاں پر عقلی اور سائنسی طور پر بات سمجھ میں نہ آئے وہاں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ابھی بات واضح نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے: ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾ (آل عمران:۷)۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ جو بات آج واضح نہیں ہے وہ واضح ہو جائے گی' اور خارج کی دنیا میں اس حوالے سے جو حقائق بھی منکشف ہوں گے وہ قرآن کے الفاظ کے عین مطابق ہوں گے۔ ان شاء اللہ! البتہ جن سائنسی حقائق کی اب تک قرآن کے ساتھ مطابقت ثابت ہو چکی ہے انہیں عام کر کے قرآن کی حقانیت کے سائنٹفک ثبوت کے طور پر لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آیت زیر مطالعہ میں فعل مضارع (سَنُرِيْهِمْ) سے پہلے ''س'' کی وجہ سے اس لفظ کے مفہوم میں خصوصی طور پر مستقبل کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی مستقبل میں ہم انہیں اپنی ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن سے قرآن کی حقانیت واضح ہو جائے گی۔ اس ''مستقبل'' کا احاطہ کرنے کی کوشش میں اگر چشم تصور کو جنبش دی جائے تو اس کی حدود نزولِ قرآن کے دَور کی فضاؤں سے لے کر زمانہ قیامت کی دہلیز تک وسعت پذیر نظر آئیں گی۔ آج وقت کی شاہراہ پر انسانی علم کی برق رفتاری کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر آنے والے دن کے ساتھ انسانی تحقیق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ خلاء کی پہنائیوں کے راز اس کے سامنے ایک ایک کر کے بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ سمندروں کی اتھاہ گہرائیاں اس کی عمیق نظری کے سامنے سرنگوں ہیں۔ قطب شمالی (Arctic) اور قطب جنوبی (Antarctic) سمیت زمین کا چپّہ چپّہ ہر پہلو سے نت نئی تحقیق کی زد میں آ چکا ہے۔ غرض سائنسی

ترقی کا یہ ”جن“ کہکشاؤں کی بلندیوں سے لے کر تحت الثرٰی کی گہرائیوں تک معلومات کے خزانے اکٹھے کر کے بنی نوعِ انسان کے قدموں میں ڈالتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن الحمدللہ! اس تحقیق کے ذریعے سے اب تک جو حقائق بھی سامنے آئے ہیں وہ سب کے سب قرآن کی حقانیت پر گواہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے علم و تحقیق کا یہ قافلہ وقت کی شاہراہ پر اپنا سفر قیامت تک جاری رکھے گا۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس سفر کے دوران ایجاد و دریافت کے میدان میں انسان کو جو کامیابیاں بھی نصیب ہوں گی اور انفس و آفاق کی دنیاؤں کے جو جو راز بھی منکشف ہوں گے وہ سب کے سب بالآخر قرآن حکیم کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے چلے جائیں گے۔

﴿اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝﴾ ”کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کا ربّ ہر چیز پر گواہ ہے!“

کائنات کی ہر چیز اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ لیکن اس نے قرآن میں صرف اسی حد تک حقائق کا ذکر کیا ہے جس حد تک انسان انہیں سمجھ سکتا ہے اور اسی انداز میں ان کا ذکر کیا ہے جس انداز میں دانسانی فہم و شعور کی رسائی ان تک ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے وہ حقائق جن تک آج کے انسان کی تدریجاً رسائی ہوئی ہے اگر وہ آج سے پندرہ سو سال پہلے من وعن بیان کر دیے جاتے تو اس وقت انہیں کون سمجھ سکتا تھا۔

آیت ۵۴ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! یہ لوگ اپنے رب کے ساتھ ملاقات سے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“

﴿اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

بیان القرآن

سُورَةُ الشُّورىٰ

(۴۲)

سُورۃُ الشُّوریٰ

تمہیدی کلمات

سورۃ الشوریٰ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ توحیدِ عملی کا وہ مضمون جو سورۃ الزمر سے شروع ہوا تھا' سورۃ المؤمن اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ایک خاص ترتیب وتدریج سے آگے بڑھتا ہوا اس سورت میں آ کر ''اجتماعی عملی توحید'' کی شکل میں اپنے نقطہ عروج (climax) پر پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کا صحیح ادراک اور شعور حاصل کرنے کے لیے توحید عملی اور اجتماعیت کے باہمی ربط ولزوم کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔ اس حوالے سے یہ حقیقت تو بہر حال کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ فرد اور معاشرے کا وجود ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔ انسان ایک متمدن حیوان ہے' وہ اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا' اس لیے دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا اس کی مجبوری ہے۔ چنانچہ جب بہت سے انسان مل جل کر رہتے ہیں تو ایک اجتماعی نظام تشکیل پاتا ہے۔ پھر اس اجتماعی نظام کے اندر حسب ضرورت چھوٹے چھوٹے کئی نظام اور شعبے وجود میں آجاتے ہیں' جیسے کہ آج ہر معاشرے میں عائلی نظام' معاشرتی نظام' معاشی نظام' سیاسی نظام وغیرہ موجود ہیں۔

اس تمہید کے حوالے سے موضوع کے بارے میں سمجھنے کا اصل نکتہ یہ ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماعیت میں موجود تمام نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع نہ ہو جائیں تب تک اجتماعی سطح پر توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر کسی معاشرے میں انفرادی طور پر تمام لوگ توحید پرست بھی ہوں لیکن معاشرے کے اجتماعی نظام پر باطل کا غلبہ ہو تو اس معاشرے کو اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں ان تمام توحید پرست افراد پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے یا ملک سے باطل نظام کو اکھاڑ پھینکنے اور وہاں اللہ کا نظام قائم کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں۔ ان لوگوں کی انفرادی توحید بھی تب ہی قابل قبول ہو گی جب وہ اپنے تَن مَن دھن سے باطل نظام کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنی جِدّوجُہد مسلسل جاری رکھیں گے۔ لیکن اگر وہ باطل نظام کے تحت اطمینان کے ساتھ گزر بسر کر رہے ہوں' دن رات اپنے کیریئرز سنوارنے' کاروبار بڑھانے اور جائیدادیں بنانے میں مصروف و مشغول ہوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ طاغوت کی اطاعت کو قبول کر کے اللہ کی حاکمیت کا انکار کر چکے ہیں۔ اس حالت میں اگر وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند بھی ہوں اور بہت سے دوسرے نیک اعمال کا اہتمام بھی کرتے ہوں تو بھی وہ اللہ کے ہاں سرخرو نہیں ہو سکتے۔

سورۃ الشوریٰ کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ معاشرے میں اجتماعی سطح پر توحید کے نفاذ کے لیے ''اقامتِ دین'' کی اصطلاح صرف اسی سورت (آیت ۱۳) میں آئی ہے۔ چنانچہ اقامت دین کے موضوع پر یہ سورت قرآن حکیم کا ذروۂ سنام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۹

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا
وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي
ع كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ۝۱﴾ ''ح'م۔''

آیت ۲ ﴿عٓسٓقٓ ۝۲﴾ ''ع'س'ق۔''

سورۃ الشوریٰ قرآن کی ان دو سورتوں میں سے ایک ہے جن کے آغاز میں پانچ پانچ حروفِ مقطعات آئے ہیں' لیکن اس زمرے میں بھی یہ سورت اس لحاظ سے منفرد و یکتا ہے کہ اس کے آغاز میں حروفِ مقطعات کی دو آیات ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر اس سورت سے بھی خصوصی نسبت ہے اور اس کی وجہ بھی سورۃ الحدید کے ساتھ میری نسبت ہی ہے۔ دراصل مضامین کے حوالے سے مدنی قرآن میں جو مقام سورۃ الحدید کا ہے بعینہٖ وہی مقام سورۃ الشوریٰ کا مکی قرآن میں ہے۔ سورۃ الشوریٰ حجم (۵۳ آیات) کے لحاظ سے سورۃ الحدید (۲۹ آیات) سے تقریباً دوگنا ہے' اور مکی قرآن چونکہ حجم کے اعتبار سے مدنی قرآن سے دوگنا ہے اس لیے ان دونوں سورتوں کے مابین حجم کے اس تناسب سے بھی یہی لگتا ہے کہ مکی قرآن کے اندر سورۃ الشوریٰ گویا سورۃ الحدید کا بدل ہے۔

آیت ۳ ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اسی طرح وحی کرتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف بھی کرتا رہا ہے جو آپ سے پہلے تھے وہ اللہ جو بہت زبردست' بہت حکمت والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے دراصل آپؐ کے مخاطبین کو بتایا جارہا ہے کہ یہ مضامین جس طرح آپؐ کی طرف وحی کیے جارہے ہیں اسی طرح آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء کرامؑ کو بھی وحی کیے جاچکے ہیں۔

كَذٰلِكَ میں وحدتِ مدعا کی طرف بھی اشارہ ہے اور طریقۂ وحی کی یکسانیت کی طرف بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جن کی تعلیم آپؐ کو دی جا رہی ہے۔ اس کی وضاحت آگے آیت ۱۳ میں آ رہی ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ ……﴾ نیز اس تعلیم کے لیے پہلے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا جو آپؐ کے لیے اختیار فرمایا ہے' یعنی وحی کا نزول۔ اس کی وضاحت آیت ۵۱ میں آ رہی ہے۔ مذکورہ آیت میں وحی کی اقسام کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کن کن طریقوں سے انسانوں پر وحی بھیجتا رہا ہے۔ وحی کی ان اقسام کا ذکر میں نے اپنے لیکچر ''تعارفِ قرآن'' میں بھی کیا ہے' جو ''بیان القرآن'' حصہ اول میں بھی شامل ہے۔

آیت ۴ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِيُّ الۡعَظِيۡمُ ۝۴﴾ ''اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہ بہت بلند و بالا' بہت عظمت والا ہے۔''

آیت ۵ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ﴾ ''قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں''

آسمان فرشتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے اجتماع کی وجہ سے آسمان پھٹنے کے قریب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں کوئی ایک بالشت برابر بھی جگہ خالی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو یا قیام میں مصروف نہ ہو۔ سورۃ المدثر (آیت ۳۱) میں فرشتوں کی کثرتِ تعداد سے متعلق ان الفاظ میں اشارہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ کہ آپ کے رب کے لشکروں کے بارے میں سوائے خود اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

﴿وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور زمین میں جو (اہلِ ایمان) ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔''

سورۃ المؤمن آیت ۷ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں کہ حاملینِ عرش اور ان کے ساتھی فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔

﴿اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝۵﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ ہی بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ﴾ ''اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے مددگار بنا رکھے ہیں''

﴿اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝۶﴾ ''اللہ ان پر نگران ہے' اور (اے نبی ﷺ!) آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن وہ معبود ان کی شفاعت کریں گے اور ان کے ذریعے سے انہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا' لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ان کے سارے افعال کی نگرانی کر رہا ہے اور ان کا نامۂ اعمال تیار ہو رہا ہے۔ ان کا محاسبہ اور مواخذہ کرنا اُسی کا کام ہے۔

آیت ۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف یہ قرآن عربی''

آیت ۳ کی طرح یہاں پر بھی وحی کے ذکر کے ساتھ لفظ کَذٰلِكَ آیا ہے۔ اس کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

﴿لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ”تاکہ آپ خبردار کر دیں بستیوں کے مرکز اور اس کے اردگرد رہنے والوں کو“

بالکل یہی الفاظ سورۃ الانعام کی آیت ۹۲ میں بھی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قوم پر اتمامِ حجت کرنے کا یہ وہی طریقہ اور اصول ہے جس کا ذکر سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ”اور نہیں ہے آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہیں بھیجتا“۔ جزیرہ نمائے عرب کی ”اُمّ القریٰ“ یعنی مرکزی بستی چونکہ مکہ ہے اس لیے مذکورہ اصول کے تحت اس مرکزی بستی میں نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ بلکہ ایک اعتبار سے تو مکہ پوری دنیا کا ”اُمّ القریٰ“ ہے۔ اس لیے کہ حَوْلَ کے معنی اردگرد کے ہیں اور ”اردگرد“ کی حدود کسی خاص نقطے تک محدود نہیں کی جا سکتیں۔ چنانچہ ایک مرکزی مقام کے اردگرد کے دائرے کو اگر بڑھاتے جائیں تو یہ دائرہ پوری دنیا تک پھیل جائے گا۔ اس نکتے کی وضاحت اس سے پہلے سورۃ الانعام کی آیت ۹۲ کے تحت بھی گزر چکی ہے۔

﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ”اور آپ خبردار کر دیں اُس جمع ہونے والے دن سے جس میں کوئی شک نہیں۔“

﴿فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝۷﴾ ”(اُس دن) ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ جہنم میں۔“

آیت ۸ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں ایک ہی امت بنا دیتا“

اللہ ایسے بھی کر سکتا تھا کہ دنیا کے تمام انسان مؤمن ہوتے۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ﴾ ”لیکن اللہ داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے۔“

ان الفاظ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے: ”لیکن اللہ داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں اس کو جو چاہتا ہے“۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت یا مغفرت اور جنت کی نعمتیں صرف اسی کو عطا کرتا ہے جو ان کی خواہش رکھتا ہو اور اپنی محنت کی صورت میں ان کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہو۔ اس حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے یہ الفاظ بھی ہر اہلِ ایمان کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

﴿وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸﴾ ”اور جو ظالم (کافر و مشرک) ہوں گے ان کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔“

آیت ۹ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ”کیا انہوں نے اللہ کے سوا کوئی اور حمایتی بنا لیے ہیں؟“

یہاں پر پھر وہی بات دہرائی گئی ہے جو پیچھے ہم آیت ۶ میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ ''سو حمایتی تو صرف اللہ ہی ہے''

اے کم عقلو! اللہ کو چھوڑ کر تم کدھر بھٹک رہے ہو؟ اصل حمایتی' مددگار اور کارساز تو بس وہی ہے۔ اسی کو اپنا سہارا بناؤ اور اسی کو اپنا ولی مانو! اس حوالے سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ کے یہ الفاظ اہل ایمان کے لیے بہت بڑی خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ ''اللہ ولی ہے اہل ایمان کا وہ انہیں گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔''

﴿وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹﴾ ''اور وہی ہے جو زندہ کرے گا مُردوں کو' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیات ۱۰ تا ۲۰

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ
اُنِيْبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲ شَرَعَ
لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ
مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ ۝۱۴ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ
فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۱۶ اَللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝۱۷ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۱۸

ع
اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ
نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ
نَّصِیْبٍ ﴿۲۰﴾

آیت ۱۰ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔''

یعنی تمہارے مابین جو بھی اختلاف ہو اس کے فیصلے کا حق اللہ ہی کے پاس ہے۔ یہاں سے اس سورت کے ''مضمون خاص''، یعنی اقامت دین کی تمہید شروع ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلا نکتہ یہ بتایا گیا کہ اس کائنات کا اصل حاکم اللہ ہے اور حاکمیت صرف اور صرف اسی کے لیے ہے:

Sovereignty belongs to HIM and HIM alone

اس نکتے کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے　　حکمراں ہے اِک وہی باقی بُتانِ آزری

آیت کے ان الفاظ کے مفہوم کے مطابق انسانوں کے باہمی اختلافات کے فیصلوں کے لیے اللہ کا حکم آخری حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اسی حقیقت کی تعمیل کا نام اللہ کی حاکمیت ہے۔ اگر کسی معاشرے کا پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تحت آجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں اللہ کا دین قائم ہو گیا اور توحید بالفعل اس معاشرے میں نافذ ہو گئی۔ یعنی اللہ کی مرضی اور اس کے قانون کے مطابق باقاعدہ ایک حکومت قائم ہو جانے کا نام ''اقامتِ دین'' ہے، جو زیر مطالعہ آیات کا مرکزی مضمون ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿۱۰﴾﴾ ''وہ ہے اللہ میرا رب، اُسی پر میں نے توکّل کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

آیت ۱۱ ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے۔''

﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ﴾ ''اُس نے تمہاری ہی نوع سے تمہارے جوڑے بنا دیے اور چوپایوں سے بھی جوڑے (بنائے)۔''

جان داروں کی ہر نوع (species) میں نر بھی ہیں اور مادہ بھی۔

﴿یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ﴾ ''اسی میں وہ تمہاری افزائش کرتا ہے۔''

﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ﴾ ''اُس کی مثال کی سی بھی کوئی شے نہیں۔''

اُس کی ہستی بالکل یکتا (absolutely unique) ہے۔ یہ اپنی طرز کا ایک منفرد اور حساس موضوع ہے جس کے اظہار کے لیے خصوصی اسلوب درکار ہے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری زبان میں مطلق نفی (absolute negation) کے لیے کوئی لفظ اور اسلوب ہے ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس جیسی کوئی شے نہیں یا اُس کی مثال کی سی کوئی شے نہیں۔ لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ، وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ۔

بہر حال یوں سمجھ لیں کہ اس مفہوم میں جتنے مترادفات چاہے استعمال کر لیے جائیں' توحید کے اظہار و بیان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝١١﴾ ''اور وہی ہے سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ ''اُسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام کنجیاں۔''

﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ﴾ ''وہ کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) ناپ تول کر دیتا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١٢﴾ ''یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

وہ خوب جانتا ہے کہ کس کے لیے رزق میں کشادگی بہتر ہے اور کس کو بقدرِ ضرورت دینا مناسب ہے۔

اگلی آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں ''اقامتِ دین'' کی اصطلاح آئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اس سورت کا عمود ہے اور اس مضمون کے اعتبار سے یہ مقام پورے قرآن میں ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی''

یہ براہِ راست اُمت سے خطاب ہے۔ مکی سورتوں میں چونکہ عام طور پر اہل ایمان کو ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ سے براہِ راست مخاطب نہیں کیا جاتا اس لیے یہاں جمع کا یہ صیغہ (شَرَعَ لَكُمْ) استعمال فرمایا گیا ہے۔ مکی سورتوں میں اس حوالے سے ہمیں دوسرا اسلوب یہ بھی ملتا ہے کہ صیغہ واحد میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے اہلِ ایمان کو پیغام پہنچایا جاتا ہے۔

﴿وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ ''اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے' اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو''

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ ''کہ قائم کرو دین کو۔''

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرات نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا' یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے۔ یہی مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڭ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝٩٢﴾ ''یقیناً یہ تمہاری امت' ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں' لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو''۔ یعنی تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کا دین ایک ہی تھا۔ ان کے درمیان اگر کوئی فرق یا اختلاف تھا تو وہ شریعتوں میں تھا۔ دوسری اہم بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اقامت دین کا فریضہ ان تمام پیغمبروں کو سونپا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کو اس سلسلے میں جو حکم ملا تھا اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے کہ تم لوگ ارضِ فلسطین کو فتح کرنے کے لیے جہاد کرو۔ ظاہر ہے اس خطہ پر قبضہ کرنے کا مقصد اللہ کے دین کو وہاں بالفعل نافذ کرنا تھا۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد ماقبل امتوں پر بھی فرض تھی۔

بہرحال ﴿اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ﴾ کے حکم کا خلاصہ یہی ہے کہ زبان سے صرف عقیدۂ توحید کا اقرار کر لینا کافی نہیں بلکہ اس عقیدے کا رنگ اپنے اعمال پر بھی چڑھاؤ' اور نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر اپنے معاشرے کی اعلیٰ ترین (ریاستی اور حکومتی) سطح پر اس کی تنفیذ و تعمیل کو یقینی بناؤ۔ واضح رہے کہ مترجمین نے بالعموم ﴿اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ''کہ دین کو قائم رکھو!'' یہ بھی درست ہے' کیونکہ اقامت دین کے حوالے سے کسی معاشرے میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہاں دین قائم ہے یا قائم نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ اگر دین پہلے قائم ہے تو اسے قائم رکھو اور اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرو۔ مثلاً خیمہ اگر کھڑا ہے تو اسے گرنے سے بچانا ہے اور اگر پہلے سے کھڑا نہیں ہے تو اسے کھڑا (erect) کرنا ہے۔

﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ؕ﴾ ''اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

یعنی تم لوگ اپنے دین کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک معاملے میں تو تم اللہ کا حکم مانو اور کسی دوسرے معاملے میں کسی اور کی خوشنودی کے طالب بن جاؤ۔ اسی رویے اور طریقے کو تفرقہ کہا جاتا ہے جس سے یہاں منع کیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام: ۱۵۹ کے الفاظ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ.....﴾ میں بھی ایسے ہی تفرقے کی طرف اشارہ ہے۔ البتہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے' یہ تفرقہ نہیں ہے۔ مثلاً میں اگر رفع یدین کرتا ہوں اور میرے کئی ساتھی امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو زیادہ صحیح سمجھتے ہوئے رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے ہیں تو ایسے اختلاف میں کوئی حرج نہیں' جبکہ بنیادی طور پر دین میں تفریق یا تفرقے کا طرزِ عمل نہ اپنایا جائے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی اور سلفی سب کے سب ایک ہی دین یعنی اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اسی طرح مختلف پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے' مثلاً اب شریعتِ محمدیؐ کا زمانہ ہے' اس سے پہلے شریعت موسویؑ کا دور تھا اور اس سے پہلے کوئی اور شریعت تھی۔ لیکن یہ نکتہ بہرحال واضح رہنا چاہیے کہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا یعنی اسلام۔

﴿کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر یہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔''

مشرکین کی زندگی تو اسی تفریق و تقسیم پر چل رہی ہے۔ وہ تو اس نظریے پر عمل پیرا ہیں کہ ''جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو''۔ ہمارے ہاں بھی ایسی ہی تقسیم پر دنیا کے معاملات چل رہے ہیں کہ جو حکومت کا حق ہے وہ حکومت کو دو اور جو مولوی کا حق ہے وہ مولوی کو دو۔ اور فرض کریں اگر علماء بھی اس تقسیم پر راضی ہو جائیں کہ چلیں ہمارا کام تو چل ہی رہا ہے تو ایسی صورتِ حال میں دین کی تو گویا نفی ہو جائے گی' کیونکہ دین تو اللہ کی کلّی اطاعت کا نام ہے۔ چنانچہ جس کسی نے بھی دین میں کسی ایسی تفریق یا تقسیم پر اپنے دل کو مطمئن کر لیا اس کا گویا اللہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہا۔ چنانچہ مشرکین جو اللہ اور بتوں کے درمیاں اپنے ''دین'' کی تقسیم پر مطمئن ہیں انہیں توحید خالص کی دعوت بری تو لگے گی۔ مشرکین کے اس بغض و عناد کا ذکر سورۃ التوبہ: ۳۳ اور سورۃ الصّف: ۹ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی

الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ ’’وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کرے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر‘ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے‘‘۔ ظاہر ہے نظامِ توحید کے قیام اور دین حق کے غلبے کی صورت میں مشرکین کے دلوں میں کُڑھن تو بہت ہوگی‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ وہ اللہ کے دین کو پورے نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ’’اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف (آنے کے لیے) چُن لیتا ہے‘‘

یہ اللہ کی شانِ عطا ہے کہ کبھی کبھی وہ کسی راہ چلتے مسافر کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں اس حوالے سے ’’سالک مجذوب‘‘ اور ’’مجذوب سالک‘‘ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ’’سالک مجذوب‘‘ اللہ کے وہ مقرب بندے ہیں جو ’’سلوک‘‘ کی کئی کٹھن منازل طے کر کے قرب و جذب کے مقام تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں۔ ’’صدیقین‘‘ عام طور پر محنت و ریاضت کے اسی راستے سے مقامِ قُرب تک پہنچتے ہیں۔ ان کے برعکس ’’مجذوب سالک‘‘ وہ خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کسی خاص موقع پر بلاتمہید اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ’’مقامِ قرب‘‘ پر فائز ہو جانے کے بعد منازلِ سلوک طے کرتے ہیں اور یہ مقام و مرتبہ اکثر و بیشتر ’’شہداء‘‘ کے حصے میں آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اپنی طرف کھینچ لیا تھا‘ ورنہ اس ’’حسین اتفاق‘‘ سے پہلے نہ تو آپؓ کا مزاج اس ’’مقامِ شوق‘‘ سے کچھ مطابقت رکھتا تھا اور نہ ہی آپؓ کے معمولات و مشاغل میں ایسے کسی ’’رجحان‘‘ کا رنگ پایا جاتا تھا۔ (صدیقین اور شہداء کے اصطلاحی مفہوم کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ مریم: ۴۱ کی تشریح۔)

﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾ ’’اور وہ اپنی طرف ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود رجوع کرتا ہے۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ’’اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا‘ آپس میں ضِدّم ضِدّا کے باعث۔‘‘

عرب میں حضور ﷺ کی دعوتِ اقامتِ دین کے مخاطبین بنیادی طور پر دو گروہ تھے‘ یعنی مشرکین اور اہلِ کتاب۔ ان میں مشرکین کا تو اس دعوت کو ماننا بہت مشکل تھا اور یہ تلخ حقیقت پچھلی آیت میں واضح بھی کر دی گئی ہے کہ آپؐ کی یہ دعوت مشرکین پر بہت شاق گزر رہی ہے۔ البتہ اہل کتاب کا اس دعوت پر ایمان لے آنا نسبتاً زیادہ قرین قیاس تھا‘ کیونکہ وہ تورات وانجیل جیسی الہامی کتابوں سے واقف تھے اور وحی‘ ملائکہ اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ لیکن زیر مطالعہ آیت میں حضور ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ آپؐ اہل کتاب سے بھی مثبت ردعمل کی توقع نہ رکھیں۔ کیونکہ ان دونوں گروہوں کی طرف سے اب تک کی مخالفت کسی لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہوئی ہے‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کا اصل پیغام تو ان تک پہنچ چکا ہے‘ بات پوری طرح واضح ہو کر ان کے دلوں میں اُتر چکی ہے۔ اس صورت حال میں ان کا انکار اور ان کی مخالفت محض باہمی تعصب اور ضد بازی کی بنا پر ہے‘ کہ ہم محمد (ﷺ) کے پیروکار بن کر انہیں خود سے بڑا کیونکر تسلیم کر لیں اور اپنے آپ کو انؐ کے سامنے چھوٹا کیسے بنا لیں؟ اہل کتاب خود آپس میں بھی ایک دوسرے کی مخالفت اسی تعصب کی بنیاد پر کرتے ہیں‘ جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں اس طرح آیا

ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ﴾ (آیت ۱۱۳) ''یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی بنیاد پر نہیں ہیں' حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھ رہے ہیں۔''

عہد نامہ قدیم (Old Testament) یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ اس کے باوجود ان کی باہمی مخاصمت کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یروشلم کی ''سمت'' پر اگرچہ دونوں گروہوں کا اتفاق ہے' لیکن باہمی عناد کی بنا پر ایک گروہ شرقی حصے کو قبلہ مانتا ہے جبکہ دوسرا غربی حصے کو۔ اس صورت حال میں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ تعصب کے مرض میں مبتلا ہیں' اس لیے آپؐ ان میں سے کسی گروہ سے کسی مثبت رویّے کی توقع نہ رکھیں' ورنہ آپؐ کو مایوسی ہوگی۔ بلکہ آپؐ ان کی طرف سے انتہائی سخت اور منفی ردّعمل کے لیے خود کو تیار رکھیں۔ اس میں دراصل حضور ﷺ کے لیے بین السطور یہ پیغام بھی ہے کہ اقامتِ دین کی جدّوجہد ایک طویل اور جاں گداز عمل ہے۔ اس لیے آپؐ موافق حالات اور جلد کامیابی کی توقع نہ رکھیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک وقت معین کے لیے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے مابین (اختلافات کا) فیصلہ چکا دیا جاتا۔''

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ⑭﴾ ''اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایک خلجان آمیز شک میں مبتلا ہیں۔''

یہ نکتہ خاص طور پر بہت اہم اور لائق توجہ ہے کہ ''وارثانِ کتاب'' کے اذہان وقلوب میں اُلجھن میں ڈالنے والے شکوک وشبہات کیوں ڈیرے جما لیتے ہیں؟ دراصل ہوتا یوں ہے کہ شروع شروع میں سب معاملات بالکل ٹھیک چلتے رہتے ہیں' مگر چوتھی پانچویں نسل تک آتے آتے معاملات اس وقت بگڑنے لگتے ہیں جب نوجوان اپنے علماء کو باہم دست وگریباں ہوتے دیکھتے ہیں اور ان کے دامن حیات کو متاعِ عمل سے خالی پاتے ہیں۔ ایسی صورت حال سے بیزار ہو کر علماء کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ''کتاب'' سے بھی بدظن ہونے لگتے ہیں۔ یہ نوجوان خود تو کتاب کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے لیکن اس مفروضے کو اپنے دلوں میں ضرور بٹھا لیتے ہیں کہ جب کتاب کے ''علماء'' کے کردار وعمل میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی روشنی اس کتاب کے اندر سرے سے موجود ہی نہیں۔

آیت ۱۵ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ اسی کی دعوت دیتے رہیے''

یہاں ذٰلِكَ کا اشارہ اوپر آیت ۱۳ میں اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے حکم کی طرف ہے کہ آپؐ ان لوگوں کو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے مسلسل دعوت دیتے رہیے۔

﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ﴾ ''اور جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے''

آپ کی رسالت کا مقصد اور مشن ہی چونکہ اقامت دین ہے‘اس لیے آپ غلبۂ حق کی جدوجہد کی اس راہ میں پوری استقامت اور تندہی کے ساتھ کھڑے رہیں۔آپ کے مخالفین تو چاہیں گے کہ آپ کچھ نرم پڑنے کو تیار ہوں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں: ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝۹﴾ (القلم)۔مگر آپ ہماری ہدایت ومشیت کے مطابق اپنے موقف پر جم کر کھڑے رہیں اور اس سفر میں کسی بھی موڑ پر کسی حال میں‘ کبھی کوئی سمجھوتہ (compromise) نہ کریں: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:۲۹) ’’اور آپ ان سے کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے‘ تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔‘‘

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ ’’اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔‘‘

یہی بات پانچ چھ سال بعد سورۃ البقرۃ کے اندر ان الفاظ میں پھر سے دہرائی گئی: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۲۰) ’’(اے نبی ﷺ!) یہ یہودی اور نصرانی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے طریقے کی پیروی نہ کریں‘‘۔پرانے نظام کے ساتھ تو ان لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں‘ آپ کی دعوت کو آگے بڑھتا دیکھ کر انہیں اپنی سیادتیں اور چودھراہٹیں خطرے میں نظر آ رہی ہیں۔وہ تو چاہیں گے کہ آپ ان کے پیچھے چلیں اور ان کی لیڈر شپ قائم رہے۔آج بھی اپنے اپنے مفادات کو بچانے کی روش اقامت دین کی جدوجہد میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔آج بھی اگر اللہ کا کوئی بندہ اس دعوت کا عَلم بلند کر کے مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کا نعرہ لگاتا ہے تو اربابِ جُبّہ ودستار کو اپنی مسندوں‘ خانقاہوں اور گدیوں کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگتا ہے۔چنانچہ ان کے ’’خاموش ردِعمل‘‘ سے ایسی جدوجہد کے عَلم برداروں کو یہ پیغام آپ سے آپ ہی موصول ہو جاتا ہے کہ ’’ہم تمہارے پیچھے کیوں چلیں‘ تم ہمارے پیچھے کیوں نہ چلو؟‘‘ یاد رہے کہ اپنے مضمون (اقامت دین) کے اعتبار سے زیر مطالعہ تین آیات (۱۳‘۱۴ اور ۱۵) بہت اہم ہیں۔

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ ’’اور آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے۔‘‘

قبل ازیں سورۂ حٰم السجدۃ میں دعوت کے حوالے سے قرآن کا چھ مرتبہ ذکر آ چکا ہے۔اب یہاں اس آیت میں سورۂ حٰم السجدۃ کے مضمون کا گویا خلاصہ آ گیا ہے کہ دعوت چلے گی تو اس کتاب کے بل پر اور کسی کو استقامت نصیب ہوگی تو بھی اسی کتاب کے ذریعے سے۔چنانچہ اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیے‘ اس کے معانی ومفہوم کو دل میں اتاریئے اور دوسروں تک پہنچائیے۔قرآن میں حضور ﷺ کو بھی بار بار اسی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ (العنکبوت:۴۵) ’’تلاوت کرتے رہا کریں اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے۔‘‘

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ﴾ ’’اور (آپ کہہ دیجیے کہ) مجھے حکم ہوا کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔‘‘

آپ ان پر واضح کر دیجیے کہ میں صرف وعظ کہنے اور میٹھی میٹھی باتیں سنا کر لوگوں کا دل بہلانے کے لیے

نہیں آیا' بلکہ میں معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے اور نظامِ توحید کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس جملے کے حوالے سے ہمیں بہت واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ حضور ﷺ کا اصل مشن کیا تھا اور آپؐ کے اتباع کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آج ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کے اتباع کے تقاضے میلاد کی محفلیں سجا لینے یا بڑے بڑے جلوس نکال لینے سے پورے نہیں ہوں گے۔ اس کے لیے سب غلط کاریاں چھوڑ کر خود کو دین کے احکام کا پابند بنانا ہوگا اور پھر اپنے تن من دھن کے ساتھ عدلِ اجتماعی (نظامِ توحید) کو معاشرے میں قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطاب میں دراصل حضور ﷺ کے اتباع کے اسی تقاضے ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ کے حوالے سے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا: لوگو! تم میں سے ہر کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلوا دوں اور تم میں سے ہر قوی شخص میرے نزدیک کمزور ہوگا جب تک کہ میں اس سے حق دار کا حق وصول نہ کر لوں۔

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ﴾ ''اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔''

﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ﴾ ''ہمارے درمیان کسی حُجّت بازی کی ضرورت نہیں' اللہ ہمیں جمع کر دے گا۔''

اللہ تعالیٰ یا تو ہمیں اسی دنیا میں اکٹھا کر دے گا اور اگر یہاں یہ ممکن نہ ہوا تو آخرت میں تو ہم اکٹھے ہو ہی جائیں گے۔ اس فقرے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان تنظیموں اور گروہوں کا تصور ذہن میں لایئے جو سب اخلاص اور نیک نیتی سے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے ہر جماعت کا اپنا منصوبہ اور اپنا طریقہ کار ہے۔ ان سب کی مثال دراصل منیٰ سے میدانِ عرفات جانے والے حجاج کے قافلوں جیسی ہے۔ جہاں لاکھوں لوگ ہزاروں قافلوں میں مختلف راستوں اور مختلف شاہراہوں پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان کے راستے بے شک مختلف ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے۔ یہ قافلے جیسے جیسے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے مابین فاصلہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ میدانِ عرفات میں پہنچ کر وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی مختلف جماعتیں اور تنظیمیں جوں جوں اپنی منزل کی طرف بڑھیں گی ان کے باہمی اختلافات کم ہوتے چلے جائیں گے اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور اگر بالفرض وہ دنیا میں اکٹھے نہ ہو سکے تو بھی روزِ محشر تو سب اکٹھے ہو جائیں گے۔

چنانچہ ان سب کو آپس میں تنقید کرنے کے بجائے زیر مطالعہ آیت کے الفاظ میں ایک دوسرے سے یوں کہنا چاہیے کہ دیکھو بھئی ہم سب اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں۔ ہمارا رب بھی اللہ ہے اور تمہارا بھی۔ باقی جہاں تک ہمارے باہمی اختلاف کا تعلق ہے اس حوالے سے ہمیں آپس میں کوئی حجت بازی نہیں کرنی چاہیے۔ تم لوگ اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق جدوجہد کرتے جاؤ' ہم اپنے طریق کار اور لائحہ عمل کے مطابق کوشش جاری رکھے

ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم سب اپنی اپنی کوششوں کے لیے ماجور ہوں گے۔ تم لوگوں کو تمہاری جدوجہد کا صلہ مل جائے گا اور ہم اپنی محنت کا پھل پا لیں گے۔ لیکن چونکہ ہم سب اپنے مشن اور اپنی جدوجہد میں مخلص ہیں اس لیے آج نہیں تو کل ہم سب ایک ہو جائیں گے۔ اگر ہمارا طریق کار غلط ہوا تو ایک دن حقیقت ہم پر واضح ہو جائے گی اور ہم رجوع کر لیں گے اور اگر آپ لوگوں کے لائحہ عمل میں کوئی کمی ہوئی تو کبھی نہ کبھی آپ کو بھی وہ نظر آ ہی جائے گی اور آپ بھی ضرور اس کی تلافی کر لیں گے' اِن شاء اللہ!

﴿وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۝۱۵﴾ ''اور اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔''

وہاں اللہ کی عدالت میں سب انسان اکٹھے کھڑے ہوں گے اور وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ۱۶ ﴿وَالَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِيۡبَ لَهٗ﴾ ''اور وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں حُجّت بازی میں لگے رہے' اس کے بعد کہ اُس کی دعوت پر لبیک کہہ دی گئی ہے''

یعنی اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ تو روزِ اوّل ہی سے استقامت کے پہاڑ بنے کھڑے ہیں اور اب تو انتظار ہے وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ کے قافلے کا کہ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج دین میں داخل ہوں۔ لیکن جو لوگ اب بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہے اور ہٹ دھرمی کی اپنی پرانی مسندیں سنبھالے حجت بازی کیے جا رہے ہیں:

﴿حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ ''ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک بالکل پسپا ہے''

﴿وَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۝۱۶﴾ ''اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب بھی ہے۔''

آیت ۱۷ ﴿اَللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ الۡـكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ وَالۡمِيۡزَانَ﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی حق کے ساتھ۔''

قرآن میں صرف دو ہی مقامات ایسے ہیں جہاں کتاب اور میزان کے الفاظ ایک ساتھ اکٹھے آئے ہیں۔ ایک تو آیت زیر مطالعہ اور دوسری سورۃ الحدید کی یہ آیت: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ ......﴾ (آیت ۲۵) ''ہم نے بھیجے اپنے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کی ان کے ساتھ کتاب اور میزان تاکہ قائم رہیں لوگ عدل پر''۔ میزان دراصل دین حق کے عملی نظام کا نام ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ''کتاب'' ہر ایک کا حق مقرر کرتی ہے اور ''میزان'' ناپ تول کر کے یہ حق حقدار کو دیتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں دین بھی دیا ہے اور نظام بھی۔ اگر نظام نہ ہوتا تو دین کے مطابق فیصلے کیسے ہوتے اور پھر ان فیصلوں پر عمل درآمد کیونکر ہوتا؟

﴿وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ۝۱۷﴾ ''اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت قریب ہی ہو!''

''السَّاعَۃ'' سے مراد قیامت کی گھڑی ہے' اگرچہ انفرادی سطح پر دیکھا جائے تو ہر شخص کی موت ہی گویا اس

کی قیامت ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے: ((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ))(۱) ''جس کو موت آ گئی پس اس کی قیامت تو قائم ہو گئی''۔ مقامِ غور ہے کہ اس حوالے سے ہمیں کس قدر مشکل صورتِ حال کا سامنا ہے۔ ایک طرف ہم میں سے ہر ایک کی ''قیامت'' اس کے سر پر کھڑی ہے اور دوسری طرف اللہ کی ''میزان'' کو نصب کرنے کی بھاری ذمہ داری ہے جو ہم سب کے کندھوں پر آن پڑی ہے۔ اب اگر ہم نے ابھی اور اسی وقت اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور اس کے لیے فوری طور پر ہم اپنا تن من دھن لگا دینے کے لیے میدانِ عمل میں نہ اترے تو نہ معلوم ہم میں سے کس کس کی مہلتِ عمل کچھ کیے بغیر ہی ختم ہو جائے۔ آج ہم میں سے کون کہہ سکتا ہے کہ اسے کل کا سورج بھی دیکھنا نصیب ہو گا یا نہیں! اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم مزید وقت ضائع کیے بغیر اس جدّوجُہد میں جُت جائیں۔ اس فیصلے کے لیے تاخیر اور تاجیل میں وقت ضائع کرنا سب سے بڑی حماقت ہے:

آیت ۱۸ ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ﴾ ''اس (قیامت) کے لیے جلدی تو وہی مچا رہے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ﴾ ''اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔''

قیامت کے تصوّر سے اللہ کے مقرب بندوں کے خوف کی کیفیت کا ذکر سورۃ النور میں یوں آیا ہے:
﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿٣٧﴾﴾ ''وہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کے تصور سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور نگاہیں۔''

﴿اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔''

آیت ۱۹ ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ ''اللہ اپنے بندوں کے حق میں بہت مہربان ہے، وہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

لفظ ''لَطِيْفٌ'' میں لطف و کرم اور شفقت و مہربانی کے علاوہ باریک بین ہونے کا مفہوم بھی ہے۔ یعنی وہ بڑی باریک بینی کے ساتھ ان کی دقیق ترین ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔

آیت زیر مطالعہ کے مندرجہ بالا الفاظ کو اقامت دین کی جدوجہد کے سیاق و سباق میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی اقامت دین کی جدوجہد میں تمہیں یہ فکر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم کھائیں گے کہاں سے، پہنیں گے کیا اور ہماری دوسری ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ اس حوالے سے قبل ازیں (سورۃ العنکبوت، آیت ۶۰ کے ذیل میں) متی کی انجیل سے حضرت مسیح علیہ السلام کے وعظ کا درج ذیل اقتباس ہم پڑھ چکے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی: ۴۳۶/۱۔ و تخریج الاحیاء للعراقی: ۷۹/۴۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی، ح:۱۱۶۶۔ راوی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

''تم خدااور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان وشوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبّس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔'' (متی' باب ۶: ۲۵۔۳۴' بحوالہ تدبر قرآن' جلد پنجم' ص ۶۰)

اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا رازق بھی ہے اور وہ اپنے بندوں کی ایک ایک حاجت سے باخبر اور ان کی ایک ایک خواہش سے آگاہ بھی ہے۔ آپ ایک دفعہ یکسو ہو کر فیصلہ تو کریں کہ اب اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دینا ہے۔ پھر دیکھنا اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کا خیال کیسے رکھتا ہے۔ اس کا وعدہ ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۳) ''اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے' اور وہ اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا''۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس راستے میں طرح طرح کی آزمائشوں اور سختیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب بندہ اس مرحلے میں بھی صبر واستقامت کے مظاہرے سے اپنی وفاداری اور یکسوئی ثابت کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئے نئے راستے کھول دیتا ہے اور ان راستوں پر چلنا اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔

﴿وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝۱۹﴾ ''اور وہ تو بہت قوی ہے' بہت زبردست ہے۔''

آیت ۲۰ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے تو ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔''

اس مضمون کا کلائمکس سورۂ بنی اسرائیل میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۱۸﴾ ''جو کوئی طلب گار بنتا ہے جلدی والی (دنیا) کا' ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں' جس کے لیے چاہتے ہیں' پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم' وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ' دھتکارا ہوا۔''

﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰﴾ ”اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب بن جاتا ہے تو ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں‘ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔“

آیات ۲۱ تا ۳۵

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۱ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ
بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۲۲ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ
قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا
حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۲۳ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي
قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۴ وَهُوَ الَّذِيْ
يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲۵ۙ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۲۶ وَلَوْ
بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ
بَصِيْرٌ ۝۲۷ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيْدُ ۝۲۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي
جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹ۧ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ ۳ ع ۴
كَثِيْرٍ ۝۳۰ۭ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۳۱
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝۳۲ۭ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰي
ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۳ۙ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۴
وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۵

آیت ۲۱ ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ﴾ ”کیا ان کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا کوئی ایسا راستہ طے کر دیا ہو جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا؟“

شرک کے حوالے سے یہ نکتہ قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ مشرک لوگ جنہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اللہ نے ان کے لیے نہ تو کوئی سند اتاری ہے اور نہ ہی کسی الہامی کتاب میں ان کے لیے کوئی دلیل موجود ہے۔ اس سورت کا عمود چونکہ نظامِ شریعت (میزان) سے متعلق ہے اس لیے یہاں شرک کا ابطال اس مضمون کی دلیل کے ساتھ بالکل منفرد انداز میں آیا ہے کہ اللہ نے تو اپنے بندوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات نازل کیا ہے۔ تو ذرا یہ لوگ بھی بتائیں کہ ان کے معبودوں نے ان کے لیے زندگی میں کیا راہنمائی فراہم کی ہے؟ کیا ان معبودوں نے بھی اپنے پجاریوں کو باقاعدہ کوئی کتاب دی ہے؟ کیا لات، منات اور ہبل نے بھی اپنے عقیدت مندوں کے لیے کوئی شریعت وضع کی ہے یا انہیں باقاعدہ کوئی نظام دیا ہے؟ اور اگر ان نام نہاد معبودوں نے اپنا کوئی دین یا ضابطہ حیات اپنے ماننے والوں کو کبھی دیا ہی نہیں تو وہ کس حیثیت سے آخر معبود بنے بیٹھے ہیں؟ اور ان کے پجاری آخر کس بنیاد پر ان کی پوجا کیے جا رہے ہیں؟

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀﴾ ''اور اگر ایک قطعی حکم پہلے سے طے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ظالموں کے لیے تو بہت دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا﴾ ''تم دیکھو گے ان ظالموں کو کہ وہ اپنے کرتوتوں کے سبب ڈر رہے ہوں گے''

قیامت کے دن کفار و مشرکین اپنے غلط عقائد اور برے اعمال کے سبب خوف زدہ ہوں گے۔ دراصل نیکی و بدی کے بارے میں انسان کا ضمیر بہت حساس ہے: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰي نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ؀﴾ (القیامة) ''بلکہ انسان اپنے نفس پر خود گواہ ہے''۔ یہ آیت بہت واضح انداز میں ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی ضمیر اپنے اندر کی گہرائیوں میں جھانک کر بغیر کسی مصلحت اور تعصب کے غلط اور درست کی نشاندہی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام غلط کار انسان اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے حساب و کتاب سے پہلے ہی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔

﴿وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ﴾ ''اور وہ ان کے اوپر پڑنے والا ہوگا۔''

ان کے عقائد و افعال کا وبال ان کے سروں پر گرنے والا ہوگا۔ لیکن دوسری طرف اہل ایمان کی کیفیت اس کے برعکس ہوگی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ پر کاربند رہے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے۔''

﴿لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ؀﴾ ''ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ یہی (ان کے لیے) بہت بڑی فضیلت ہوگی۔''

آیت ۲۳ ﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ﴾ ''یہ ہے وہ (انجامِ نیک)

جس کی بشارت دے رہا ہے اللہ اپنے اُن بندوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔"

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ "(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا" میں سالہا سال سے تم تک یہ پیغام پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں مگر میں نے کبھی تم لوگوں سے اس کا کوئی صلہ یا انعام طلب نہیں کیا۔

﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ﴾ "سوائے قرابت داری کے لحاظ کے۔"

اہل تشیع نے ان الفاظ کا یہ مطلب نکال لیا ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے اپنے قرابت داروں (حضرت علیؓ حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم) سے محبت کا تقاضا کیا گیا ہے۔ لیکن جس وقت مکہ معظمہ میں سورۃ الشوریٰ نازل ہوئی اُس وقت حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی تک نہیں ہوئی تھی۔ سیاق وسباق میں اس آیت کا درست اور منطقی مفہوم یہ ہے کہ میں تم لوگوں سے کسی اور صلے کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ (یعنی قریش) اُس قرابت داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ آخر میں تمہارے قبیلے اور تمہاری برادری کا ایک فرد ہوں اور عرب روایات کے مطابق اس تعلق اور قرابت کے خصوصی حقوق متعین ہیں۔ چنانچہ عرب تہذیب و روایات کے مطابق تمہاری شرافت ونجابت سے مجھے یہ توقع تھی کہ تم لوگ میرے معاملے میں قرابت داری کے فطری تقاضوں کا لحاظ رکھو گے، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ تم لوگوں نے ضِدم ضِدا میں ان تمام تقاضوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے اور قرابت داری کے میرے فطری اور بنیادی حقوق کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾﴾ "اور جو کوئی بھلائی کمائے گا تو ہم اس کے لیے اس میں بھلائی کا اضافہ کرتے رہیں گے۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت قدر دان ہے۔"

آیت ۲۴ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ﴾ "کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟"

یعنی یہ کہ محمد (ﷺ) نے قرآن خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ﴾ "تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے۔"

یہ خطاب بظاہر محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن اصل میں مخالفین کو سنانا مقصود ہے کہ یہ قرآن وحی کی صورت میں محمد (ﷺ) کے قلب پر نازل ہو رہا ہے۔ یہ خالص ایک وہبی صلاحیت ہے اور آپؐ کو اس بارے میں ہرگز کوئی اختیار نہیں ہے۔ کجا یہ کہ آپؐ خود اس کو گھڑیں یا تصنیف کریں۔ چنانچہ اگر اللہ چاہے تو یہ صلاحیت آپؐ سے واپس لے کر آپؐ کے قلب پر مہر کر دے اور آپؐ پر وحی آنا بند ہو جائے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾﴾ "اور (اے نبی ﷺ) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف، پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔"

﴿وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ﴾ ''اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کا حق ہونا ثابت کر دیتا ہے اپنے کلمات سے۔''

یہ اللہ کی سنت اور اس کا اٹل قانون ہے' لیکن اس کے ظہور میں اللہ کی مشیت کے مطابق وقت لگتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ کی دعوت کے حوالے سے اللہ کی اس سنت کا ظہور پہلی دفعہ غزوۂ بدر کے میدان میں اس وقت عمل میں آیا جبکہ دعوت کو شروع ہوئے چودہ برس گزر چکے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے ذریعے حق و باطل کے مابین فرق کو واضح اور مبرہن کر کے نہ صرف یومِ بدر کو یوم الفرقان (الانفال:۴۱) قرار دیا گیا بلکہ اس غزوہ کا بنیادی مقصد بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہی بتایا گیا: ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸﴾ (الانفال) ''تاکہ سچا ثابت کر دے حق کو اور جھوٹا ثابت کر دے باطل کو' خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۲۴﴾ ''یقیناً وہ واقف ہے اس سے بھی جو کچھ سینوں کے اندر پوشیدہ ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۲۵﴾ ''اور وہی ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی بہت سی برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

آیت ۲۶ ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور وہ دعائیں قبول کرتا ہے ان لوگوں کی جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور اپنے فضل سے انہیں (ایمان واعمالِ صالحہ میں) ترقی بھی دیتا ہے۔''

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۲۶﴾ ''اور کافروں کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور اگر اللہ کشادہ کر دیتا رزق اپنے سب بندوں کے لیے تو وہ زمین میں سرکشی کرتے''

یقیناً اللہ کے خزانے بہت وسیع ہیں' لیکن اگر وہ ان خزانوں کو سب کے لیے کھول دیتا اور ہر کسی کو اس کی خواہش اور مرضی کے مطابق بافراغت اور باسہولت رزق ملنا شروع ہو جاتا تو انسانوں کی اکثریت اللہ سے سرکشی پر اُتر آتی۔ کیونکہ اب جب کہ دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے دن رات مشقت میں جُتے رہنے کے باوجود بھی ان میں سے اکثر اللہ کے نافرمان ہیں تو فکر معاش سے فراغت تو ان کو بالکل ہی باغی بنا دیتی۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۲۷﴾ ''لیکن اللہ نازل کرتا ہے ایک اندازے کے مطابق جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے باخبر' ان کو دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔''

خشک سالی میں فصلوں کی آبیاری کا وقت ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر جب کسانوں کے دلوں میں مایوسی کے سائے گہرے ہونے لگتے ہیں تو اچانک اللہ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور بادل بارش کی نوید لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور وہی ہے جو (اپنے بندوں کا) مددگار ہے اور وہ اپنی ذات میں آپ ستودہ صفات ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان دونوں میں اُس نے جو جان دار پھیلا دیے ہیں۔''

یعنی آسمانوں میں فرشتے جبکہ زمین اور اس کی فضا میں موجود بے شمار مخلوقات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔

﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور وہ جب چاہے ان سب کو جمع کرنے پر قادر ہے۔''

اس نے اپنی مرضی اور مشیت سے ان سب کو زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلا رکھا ہے۔ البتہ جب وہ چاہے گا ان سب کو اپنے حضور حاضر کر لے گا۔

آیت ۳۰ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾﴾ ''اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ درحقیقت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب آتی ہے اور (تمہاری خطاؤں میں سے) اکثر کو تو وہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ عمومی طور پر عفو و درگزر کا معاملہ فرماتا ہے اور ہر کسی کو ہر غلطی پر نہیں پکڑتا۔ البتہ بعض اوقات بعض نافرمانیوں کی سزا وہ متعلقہ افراد کو دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔

آیت ۳۱ ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔''

یہاں اس فقرے کے بعد ''وَلَا فِي السَّمَاءِ'' کے الفاظ گویا محذوف ہیں۔ جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ (آیت ۲۲) ''اور تم اسے عاجز کرنے والے نہیں ہو زمین میں اور نہ آسمان میں''۔ بہر حال اللہ کی مشیت کو کوئی نہیں روک سکتا' وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔ وہ جو ارادہ کر لیتا ہے کر گزرتا ہے' اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔''

آیت ۳۲ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے سمندروں میں (چلنے والے) پہاڑوں کے مانند جہاز بھی ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ﴾ ''اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے سو وہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں سمندر کی سطح پر۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے۔‘‘

آیت ۳۴ ﴿اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾﴾ ’’یا وہ (چاہے تو) تباہ کر دے ان (جہازوں) کو لوگوں کے گناہوں کی پاداش میں‘ لیکن وہ بہت سی خطاؤں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَّ یَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾﴾ ’’اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیات میں کٹ حجتی کر رہے ہیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔‘‘

آیات ۳۶ تا ۴۳

فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع۴ ۵

گزشتہ آیات میں مکی سورتوں کے عمومی مضامین مثلاً مشرکین کے ساتھ ردوکدح‘ آخرت کی جزا و سزا اور اللہ کی نشانیوں اور نعمتوں کا تذکرہ تھا‘ لیکن اس کے بعد موضوع پھر سے سورت کے عمود یا مرکزی مضمون کی طرف لوٹ رہا ہے۔ چنانچہ آئندہ آٹھ آیات میں وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کی سیرت کے لیے ناگزیز ہیں۔ انہی اوصاف کو اپنانے سے دراصل ایک ایسے مردِ مؤمن کے کردار کا نقشہ تیار ہوتا ہے جو اس میدانِ کارزار میں قدم رکھتے ہوئے طے کر لیتا ہے کہ: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ’’میری نماز‘ میری قربانی‘ میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے‘‘۔ اقامت دین کی جدوجہد کے علمبردار افراد کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان اوصاف کو اپنائے بغیر ان کے کردار و عمل میں وہ مضبوط ’’جان‘‘ پیدا نہیں ہوگی جو اس ’’معرکۂ روح و بدن‘‘ میں پیش کرنے کے لیے درکار ہے۔ اسی ضرورت اور شرط کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

آیئے اب ہم ایک ایک کر کے ان اوصاف کا جائزہ لیتے ہیں۔اس سلسلے کی پہلی ہدایت ملاحظہ ہو:

آیت ۳۶ ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ”پس جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا ہی کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔“

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۳۶﴾ ”اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔“

گویا اس منزل کے مسافروں کو سب سے پہلے اپنی ترجیحات بدلنا ہوں گی اور ایسی سوچ اپنانا ہو گی جس کے مطابق دنیا و مافیہا انہیں ہیچ نظر آئے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ان کا اصل مقصود و مطلوب بن جائے۔اگر دنیا کی محبت دل کے کسی گوشے میں چھپی رہ گئی تو وہ اس میدان کے بڑے سے بڑے شہسوار کو بھی کبھی نہ کبھی ضرور اڑنگا لگا کر منہ کے بل گرائے گی۔چنانچہ آدمی سب سے پہلے یہ طے کرے کہ وہ طالبِ آخرت ہے یا طالب دنیا؟ اقامت دین کی جدوجہد کے علمبرداروں کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کر کے آخرت کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیتے ہیں، جبکہ آیت کے اختتامی الفاظ کے مطابق ان کا دوسرا وصف یہ ہے:﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں اپنے رب پر ہی توکّل کرتے ہیں۔

آیت ۳۷ ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ ”اور وہ لوگ کہ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے“

ظاہر ہے اس مقدس فریضہ کو نبھانے کا حلف اٹھانے والے رضا کار اگر اپنے دامنِ کردار کو ایسی نجاستوں سے بچا کر نہیں رکھیں گے تو وہ اس میدان میں آگے کیسے بڑھ سکیں گے۔یہی مضمون سورۃ النساء کے اندر ہم ان الفاظ میں پڑھ چکے ہیں:﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱﴾ ”اگر تم اجتناب کرتے رہو گے ان بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر“۔صغائر اور کبائر کے حوالے سے یہ نکتہ اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک بندۂ مؤمن کو کبائر کے معاملے میں غیر معمولی طور پر حساس ہونا چاہیے۔لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں عمومی روش یہ ہے کہ ہم صغائر کے بارے میں تو بہت زیادہ باریک بین بننے کی کوشش کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے مسائل کے بارے میں وضاحتیں اور فتوے بھی طلب کرتے رہتے ہیں، مگر کبائر سے متعلق لاپرواہی برتتے ہیں۔حالانکہ صغائر تو ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ﴾(هود: ١١٤) کے اصول کے تحت ساتھ ہی ساتھ معاف ہوتے رہتے ہیں اور سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت میں بھی یہی بشارت دی جا رہی ہے کہ اگر تم لوگ کبائر سے بچتے رہو گے تو تمہارے صغائر ہم خود معاف کر دیں گے۔لیکن اس کے باوجود کبائر سے متعلق لاپرواہی اور صغائر کے بارے میں ”حساسیت“ کا عمومی رویہ ہمارے معاشرے میں ایک متعدی بیماری کی شکل اختیار کر چکا ہے۔اس حوالے سے ہماری مشابہت

بنی اسرائیل کی اس کیفیت کے ساتھ ہو چکی ہے جس کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تھا کہ ”تم لوگ مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو“۔ بہر حال اللہ کے راستے میں نکلنے والے مجاہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ کی روش پر کار بند رہیں اور کبائر و فواحش سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔

﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾﴾ ”اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔“

غَفَرَ کے معنی ڈھانپ دینے کے ہیں۔ اس معنی میں اس آہنی خود کو مِغْفَر کہا جاتا ہے جس سے دورانِ جنگ تلوار وغیرہ کے وار سے بچنے کے لیے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مغفرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے جو بندے کے گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ لہٰذا مؤمنینِ صادقین کا یہاں جو وصف بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ غصے کا اظہار کرنے کے بجائے اسے پی جاتے ہیں۔ اشتعال کی حالت میں وہ کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ اپنے فیصلے ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کی حکمت عملی کو ترجیح دیتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۴ میں بھی متقین کی تعریف میں یہی صفت بیان کی گئی ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ کہ وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے والے لوگ ہیں۔ چونکہ غصہ اور غصے کی کیفیت میں انسان کا اشتعال شیطانی اثرات کی بنا پر ہوتا ہے اس لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۶ میں دی گئی یہ ہدایت غصے اور اس کے منفی اثرات سے بچنے کا بہترین نسخہ ہے: ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۳۶) ”اور اگر کبھی تمہیں شیطان سے کوئی چُوک لگنے لگے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو“ —— اب آگے چلیے اگلے وصف کی طرف:

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا اور نماز قائم کی۔“

یہ کون سی پکار ہے؟ اس حوالے سے یہ اہم نکتہ ذہن میں رکھئے کہ اس سورت میں اب تک جمع کے صیغے میں فعل امر ایک ہی مرتبہ آیا ہے‘ یعنی ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ اور جمع کے صیغے میں اب تک ایک ہی مرتبہ فعل نہی آیا ہے‘ یعنی ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾۔ چنانچہ یہی وہ پکار یا حکم ہے جس کی استجابت کا ذکر یہاں ہوا ہے‘ یعنی: ﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (آیت ۱۳) ”دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو“۔ اور اسی کے بارے میں حضور ﷺ کو آیت ۱۵ میں مخاطب کر کے فرمایا گیا تھا: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ کہ آپؐ کی دعوت کا عمود اور مرکزی پیغام اقامت دین ہے‘ اسی کی طرف آپؐ نے لوگوں کو بلانا ہے‘ اسی کی ضرورت اور اہمیت کو ان کے اذہان میں نقش (hammer) کرنا ہے۔ یہی آپؐ کا مشن ہے اور یہی آپؐ کی دعوت کا اصل ہدف۔ آپؐ اپنے اسی مشن اور اسی موقف پر ڈٹے رہیے اور مخالفین کی مخالفت کی بالکل پروانہ کیجیے۔

بلاشبہ یہ مشن بہت عظیم ہے اور اسی نسبت سے اس کی جدوجہد کے لیے خصوصی سیرت و کردار کے حامل مردانِ کار درکار ہیں۔ چنانچہ آیاتِ زیر مطالعہ میں ان اوصاف کا تذکرہ ہے جو اس مشن کے علمبرداروں کی شخصیات کے لیے ناگزیر ہیں۔ نماز کی پابندی کے بعد اگلا وصف بیان ہوا:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠﴾ ''اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔''

ظاہر ہے اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کے لیے اجتماعیت درکار ہے اور اجتماعی زندگی میں فیصلے کرنے اور مختلف امور نپٹانے کے لیے باہمی مشاورت بہت ضروری ہے۔ لیکن کسی اجتماعیت کے اندر اگر مؤثر مشاورتی نظام موجود نہیں ہو گا اور کوئی ایک فرد دوسروں پر اپنی مرضی ٹھونسنے کا طرزِ عمل اپنانے کی کوشش کرے گا تو اس سے نہ صرف اجتماعی جدوجہد کو نقصان پہنچے گا بلکہ خود اس اجتماعیت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

جماعتی زندگی میں مشاورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جن صحابہؓ سے درّہ چھوڑنے کی غلطی سرزد ہوئی ان کے بارے میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) کہ نہ صرف آپؐ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں بلکہ انہیں مشورے میں بھی شامل رکھیں۔ مشاورت کے عمل سے اجتماعیت کو تقویت ملتی ہے۔ اس سے ساتھیوں کے مابین مشترکہ سوچ اور باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو جماعت کے اندر اپنی موجودگی کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے کہ اس کی بات سنی جاتی ہے۔

حضور ﷺ خود بھی صحابہؓ سے مشورے کو بہت اہمیت دیتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ حضورؐ نے اپنی رائے پر صحابہؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فیصلہ صادر فرمایا۔ مثلاً غزوۂ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے لشکر کے کیمپ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ مگر جب کیمپ لگ چکا تو کچھ صحابہؓ نے آپؐ سے اجازت لے کر رائے دی کہ بعض وجوہات کی بنا پر دوسری جگہ کیمپ کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کیمپ اکھاڑ کر صحابہؓ کی مجوزہ جگہ پر لگانے کا حکم دے دیا۔ بہرحال اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف جماعت کے نظم و نسق کا تقاضا ہے کہ اس جماعت میں مشاورت کا خصوصی اہتمام رکھا جائے۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۸﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

دعوت و اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف لوگوں کو جہاں اپنے وقت اور اپنی جانوں کی قربانی دینا پڑے گی، وہاں اس راستے میں انہیں اپنا مال بھی خرچ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ متعلقہ لوگوں کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی گنوا دیا گیا کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ''انفاق'' بھی کرتے ہیں۔

قرآن کو غور سے پڑھنے والا شخص جانتا ہے کہ اس کے بہت سے مضامین ایک جیسے الفاظ کے ساتھ دہرا دہرا کر بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر مکی سورتوں میں ملتی جلتی آیات مختلف اسالیب کے ساتھ بار بار آئی ہیں۔ اسی لیے قرآن کو کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (الزمر: ۲۳) کا نام بھی دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر سورت کا ایک خاص مرکزی مضمون یا عمود بھی ہے جسے مضامین کے تنوع اور تکرار میں سے تلاش کرنے کے لیے غور و فکر اور تدبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ پر اگر اس پہلو سے غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس سورت میں اگرچہ دوسری مکی سورتوں کے تمام مضامین بھی وارد ہوئے ہیں، لیکن اس کا مرکزی مضمون یا عمود ''اقامت دین'' ہے۔ اور اس مضمون کے اعتبار سے اس سورت کی زیر مطالعہ آیات پورے قرآن میں منفرد اور ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ ان آیات کی اس اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون سے متعلق جن نکات کا ہم اب

تک مطالعہ کر چکے ہیں انہیں ایک مرتبہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔

چنانچہ اعادہ کے لیے ایک دفعہ پھر آیت ۱۰ کی طرف رجوع کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ یعنی تمہارے باہمی اختلافات میں حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے ہم سورۂ یوسف میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ (آیت ۴۰) یعنی حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے' اُس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' یہی دین قیم ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۳ سے لے کر آیت ۲۱ تک ۹ آیات میں اقامت دین کا مضمون بہت جامع انداز میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی پہلی تین آیات اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ آیت ۱۳ میں فرمایا گیا: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ کہ دین کو قائم کرو اور اس معاملے میں اختلاف میں نہ پڑو۔ یعنی جزئیات اور فروعات میں اختلاف کا ہونا اور بات ہے' لیکن دین کی اصل وحدت اور دین کے غلبہ کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں تفرقہ بازی نہیں ہونی چاہیے۔ پھر اس کے بعد آیت ۱۵ میں حضور ﷺ کے لیے یہ حکم اس حوالے سے بہت اہم ہے: ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ کہ آپ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے موقف پر ڈٹے رہیے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ پھر اسی آیت کے یہ الفاظ تو گویا اس مضمون کی شہ سرخی کا درجہ رکھتے ہیں: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ﴾ کہ آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تم لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میں تم لوگوں کو صرف نصیحتیں کرنے اور وعظ سنانے کے لیے نہیں آیا بلکہ معاشرے میں اجتماعی طور پر عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا میرا فرضِ منصبی ہے۔ پھر اس سلسلے کی آخری بات آیت ۲۱ میں یوں فرمائی گئی: ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ کہ کیا ان کے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جس نے ان کو دین عطا کیا ہے اور ان کے لیے کوئی جامع نظام اور کوئی ضابطۂ حیات وضع کیا ہے؟ یعنی وہ ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے جس نے اپنے بندوں کو دین حق عطا کیا ہے جو ان کے لیے مکمل اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ [سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی کاملیت کی سند ان الفاظ میں عطا فرمائی ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾]

پھر آیت ۳۶ سے آیت ۴۳ تک آٹھ آیات میں وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو اقامتِ دین کی جدوجہد کے علمبرداروں کو اپنی شخصیات میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں بھی پہلی تین آیات بہت جامع اور اہم ہیں۔ ان تین آیت میں جن اہم نکات کا ابھی ہم نے مطالعہ کیا ہے ان میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور اس کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے نکلنے والے ہر شخص کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ دنیا کے لیے اس کی محنت صرف بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی حد تک محدود رہے گی' جبکہ اس کا اصل مقصود و مطلوب آخرت کی زندگی اور اس زندگی کی کامیابی ہے۔ ثانیاً اس جدوجہد میں توکّل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر ہوگا۔ مادی وسائل' اپنی ذہانت' طاقت اور صلاحیت پر تکیہ

نہیں کیا جائے گا۔ ثالثاً تقویٰ، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس کے لیے کبائر اور فواحش سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی اور غصہ سمیت تمام باطنی خبائث سے بھی اپنے سینوں کو پاک کرنا ہوگا۔

پھر جو لوگ اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد پر کمربستہ ہو جائیں، انہیں اللہ تعالیٰ سے قلبی رشتہ جوڑنے اور یہ رشتہ قائم رکھنے کے لیے نماز کا التزام کرنا ہوگا۔ ان کے تمام فیصلے باہمی مشاورت سے طے ہوں گے اور اس جدوجہد میں ان کو اپنا وقت، اپنا مال، اپنی صلاحیتیں غرض اپنا وہ سب کچھ کھپا دینے کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔

زیر مطالعہ سورتوں میں انسانی سیرت و کردار سے متعلق جو ہدایات آئی ہیں ان کے بارے میں یہ نکتہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ صحابہؓ کے کردار کے وہ تمام پہلو جو مدنی دور میں نمایاں ہوئے ان کی تمہید مکی دور میں ہی اٹھائی گئی تھی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان ہدایات و احکام کے ذریعے ان لوگوں کو عملی میدان کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا گیا تھا۔

اب اگلی پانچ آیات میں مردانِ حق کے جس وصف کا ذکر خصوصی اہتمام سے کیا جا رہا ہے وہ ''بدلہ'' لینے کی حکمت عملی ہے۔ یہ حکمت عملی بظاہر سورۂ حٰمٓ السجدۃ کے اس حکم سے متضاد نظر آتی ہے جس میں لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس ظاہری تضاد یا حکمت عملی کی تبدیلی کے فلسفے کو یوں سمجھیں کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا مرکزی مضمون ''دعوت'' ہے جبکہ سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون ''اقامت دین'' ہے۔ دعوت کے لیے تو ظاہر ہے خوشامد بھی کرنا پڑتی ہے، لوگوں کے دروازوں پر بھی جانا پڑتا ہے اور ان کی جلی کٹی باتیں بھی سننا پڑتی ہیں۔ اس لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنے اور گالیاں سن کر دعائیں دینے کا سبق دیا گیا ہے۔ لیکن زیر مطالعہ سورت میں اقامت دین اور عملی جدوجہد (active resistance) کے تناظر میں سختی کا جواب سختی سے دینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں دی گئی ہدایات کی روشنی میں دعوت کا مرحلہ کامیابی سے طے کرنے کے بعد غلبۂ دین کی تحریک مسلح تصادم (armed conflict) کے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ یہ مرحلہ تیغ بکف، سر پر کفن باندھ کر میدان میں اترنے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر باطل کو للکارنے کا مرحلہ ہے۔ چنانچہ اب صورتِ حال کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حکمت عملی بھی بدل رہی ہے اور شمع توحید کے پروانوں کو ممکنہ حالات کے پیش نظر نئی ہدایات دی جا رہی ہیں۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔''

یعنی اقامت دین کی جدوجہد جب ''قتال'' کے مرحلے میں داخل ہو جائے تو پھر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا حکم ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اس حکمت عملی کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اور قتل کر دو انہیں جہاں کہیں بھی تم انہیں پاؤ اور نکال باہر

کرو انہیں وہاں سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا''۔ گویا جب ایک دفعہ آگے بڑھ کر باطل کو چیلنج کر دیا گیا تو پھر فیصلہ کن فتح تک اس جنگ کو سختی سے جاری رکھنے کا حکم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ بدر میں پکڑے گئے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیے جانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (سورۃ الانفال کی آیات ۶۷'۶۸ میں) ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ان قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے' بلکہ آپؓ کو تو اصرار تھا کہ ہر مسلمان اپنے رشتے دار اور عزیز قیدی کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اس حوالے سے آپؓ کی دلیل یہی تھی کہ اگر آج ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تو کل وہ پھر ہمارے مقابلے میں آجائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خدشے کی اس وقت تصدیق بھی ہوگئی جب فدیہ پر رہائی پانے والے قیدیوں میں سے اکثر و بیشتر اگلے سال غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف پھر سے آ کھڑے ہوئے تھے۔ عام مفسرین کے نزدیک سورۃ الانفال کی مذکورہ آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئیں۔

آیت ۴۰ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ﴾ ''اور کسی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''

یہاں تقابل کے لیے سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا یہ حکم ایک مرتبہ پھر ملاحظہ ہو: ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (آیت ۳۴) ''اور دیکھو! اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتے' لہٰذا تم مدافعت کرو اُس طریقے سے جو بہترین ہو''۔ اب بظاہر تو ان دونوں احکام میں تضاد (contrast) نظر آتا ہے' لیکن قرآن کے ایسے مقامات کا مطالعہ اگر حضور ﷺ کی تحریک کے مختلف اَدوار کے زمینی حقائق کی روشنی میں کیا جائے اور اس حوالے سے مکی اور مدنی اَدوار کے حالات کے فرق کو مدنظر رکھا جائے تو تمام اشکالات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ مکہ میں رہتے ہوئے اگر ﴿کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ﴾ (النساء: ۷۷) کی حکمت عملی اپنانے کی ہدایت تھی تو یہ اس وقت کا تقاضا تھا۔ اور اگر مدینہ میں آ کر ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ کا حکم جاری ہوا ہے تو یہ اس مرحلے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب دشمن کے ساتھ تمہارا دو بدو مقابلہ شروع ہو جائے تو جس قدر زیادتی تم پر مخالف فریق کرے اس قدر زیادتی ان پر تم بھی کر سکتے ہو۔ اگر وہ اَشہرِ حُرم کی حرمت کو بٹہ لگاتے ہیں تو تم بھی اس ماہ کے تقدس کے احترام میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مت بیٹھے رہو۔

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ﴾ ''پس جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔

یہ معاف کرنا اگر اس اعتبار سے ہو کہ اس میں متعلقہ شخص کی اصلاح کا امکان ہو تو اسی میں بہتری ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝۴۰﴾ ''یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

ظالموں کے لیے البتہ کوئی معافی نہیں' ان سے تو بہر حال بدلہ ہی لیا جائے گا۔ اس حکمت عملی کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آیت ۱۷۹) ''اور اے ہوشمندو! قصاص میں ہی تمہارے لیے زندگی ہے''۔

آیت ۴۱ ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اور جو کوئی بدلہ لے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔‘‘

سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ میں یہی اصول ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں کہ کوئی شخص کوئی بری بات بلند آواز سے کہے مگر مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے‘ بدلہ لینا بہرحال مظلوم کا حق ہے۔ اگر وہ اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کا بدلہ ہی لینا چاہتا ہے تو اسے معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے ان آیات کا اسلوب اور انداز سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی مذکورہ آیات کے اسلوب سے کس قدر مختلف ہے۔ اسی ’’تضاد‘‘ کی بنیاد پر پروفیسر منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ء۔۲۰۰۶ء) نے Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina دو کتابیں لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکہ کے اندر جب محمد عربی (ﷺ) کی ایک حکمت عملی ناکام ہوگئی تو انہوں نے مدینہ جا کر اپنا لائحہ عمل بالکل ہی تبدیل کر لیا۔ اس بے چارے ’’دانشور‘‘ کی نظریں تعصب کی عینک کے باعث حضور ﷺ کی تحریک کے دو مراحل کے فرق کو نہیں دیکھ سکیں۔ وہ اس سادہ سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکا کہ پہلا مرحلہ تیاری کا مرحلہ تھا جبکہ دوسرا عملی جدوجہد کا۔

مکی دور میں ’’ہاتھ بندھے رکھنے‘‘ کا حکم دراصل ایک سوچی سمجھی حکمتِ عملی (strategy) کا حصہ تھا‘ جس کے تحت جاں نثارانِ توحید کو صبر و مصابرت کی بھٹی میں سے گزارنا مقصود تھا تا کہ میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے ان کے جذبِ ضبط و برداشت کی آنچ سہہ سہہ کر پختہ اور ان کے دست و بازو آزمائش و ابتلا کی سختیاں جھیلنے کے عادی ہو جائیں۔ اقبالؔ نے اس حکمت عملی کو اس طرح بیان کیا ہے: ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

مدنی دور میں جب ’’بندھے ہوئے ہاتھ‘‘ کھول دیے گئے تو حالات یکسر بدل گئے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سامنا اپنے سابق آقا اُمیہ بن خلف سے ہوا تو چشمِ فلک کوئی اور ہی منظر دیکھ رہی تھی۔ اب اُمیہ کی گردن کا مقدر نشانہ بننا تھا جبکہ ’’اقدام‘‘ کا اختیار تیغِ بلالیؓ کے پاس تھا۔

آیت ۴۲ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ ’’اصل میں الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں‘‘

﴿وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾﴾ ’’اور زمین کے اندر سرکشی کرتے ہیں بغیر کسی حق کے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

عدل و انصاف کی راہ میں اصل رکاوٹ تو وہ لوگ ہیں جو زمین میں سرکشی دکھاتے ہیں‘ جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بجائے خود حاکم بن بیٹھتے ہیں اور عوام الناس کے حقوق پر شب خون مارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اُن تاکیدی احکام سے لگایا جا سکتا ہے جو پورے قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کی

شان ﴿قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ﴾ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کرنے والا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ''اے اہلِ ایمان کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر''۔ اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں یہی الفاظ اس ترتیب میں دہرائے گئے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''۔ پھر زیر مطالعہ سورت کی آیت ۱۵ میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ انہیں بتا دیجیے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ﴾ کہ مجھے تمہارے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

آیت ۴۳ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور ہاں جو کوئی صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ واقعتاً بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

بدلہ لینا اگرچہ مظلوم کا حق ہے' لیکن کسی خاص صورت حال میں اگر وہ صبر سے کام لیتے ہوئے اپنا یہ حق معاف کرنا چاہے تو بے شک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔

یہاں پر سیرت وکردار سے متعلق خصوصی اوصاف کا ذکر ختم ہوا۔ اس کے بعد کی آیات میں مکی سورتوں کے عمومی مضامین آ رہے ہیں۔

آیات ۴۴ تا ۵۰

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ
هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ
طَرْفٍ خَفِیٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِیَآءَ یَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ
لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ
بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ ﴿۴۹﴾ اَوْ
یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

آیت ۴۴ ﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ ''اور جس کو اللہ نے ہی گمراہ کر دیا ہو تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی مددگار نہیں۔''

جس کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ نے ہی مہر ثبت کر دی ہو تو ایسے شخص کا ایسا کوئی حمایتی اور دوست ممکن نہیں جو اسے راہِ راست پر لے آئے۔

﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور تم دیکھو گے ظالموں کو کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا واپس لوٹ جانے کا بھی کوئی راستہ ہے؟''

آیت ۴۵ ﴿وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ط﴾ ''اور تم دیکھو گے انہیں کہ وہ پیش کیے جائیں گے اس (جہنم) پر' نگاہیں زمین میں گاڑے ہوں گے ذلت کی وجہ سے' دیکھ رہے ہوں گے کن انکھیوں سے۔''

اسی کیفیت میں وہ لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں گے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط﴾ ''اور (اُس وقت) اہل ایمان کہیں گے کہ واقعتاً تباہ و برباد ہونے والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن خسارے میں مبتلا کیا۔''

﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! یہ ظالم تو ہمیشہ قائم رہنے والے عذاب میں رہیں گے۔''

آیت ۴۶ ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط﴾ ''اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو ان کی مدد کر سکیں اللہ کے مقابلے میں۔''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور جسے اللہ نے ہی گمراہ کر دیا ہو' پھر اس کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔''

اب اس کے بعد پھر اقامت دین سے متعلق دو عظیم آیات آ رہی ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط﴾ ''(اے اہلِ ایمان!) اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو' اس سے پہلے کہ اللہ کے حکم سے وہ دن آ جائے جسے لوٹایا نہ جا سکے گا۔''

یہ اسی ''استجابت'' کا ذکر ہے جس کے بارے میں قبل ازیں ہم آیت ۳۸ میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں یہ ذکر اصحاب عزیمت کی مدح کے طور پر آیا تھا' لیکن یہاں اب اس کے لیے ترغیب و تشویق کا انداز ہے کہ اے لوگو! اب جبکہ تم نے یہ تمام احکام پڑھ لیے ہیں' غلبہ دین کے حوالے سے تم نے اپنے فرائض کو سمجھ لیا ہے' اس ضمن میں اپنے رب کی مرضی و منشا بھی تمہیں معلوم ہو چکی ہے' تو اب آؤ! آگے بڑھو! اور اپنے رب کی پکار پر فوراً لبیک کہو!

دراصل تم میں سے ہر کسی نے اپنی اپنی زندگی کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کو اپنے اس ''فرض'' کی ادائیگی کا احساس ہو بھی جاتا ہے تو بھی اس کا دل انہی منصوبوں میں اٹکا رہتا ہے کہ بس میں یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا لوں' اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو لوں وہ فرض نبھا لوں' تو خود کو دین کے لیے وقف

کر دوں گا۔ مگر تم خوب جانتے ہو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں‘ یہ کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ موت تمہارے سامنے آن کھڑی ہو‘ تم ﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ کے حکم پر کان دھرو! اور اپنے رب کی اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوسروں کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھو! اور اپنی مدتِ مہلت ختم ہونے سے پہلے پہلے کرنے کا یہ اصل کام کر لو!

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝﴾ ”نہیں ہو گی تمہارے لیے اُس دن کوئی جائے پناہ اور نہیں ہو گا تمہارے لیے کوئی موقع انکار۔“

یعنی تم اپنے کرتوتوں میں سے کسی کا انکار نہیں کر سکو گے۔ ان الفاظ کا یہ مفہوم بھی ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کیا جائے گا تم اس پر نہ تو کوئی احتجاج کر سکو گے اور نہ ہی اپنی حالت کو تبدیل کرنا تمہارے بس میں ہو گا۔

آیت ۴۸ ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ﴾ ”پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو ان پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔“

یعنی اگر یہ لوگ اب بھی اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کے لیے کمر بستہ نہ ہوں تو ان کی اس کوتاہی کی ذمہ داری آپؐ پر نہیں ہو گی۔

﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ﴾ ”نہیں ہے آپ پر کوئی ذمہ داری مگر صاف صاف پہنچا دینے کی۔“

﴿وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ﴾ ”اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا کوئی مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اتراتا ہے۔“

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝﴾ ”اور اگر ان پر آ پڑے کوئی برائی ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی بدولت تو انسان بالکل ناشکرا بن جاتا ہے۔“

آیت ۴۹ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔“

یہ مضمون قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے‘ لیکن اس کے لیے عام طور پر یہ جملہ آتا ہے: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ لیکن اس سورت کے مرکزی مضمون (اقامتِ دین) کے حوالے سے یہاں خاص طور پر ملك (حکومت و اقتدار) کا لفظ آیا ہے۔

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝﴾ ”وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔“

آیت ۵۰ ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ﴾ ”یا وہ انہیں ملا کر دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں۔“

﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾ ”اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا‘ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

وہ اپنی مرضی و منشا میں قادر مطلق ہے‘ جس کو جو چاہے عطا کر دے‘ لیکن وہ جس کو جو عطا کرتا ہے اپنے علم و

حکمت کی بنیاد پر عطا کرتا ہے۔

اگلی آیات میں وحی کی حقیقت اور اس کی اقسام بیان ہوئی ہیں۔ اس موضوع پر یہ قرآن کا اہم ترین مقام ہے۔

آیات ۵۱ تا ۵۳

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع ۵

آیت ۵۱ ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ﴾ ”اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے“

اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے‘ وہ جو چاہے کرے‘ مگر کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو۔

﴿اِلَّا وَحْيًا﴾ ”سوائے وحی کے“

یہ وحی کی پہلی قسم ہے جسے ”القاء“ یا ”الہام“ کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے براہِ راست بندے تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے اور متعلقہ بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی کرنا (النحل: ۶۹)‘ ہر آسمان میں اس سے متعلقہ پیغام پہنچانا (حٰمٓ السجدۃ: ۱۲) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں القاء کرنا (القصص: ۷) اس وحی کی مثالیں ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

﴿اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ ”یا (پھر وہ بات کرتا ہے) پردے کی اوٹ سے“

یہ وحی کی دوسری قسم ہے‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾﴾ (النساء)۔

﴿اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ﴾ ”یا وہ بھیجتا ہے کسی پیغام بر (فرشتے) کو‘ پھر وہ وحی کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو وہ چاہتا ہے۔“

یہ وحی کی تیسری قسم ہے‘ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے پورا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾﴾ ”وہ بہت بلند و بالا ہے‘ کمال حکمت والا ہے۔“

اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی انسان سے براہِ راست بغیر حجاب کے کلام کرے‘ اور وہ کمال حکمت والا ہے‘ اس نے اپنی حکمت کے مطابق انسانوں تک پیغام رسانی (communication) کا جو طریقہ چاہا اختیار فرمایا۔

آیت ۵۲ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ﴾ ”اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) اسی طرح ہم نے

آپ کی طرف وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔"
یہاں پر قرآن کو رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا کہا گیا ہے۔
اگلی آیت میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے ایمان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ کو ایمان کہاں سے ملا؟ اس مضمون کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کا اہم ترین مقام ہے۔ حضور ﷺ کی ذات کی مثال ایمان کی دہکتی ہوئی بھٹی کی سی ہے کہ جو بھی آپؐ کے قریب آ گیا ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ البتہ جس طرح ایک خراب موصل (bad conductor) بھٹی کے سامنے ہونے کے باوجود بھی "اتصالِ حرارت" کے عمل سے محروم رہتا ہے اسی طرح بعض بدنصیب انسان (منافقین) آپؐ کی قربت میں رہنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم رہے۔
﴿مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ﴾ "(اے نبی ﷺ!) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے"
آپ ﷺ نے دنیا کے معروف اور روایتی طریقے سے نہ تو تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی آپؐ نے تورات یا کوئی اور کتاب پڑھی تھی۔ اس لحاظ سے آپؐ "اُمّیین" میں سے تھے۔
﴿وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ﴾ "لیکن اس (قرآن) کو ہم نے ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعے سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔"
یعنی قرآن کے ذریعے سے حضور ﷺ کے ایمان نے ایک حقیقی اور واقعی شکل اختیار کر لی۔ فطرتِ انسانی کے اندر موجود ایمان کی خفتہ (dormant) کیفیت کے بارے میں اس مطالعہ قرآن کے دوران قبل ازیں متعدد بار گفتگو ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے روحِ محمدی ﷺ میں تمام انسانی ارواح سے زیادہ قوی ایمان موجود تھا۔ آپؐ کی روح کے ایمان کی کیفیت سورۃ النور کے پانچویں رکوع میں بیان کی گئی مثال کے مطابق "نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ" کی سی تھی۔ ہمارے علماء نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ آپؐ کی روح کے اندر اجمالی ایمان پہلے سے موجود تھا' جبکہ آپؐ کو تفصیلی ایمان قرآن سے ملا۔ میں اس کی تعبیر یوں کرتا ہوں کہ آپؐ کی روح مبارک کے اندر بِالقُوَّۃ (potentioal) ایمان پہلے سے موجود تھا جو خفتہ (dormant) حالت میں تھا۔ قرآن نے اس ایمان کو فعال (active) کر دیا۔ یعنی قرآن کے نور سے آپؐ کا ایمان جگمگا اٹھا اور آپؐ کی ذات کے اندر "نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ" کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مینارۂ نور بن گئے۔
﴿وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾﴾ "اور آپؐ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔"
جیسے کہ ساحل پر موجود روشنی کا مینار جہازوں کو بندرگاہ تک پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔
آیت ۵۳ ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ﴾ "اُس اللہ کے راستے کی طرف جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔"
﴿اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾﴾ "آگاہ ہو جاؤ! تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔"

بیان القرآن

سُوۡرَةُ الزُّخۡرُف

(۴۳)

سُوْرَةُ الزُّخْرُف

تمہیدی کلمات

سورۃ الزخرف اور سورۃ الدخان ایک بہت حسین جوڑے کی شکل میں آئی ہیں۔ دونوں سورتوں کی دو ابتدائی آیات مشترک ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں ایک معنوی نسبت یہ بھی ہے کہ سورۃ الزخرف کی چوتھی آیت میں قرآن کا تعارف ''اُمّ الکتاب'' کے حوالے سے کرایا گیا ہے اور سورۃ الدخان کی آیت ۳ میں لیلۂ مبارکہ میں ''اُمّ الکتاب'' سے قرآن کے نزول کا ذکر ہے۔ ''اُمّ الکتاب'' دراصل اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے جس کا ذکر سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۸ میں کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ اور سورۃ البروج کی آخری آیت میں لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ کے نام سے ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۴

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ
لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ
اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ
اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ
بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ
وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ۝۱﴾ ''ح م۔''

آیت ۲ ﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲﴾ ''قسم ہے اِس کتاب کی جو بالکل واضح ہے۔''

یہاں پر چونکہ قرآن کی قسم کا ''جوابِ قسم'' یا مقسم علیہ محذوف ہے اس لیے اس قسم کا مقسم علیہ بھی سورۂ یٰسٓ کی آیت میں وارد الفاظ ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③﴾ ہی کو مانا جائے گا۔ یہ نکتہ قبل ازیں سورۂ یٰسٓ کی آیت ۳ کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کے آغاز میں قرآن کی قسم چونکہ حضورﷺ کی رسالت کی گواہی کے طور پر کھائی گئی ہے اس لیے قرآن کے ان تمام مقامات پر جہاں قرآن کی قسم کا مقسم علیہ محذوف ہے وہاں اس قسم کا مقسم علیہ منطقی طور پر ان ہی الفاظ ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③﴾ کو ہونا چاہیے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یوں ہوگا کہ یہ کتابِ مبین گواہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے رسول ہیں!

آیت ۳ ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③﴾ ''ہم نے اس کو بنایا ہے قرآن عربی تا کہ تم سمجھ سکو۔''

آیت ۴ ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④﴾ ''اور یہ اُمّ الکتاب میں ہے ہمارے پاس بہت بلند و بالا' بہت حکمت والی!''

یعنی اصل قرآن تو ''اُمّ الکتاب'' میں ہے۔ دنیا کو اس کی عربی زبان میں مصدقہ نقول فراہم کی گئی ہیں۔ اسی ''اُمّ الکتاب'' کو سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۸ میں كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ اور سورۃ البروج کی آخری آیت میں لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ بھی کہا گیا ہے۔

آیت ۵ ﴿اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤﴾ ''کیا ہم اس ذکر کا رخ تمہاری طرف سے اس لیے پھیر دیں کہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو!''

ہم نے اپنی یہ کتابِ ہدایت ایک عظیم الشان نعمت کے طور پر تمہاری طرف نازل کی' جو نصیحت و یاد دہانی پر مشتمل ہے' مگر تم نے اس کی ناقدری کرتے ہوئے اس کی طرف سے روگردانی کی ہے۔ تو کیا ہم تمہارے اس رویے کی وجہ سے اپنی اس نعمت کو ہی اُٹھا لیں؟ نہیں! ابھی ہم تم لوگوں کو مزید مہلت دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ابھی یہ کتاب تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی رہے گی۔

آیت ۶ ﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ⑥﴾ ''اور ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے پہلوں میں بھی۔''

آیت ۷ ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦﴾ ''اور نہیں آیا کوئی بھی نبی ان کے پاس مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔''

آیت ۸ ﴿فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ ''پھر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو اِن سے بہت زیادہ بڑھ کر تھے قوت میں''

ہم نے ماضی میں بہت سی ایسی قوموں کو بھی نیست و نابود کر دیا جو قریشِ مکہ سے کہیں بڑھ کر زور آور تھیں اور ان کی پکڑ بہت مضبوط تھی۔ تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں؟

﴿وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧﴾ ''اور پہلے لوگوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔''

اقوامِ ماضی کے تفصیلی واقعات اور ان کے انجام کے بارے میں حقائق ان لوگوں کو بار بار بتائے جا چکے ہیں۔

آیت ۹ ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴾ ''اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو وہ لازماً یہی کہیں گے کہ انہیں بنایا ہے اُس ہستی نے جو العزیز اور العلیم ہے۔''

آیت ۱۰ ﴿الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّجَعَلَ لَـكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۚ﴾ ''جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا اور پھر اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے تا کہ تم منزل تک پہنچ سکو۔''

تا کہ تم ان قدرتی راستوں کی مدد سے اپنی منزلوں تک پہنچ سکو۔ مزید یہ کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کر کے ہدایت کی منزلِ مقصود پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔

آیت ۱۱ ﴿وَالَّذِىۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ‌ ۚ﴾ ''اور وہ جس نے اُتارا آسمان سے پانی ایک اندازے کے مطابق۔''

﴿فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ۚ﴾ ''تو اس سے ہم نے مُردہ زمین کو اُٹھا کھڑا کیا۔''

اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی سے بنجر زمین میں زندگی کے آثار پھیلا دیے‘ اسے حیاتِ تازہ بخش دی۔

﴿كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ‏ ﴾ ''اسی طرح (ایک روز) تمہیں بھی نکال لیا جائے گا۔''

تمہیں بھی روزِ محشر اسی طرح زندہ کر کے تمہاری قبروں سے نکال کھڑا کیا جائے گا۔

آیت ۱۲ ﴿وَالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا﴾ ''اور وہ کہ جس نے بنائے ہیں تمام مخلوقات کے جوڑے''

﴿وَجَعَلَ لَـكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۙ‏﴾ ''اور تمہارے لیے بنائی ہیں کشتیاں بھی اور چوپائے بھی جن پر تم سواری کرتے ہو۔''

آیت ۱۳ ﴿لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ﴾ ''تا کہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر''

﴿ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ﴾ ''پھر اپنے رب کے انعام کا ذکر کرو جب کہ تم ان کے اوپر جم کر بیٹھ جاؤ''

﴿وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۙ‏﴾ ''اور تم کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ان (سواریوں) کو ہمارے بس میں کر دیا ہے‘ اور ہم تو انہیں قابو میں لانے والے نہیں تھے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ‏﴾ ''اور یقیناً ہم اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

آیات ۱۵ تا ۲۵

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا‌ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَـكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ ع ۱۵
وَّاَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ‏ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا

وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ؕ
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ
بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۸

آیت ۱۵ ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ﴾ ”اور انہوں نے اُس کے بندوں میں سے اُس کا ایک جزو ٹھہرایا۔“

یعنی اُس کے بعض بندوں کو اُس کی اولاد قرار دے دیا۔ انسان کی اولاد دراصل اس کا جزو ہی ہوتا ہے۔ باپ کے جسم سے ایک سیل (spermatozone) نکل کر ماں کے جسم کے سیل (ovum) سے ملتا ہے اور ان دو cells کے ملاپ سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے —— cells ماں اور باپ کے اپنے اپنے جسموں کے جزو ہی ہوتے ہیں۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾﴾ ”یقیناً انسان بہت کھلا ناشکرا ہے۔“

آیت ۱۶ ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾﴾ ”کیا اُس نے بنا لی ہیں اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں اور تمہیں پسند کر لیا ہے بیٹوں کے ساتھ!“

یہ مضمون بہت تکرار کے ساتھ قرآن میں آیا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا﴾ ”اور جب ان میں سے کسی کو اُس کی بشارت دی جاتی ہے جس کی مثال وہ رحمان کے لیے بیان کرتا ہے“

وہ بڑی بے شرمی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہیں، لیکن جب خود ان میں سے کسی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے:

﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾﴾ ”تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم کے گھونٹ پی رہا ہوتا ہے۔“

آیت ۱۸ ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾﴾ ”کیا وہ جو پرورش پاتی ہے زیور میں اور بحث میں اپنا موقف واضح نہیں کر سکتی!“

بچیاں پیدائشی طور پر نازک ہوتی ہیں' وہ بچپن سے ہی کھلونوں اور گڑیوں کے ساتھ کھیلتی ہیں اور زیورات میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ بحث وتکرار کے موقع پر اپنا مدّعا بھی واضح انداز میں بیان نہیں کرسکتیں۔ اس کے برعکس لڑکے بچپن سے ہی نسبتاً مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ وہ فطری طور پر ہتھیاروں کے کھلونوں سے کھیلنا اور مارشل گیمز میں حصہ لینا پسند کرتے ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ﴾ ''اور انہوں نے فرشتوں کو' جو کہ رحمان کے مقرب بندے ہیں (اس کی) بیٹیاں قرار دے دیا ہے۔''

﴿اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ⑲﴾ ''کیا یہ لوگ موجود تھے ان کی تخلیق کے وقت؟ ان کی یہ گواہی (کہ فرشتے مؤنث ہیں) لکھ لی جائے گی اور پھر ان سے باز پرس ہو گی۔''

آیت ۲۰ ﴿وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی بندگی نہ کرتے۔''

﴿مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ⑳﴾ ''ان کے پاس اس کے لیے کوئی علمی سند نہیں ہے' وہ تو محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔''

آیت ۲۱ ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ㉑﴾ ''کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جسے وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟''

کیا ان لوگوں کے پاس ہماری نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس سے یہ اپنی اس ملائکہ پرستی کے لیے دلیل پکڑتے ہوں؟ یا ان کے معبودانِ باطل لات' منات' عُزّٰی اور ہُبل میں سے کسی نے ان پر کوئی کتاب یا صحیفہ نازل کر رکھا ہے؟ سورۂ ماقبل (الشوریٰ) کی آیت ۲۱ میں بھی اس سے ملتا جلتا سوال کیا گیا ہے: ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾ ''کیا ان کے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں کچھ ایسا طے کر دیا ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟''

آیت ۲۲ ﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ㉒﴾ ''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے آباء واجداد کو پایا ایک راستے پر اور اب ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر ہدایت یافتہ ہیں۔''

آیت ۲۳ ﴿وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کسی خبردار کرنے والے کو مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا''

﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ㉓﴾ ''کہ ہم نے پایا ہے اپنے آباء واجداد کو ایک راستے پر اور اب ہم ان ہی کے نقشِ قدم کی اقتدا کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۴ ﴿قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ﴾ ''اُس (خبردار کرنے والے)

نے کہا کہ خواہ میں لایا ہوں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی چیز اُس کے مقابلے میں جس پر تم نے اپنے آباء واَجداد کو پایا!''

ہر قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اُس نے اپنی قوم سے سوال کیا کہ خواہ میں تمہیں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے جب بھی تم انہی کے نقش قدم کی پیروی کرو گے اور اُسی ڈگر پر چلتے جاؤ گے؟

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۲۴﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے جس کے ساتھ آپ بھیجے گئے ہیں' منکر ہیں۔''

یوں ہر قوم کے لوگ پوری ڈھٹائی کے ساتھ سینہ تان کر اپنے نبیؑ کا انکار کرتے رہے۔

آیت ۲۵ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۲۵﴾ ''تو ہم نے اُن سے انتقام لیا' تو دیکھ لو پھر کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

آیات ۲۶ تا ۳۵

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ
سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَاۗءِ
وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ
يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝
وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـــــُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۭ
وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ع

آیت ۲۶ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا اپنے والد اور اپنی قوم سے کہ یقیناً میں بیزار ہوں ان سے جنہیں تم پوجتے ہو۔''

آیت ۲۷ ﴿اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝۲۷﴾ ''سوائے اُس ہستی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو یقیناً وہی مجھے راستہ دکھائے گا۔''

آیت ۲۸ ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸﴾ ''اور اُس نے اسی بات کو باقی رکھا

اپنے پیچھے (اپنی اولاد میں) بھی تا کہ وہ (اللہ ہی کی جناب میں) رجوع کیے رہیں۔‘‘

یہی بات سورۃ البقرۃ میں یوں بیان ہوئی ہے: ﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ’’اور اسی کی وصیت کی تھی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے بھی، کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان!‘‘

آیت ۲۹ ﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾﴾ ’’لیکن میں نے ان لوگوں کو اور ان کے آباء واَجداد کو کچھ ساز وسامان دے دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس آ گیا حق اور ایک واضح کر دینے والا رسول۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿وَلَمَّا جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’اور جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور کہنے لگے کہ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی عظیم شخص پر؟‘‘

یہاں اصل مرکب توصیفی ’’رَجُلٍ عَظِيْمٍ‘‘ ہے، لیکن ان دو الفاظ کے درمیان ’’مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ‘‘ آ جانے سے ’’رجل‘‘ کی صفت (عظیم) آخر پر چلی گئی ہے۔ قرآن کے اسلوب کے مطابق الفاظ کی یہ تقدیم وتاخیر مخصوص صوتی آہنگ کے باعث ہوتی ہے جس کی مثالیں قرآن میں جابجا ملتی ہیں۔

مکہ اور طائف نزولِ قرآن کے زمانے میں (پاکستان کے راولپنڈی اور اسلام آباد کی طرح) جڑواں شہر (twin cities) سمجھے جاتے تھے۔ دونوں شہروں کے لوگوں کے آپس میں گہرے مراسم تھے۔ مکہ کے اکثر سرداروں کی طائف میں بڑی بڑی جائیدادیں تھیں۔ ان میں ولید بن مغیرہ کا ذکر روایات میں خاص طور پر آتا ہے کہ طائف میں اس کے بہت سے باغات اور مکانات تھے۔ مذکورہ جملہ دراصل اس پس منظر میں کسا گیا تھا کہ ان دونوں شہروں کی بڑی شخصیات کو چھوڑ کر اللہ کو رسول بنانے اور اس پر اپنی کتاب نازل کرنے کے لیے آخر قریش کا ایک یتیم ہی کیوں پسند آیا ہے!

آیت ۳۲ ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ﴾ ’’کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟‘‘

نبوت اور وحی اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہماری اس رحمت کا حقدار کون ہے اور ہم یہ فیصلہ اپنی مشیت وحکمت کے مطابق کرتے ہیں کہ اس بلند مرتبے پر کسے فائز ہونا ہے۔ چنانچہ ہم نے خود اس منصب کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب فرمایا ہے اور آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ ہمارے اس فیصلے پر اعتراض کرنے کا حق انہیں کس نے دیا ہے؟

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کا سامان دُنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے‘‘

﴿وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ''اور ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے درجات میں فوقیت دے دی ہے''

کسی کو کھاتے پیتے والدین کے گھر پیدا کر کے پیدائشی طور پر خوشحال بنا دیا ہے تو کسی کو اس حال میں رکھا ہے کہ اسے دن بھر مشقت کر کے بھی دو وقت کا کھانا میسر نہیں ہوتا۔

﴿لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا﴾ ''تا کہ بعض لوگ دوسروں کو خدمت گار بنا سکیں۔''

اگر وہ سب کو ایک جیسا بنا دیتا تو کوئی کسی کی ملازمت کیوں کرتا؟ اور مختلف کام کرنے والے مزدور کہاں سے ملتے؟ بہرحال اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی اسی درجہ بندی کی بدولت دنیا میں ہر قسم کا کام کرنے والے پیشہ ور لوگ دستیاب ہیں اور اسی وجہ سے یہ کارخانۂ تمدن چل رہا ہے۔

﴿وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۝۳۲﴾ ''اور آپ کے رب کی رحمت کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔''

سورۂ یونس میں بالکل یہی الفاظ قرآن مجید کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۵۷ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۝۵۸﴾

''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہل ایمان کے حق میں ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے۔ تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں۔ وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی اُمت بن جائیں گے''

یعنی اگر تمام لوگوں کے کافر اور منکر ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا:

﴿لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ۝۳۳﴾ ''تو جو لوگ رحمٰن کا کفر کرتے ہم ان کے لیے بنا دیتے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے۔''

آیت ۳۴ ﴿وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ۝۳۴﴾ ''اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی (چاندی کے ہوتے) جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَزُخۡرُفًا ؕ﴾ ''اور سونے کی بھی (بنا دیتے)۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی ان چیزوں کی سرے سے کوئی وقعت ہے ہی نہیں۔ اس حوالے سے یہ

حدیث نبویؐ قبل ازیں متعدد بار دہرائی جا چکی ہے کہ اگر دنیا و مافیہا کی وقعت اللہ کی نگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی دولت اور زیب و زینت کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں' اس لیے وہ تو اپنے سرکش اور نافرمان انسانوں کو بھی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔

﴿وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط﴾ ''اور یہ سب کچھ تو بس دنیا کی زندگی کا سازوسامان ہے۔''

کسی کا محل سونے کا ہو یا چاندی کا' وہ اسے اپنے ساتھ قبر میں تو نہیں لے جا سکتا۔ دنیا کا سازوسامان جو کچھ بھی ہو' جتنا کچھ بھی ہو یہیں اسی دنیا میں چھوڑ کر انسان آخرت کو سدھار جائے گا۔

﴿وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور آخرت (کی کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک صرف اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔''

آیات ۳۶ تا ۴۵

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ
عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ
الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا
نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾
فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ
وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ
اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۰

آیت ۳۶ ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو کوئی منہ پھیر لے رحمان کے ذکر سے' اس پر ہم ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں' تو وہ اس کا ساتھی بنا رہتا ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''اور وہ (شیاطین) ان کو روکتے ہیں سیدھے راستے سے' اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی منصوبہ بندی بڑی کامیاب ہے' کاروبار خوب جم رہا ہے' دولت تیزی سے بڑھ رہی ہے' پہلے ایک فیکٹری تھی' پھر دو ہوئیں اور اب تین ہو گئی ہیں۔ وہ اپنی انہیں کامیابیوں پر نازاں و فرحاں مسلسل دنیا سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں۔

آیت ۳۸ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾﴾

"یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا‘ تُو تو بہت ہی برا ساتھی ہے!"

آیت ۳۹ ﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾﴾ "اور جب کہ تم ظلم کرتے رہے ہو تو آج کے دن یہ بات تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔"

اپنے ظلم کے نتیجے میں تم اور تمہارے شیطان ساتھی جہنم کا عذاب اکٹھے بھگتو گے‘ مگر ان شیاطین کا عذاب میں تمہارے ساتھ شریک ہونا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس سے تمہارے اپنے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

آیت ۴۰ ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾﴾ "تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے‘ اور ان کو جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں!"

آیت ۴۱ ﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾﴾ "تو اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں‘ تب بھی ان سے تو ہم انتقام لے کر ہی رہیں گے۔"

اگر ہم آپ کو اپنے پاس بلا لیں تب بھی انہیں تو ان کے جرائم کی سزا مل کر ہی رہے گی۔

آیت ۴۲ ﴿اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾﴾ "یا (یہ بھی ہو سکتا ہے کہ) ہم آپ کو دکھا دیں وہ کچھ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے‘ ہمیں یقیناً ان پر پوری قدرت حاصل ہے۔"

ہم چاہیں تو آپؐ کی زندگی میں ہی ان پر فیصلہ کن عذاب لے آئیں اور چاہیں تو آپؐ کے بعد ان پر گرفت کریں۔

آیت ۴۳ ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾﴾ "تو (اے نبی ﷺ!) آپ مضبوطی سے تھام لیجیے اس کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے‘ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔"

اسی فعل سے اسم الفاعل (مُسْتَمْسِكُوْنَ) اس سے قبل آیت ۲۱ میں مشرکین کے حوالے سے آ چکا ہے کہ کیا ان کے پاس اللہ کی دی ہوئی کوئی کتاب ہے جس کو وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟ پھر یہی لفظ نبی اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ))(۱) "میں آپ لوگوں کے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں‘ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے‘ اور وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت۔"

آیت ۴۴ ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ "اور یہ (قرآن) آپ کے لیے بھی یاد دہانی ہے اور آپ کی قوم کے لیے بھی‘ اور عنقریب آپ سب سے پوچھ گچھ ہوگی۔"

یہ قرآن گویا آپ کا وظیفہ ہے۔ آپؐ اسے ہمیشہ پڑھتے رہیے اور آپؐ کی قوم کی ہدایت و فلاح بھی اسی میں ہے۔

آیت ۴۵ ﴿وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ "اور آپ پوچھ لیجیے ان سے جن کو ہم نے آپ

---

(۱) رواه مالك بن انس مرسلاً فی الموطأ۔ بحوالہ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب الایمان‘ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

سے پہلے بھیجا تھا اپنے رسولوں میں سے“

یعنی عالمِ اَرواح میں تو آپ ﷺ کی ملاقات تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے رہی تھی۔ معراج کے موقع پر بھی بیت المقدس میں آپؐ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرائی تھی۔ آپ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیجیے۔

﴿اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵﴾ ”کیا ہم نے رحمان کے سوا کوئی اور بھی ایسے معبود بنائے ہیں کہ جن کی پوجا کی جائے؟“

آپ جس سے بھی پوچھیں گے ایسی کوئی گواہی آپ کو نہیں ملے گی اور نہ ہی کسی نبی کی تعلیمات سے ایسی کسی بات کا کہیں سراغ ملے گا۔

آیات ۴۶ تا ۵۶

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَلَمَّا
جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ
وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ
فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ۝ؕ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۝ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ
اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا
وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ۧ

آیت ۴۶ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ﴾ ”اور ہم نے بھیجا تھا موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف“

ان سے مراد وہ ابتدائی نشانیاں ہیں جنہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں گئے تھے‘ یعنی عصا اور یدِ بیضا۔

﴿فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۶﴾ ”تو اُس نے کہا کہ (دیکھو) میں تمام جہانوں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔“

آیت ۴۷ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝۴۷﴾ ”تو جب وہ آیا ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو وہ ان (نشانیوں) پر ہنسنے لگے۔“

آیت ۴۸ ﴿وَمَا نُرِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ اِلَّا ہِیَ اَکۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِہَا ۫﴾ ''اور نہیں دکھاتے تھے ہم انہیں کوئی نشانی مگر وہ اپنی بہن (اپنے جیسی پہلی نشانی) سے زیادہ بڑی ہوتی تھی''

یعنی ہم ان کو ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں دکھاتے رہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی مزید سات نشانیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں ایک بہت بڑی نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ تھا‘ جس میں شکست کھا کر وہ ایمان لے آئے۔ مزید برآں مصر میں شدید قحط‘ ہولناک طوفانِ بادوباراں‘ ٹڈی دل کا خوفناک حملہ‘ چیچڑیوں اور کھٹملوں کی بہتات‘ مینڈکوں کا اُمڈا ہوا سیلاب‘ کنوؤں اور چشموں کے پانی کا خون میں تبدیل ہو جانا‘ ایسی نشانیاں تھیں جن کا ظہور یکے بعد دیگرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیشگی اعلان کے بعد ہوتا اور آنے والی آفت اُس وقت تک نہ ٹلتی جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے ٹالنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرتے۔ ان نشانیوں کا ذکر سورۃ الاعراف کے سولھویں رکوع میں ہوا ہے۔

﴿وَاَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''اور ہم انہیں پکڑتے رہے اس عذاب کے ذریعے‘ شاید کہ وہ باز آجائیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اصول اور قانون ہے کہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے بڑے عذاب سے پہلے ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے ہیں۔ اس اصول کا ذکر سورۃ السجدۃ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿وَلَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور ہم لازماً چکھائیں گے انہیں مزہ چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے‘ شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں''۔ نوٹ کیجیے ان دونوں آیات کے اختتامی الفاظ ایک سے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّہَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَہِدَ عِنۡدَکَ ۚ﴾ ''اور (ہر عذاب کے موقع پر) وہ کہتے: اے جادوگر! تم اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو اُس عہد کی بنا پر جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔''

سورۃ الاعراف میں یہ واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جب وہ لوگ ایک عذاب سے تنگ آجاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ہماری یہ تکلیف دور ہوگئی تو:

﴿اِنَّنَا لَمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''ہم ضرور ہدایت پر آجائیں گے۔''

سورۃ الاعراف میں ان کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿لَئِنۡ کَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَکَ وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔''

آیت ۵۰ ﴿فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡہُمُ الۡعَذَابَ اِذَا ہُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''پھر جب ہم دُور کر دیتے تھے ان سے وہ عذاب تو اُسی وقت وہ وعدے سے پھر جاتے تھے۔''

آیت ۵۱ ﴿وَنَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِہٖ﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم میں ڈھنڈورا پٹوا دیا''

﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ﴾ ''اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟''

نوٹ کیجیے! یہ سیاسی شرک کی بدترین قسم ہے۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے' اس کے علاوہ جو کوئی بھی حاکمیت کا مدعی ہو' چاہے وہ ایک فرد ہو' ایک قوم ہو یا پوری نسل انسانی' وہ اللہ کے ساتھ برابری کا دعویدار ہے۔ اور فرعون نے خدائی کا دعویٰ اسی مدعیت کے ساتھ اور اسی مفہوم میں کیا تھا' ورنہ وہ زمین و آسمان کے خالق ہونے کا دعویدار تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ جس طرح تمام انسان پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اسی طرح پیدا ہوا ہے اور سب کی نظروں کے سامنے پلا بڑھا ہے۔ چنانچہ اس کے خدائی کے دعوے کی اصل حقیقت یہی تھی کہ وہ حاکمیتِ مطلق کا دعویدار تھا' جو کہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔

Divine Rights of the Kings کا ذکر آپ کو اہل یورپ کی تاریخ میں بھی ملے گا۔ ان کے ہاں بھی قدیم زمانے سے یہ تصور چلا آ رہا ہے کہ بادشاہوں کو خدائی اختیارات حاصل ہیں' ان کا اختیار مطلق ہے' وہ final legislative authority ہیں۔ ان کی مرضی ہے وہ جو چاہیں قانون بنا دیں۔ جبکہ یہ سوچ اور یہ دعویٰ بدترین شرک ہے' جسے اہلِ یورپ نے دورِ حاضر میں جمہوریت کے نام سے عوام الناس میں تقسیم کر دیا ہے۔ چنانچہ جو گندگی کسی زمانے میں فرعون یا نمرود کے سر پرٹنوں کے حساب سے لدی ہوتی تھی اسے انہوں نے تولوں اور ماشوں میں تقسیم کر کے اپنے ہر شہری کی جیب میں ڈال دیا ہے' کہ یہ لو ووٹ کی اس پرچی کے بل پر اب تم میں سے ہر ایک حکومت میں حصہ دار ہے۔ اب تم اپنی اکثریت کے ذریعے جو قانون چاہو بنا لو۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں اس شیطانی فریب کو خوب بے نقاب کیا ہے۔ ابلیس کا ایک مشیر (اقبالؔ کے الفاظ میں) دوسرے مشیر سے کہتا ہے: ؎

خیر ہے سلطانئ جمہور کا غوغا کہ شر؟ تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

کہ اب دنیا میں سلطانئ جمہور (عوام کی حکمرانی) کے نام پر جو شور و غوغا اٹھا ہے وہ ابلیسی نظام کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ اور خطرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہمارے سب ہتھکنڈوں کا توڑ ڈھونڈنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اگر انسانوں کا بنایا ہوا عوامی حاکمیت کا یہ سکہ دنیا میں چل گیا تو ہمارا کاروبار تو ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی اس بات پر دوسرا مشیر کہتا ہے: ؎

ہوں' مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر!

کہ میں اس ''فتنے'' کی اصلیت سے خوب باخبر ہوں' بہرحال تشویش کی کوئی بات نہیں۔ یہ جمہوریت بھی ملوکیت ہی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے: ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر!

اصل میں جب ہم نے دیکھا کہ انسان اپنے ''بنیادی حقوق'' کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہوتا چلا جا رہا ہے تو ہم نے ''شاہی'' کو ''جمہوری'' لباس پہنا کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا ہے کہ لو بھئی اب تو تمہارا عام شخص بھی

حاکم بن گیا ہے' اب تو ہر شہری کو شاہی اختیار میں سے برابر کا حصہ مل گیا ہے۔ لہٰذا سلطانیٔ جمہور کا یہ شوشہ ہماری ''ابلیسیت'' کے لیے کوئی خطرہ نہیں بلکہ ہمارا اپنا ہی تیار کردہ منصوبہ ہے۔

ملوکیت اور جمہوریت کی حقیقت کو اس مثال سے سمجھنا چاہیے کہ گندگی تو گندگی ہی ہے چاہے ٹنوں کے حساب سے کسی ایک شخص کے سر پر لاد دی جائے یا ایک کروڑ انسانوں میں تولہ تولہ ماشہ ماشہ تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ فرعون کو اسی ''خدائی'' کا دعویٰ تھا اور اس نے اپنی ''خدائی'' کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے اعلان کیا کہ لوگو! دیکھو کیا مصر کی حکومت میرے قبضے میں نہیں ہے؟

﴿وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ﴾ ''اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟''

اس فقرے کا مفہوم ہمارے ہاں عام طور پر یوں سمجھ لیا جاتا ہے جیسے فرعون نے اپنے محل کے نیچے بہنے والے دریا کا ذکر کیا تھا' جبکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ملک کے اندر آب پاشی کا پورا نظام جس پر تمہاری معیشت کا انحصار ہے' میرے حکم کے تابع ہے۔ میں جسے چاہوں اور جس قدر چاہوں پانی مہیا کروں۔ جس کو چاہوں کم پانی دوں' جس کو چاہوں زیادہ دوں اور جسے چاہوں پانی سے محروم کر دوں' مجھے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''تو کیا تم دیکھتے نہیں؟''

آیت ۵۲ ﴿اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۥ﴾ ''کیا میں بہتر نہیں ہوں اس سے جو ایک بے عزت آدمی ہے؟''

میں مصر کی حکومت اور اس کے معاشی وسائل کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہوں۔ کیا یہ موسیٰ میرا مقابلہ کر سکتا ہے جو محض ہماری محکوم قوم کا ایک فرد ہے!

﴿وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا!''

یہ خطابت پر بھی قادر نہیں ہے اور اپنا مدعا واضح طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

آیت ۵۳ ﴿فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ﴾ ''تو کیوں نہیں اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن؟''

اگر یہ واقعی اللہ کا فرستادہ ہے تو اللہ نے اسے سونے کے کنگن کیوں نہ مہیا کیے کہ ایک بادشاہ کے مقابلے میں جا رہا ہے' کم از کم یہ سونے کے کنگن ہی پہنتے جاؤ۔

﴿اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''یا اس کے ساتھ فرشتے چلے آ رہے ہوتے صفیں باندھے ہوئے!''

آیت ۵۴ ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ﴾ ''تو (اس طرح) اُس نے اپنی قوم کی مت مار دی اور انہوں نے اُسی کا کہنا مانا۔''

یہاں پر لفظ اِسْتَخَفَّ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ان کو بالکل ہی خفیف اور ہلکا سمجھا۔ مراد یہ ہے کہ اُس نے اُن کی عقل ہی گنوا دی' ان کو بے وقوف بنا لیا۔ اسی طرح آج کے سیاسی شعبدہ باز (demagogs) اپنے عوام کو نت نئے طریقوں سے بے وقوف بناتے ہیں۔ کوئی ان کے سامنے

روٹی کپڑا اور مکان کی ڈگڈگی بجاتا ہے تو کوئی اس مقصد کے لیے کسی دوسرے نعرے کا سہارا لیتا ہے۔ بقول اقبال ابلیس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ میں جب چاہوں ہر قسم کے انسانوں کو بے وقوف بنا سکتا ہوں: ؎

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ھُو!

چنانچہ جب ابلیس یا ابلیس کا کوئی چیلہ عوام الناس کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اندھوں کی طرح اپنے ''محبوب لیڈر'' کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ پھر نہ تو وہ سامنے کے حقائق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی کسی علمی و عقلی دلیل کو لائق توجہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بھی اپنے اقتدار کے رعب و داب کی ڈگڈگی بجا کر اپنی قوم کو ایسا متاثر کیا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے ہو لیے۔ یہاں فَاَطَاعُوْهُ کے لفظ میں ان کے اسی رویے کی عکاسی کی گئی ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ خود بھی نافرمان ہی تھے۔''

آیت ۵۵ ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''تو جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔''

آیت ۵۶ ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''چنانچہ ہم نے انہیں بنا دیا ماضی کی داستان اور بعد والوں کے لیے ایک نشانِ عبرت۔''

آیات ۵۷ تا ۶۵

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا
ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ
مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

آیت ۵۷ ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور جب (قرآن میں) ابنِ مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے تو اس پر آپ کی قوم چلّانے لگتی ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشرکینِ مکہ کی چیخ و پکار ایک تو سورۃ الانبیاء کی اس آیت کے حوالے سے تھی:

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸﴾ ''یقیناً تم لوگ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اس میں پہنچ کر رہنا ہے''۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ کے سوا جتنے معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اگر وہ سب جہنم کا ایندھن بنیں گے تو پھر عیسیٰ ؑ بھی تو ان ہی میں شامل ہوں گے' کیونکہ انہیں بھی تو دُنیا میں پوجا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مقابلے میں اگر فرشتوں' اللہ کے مقرب بندوں' جنات اور بُتوں وغیرہ کی پرستش کی گئی ہے تو جہنم میں جھونکے جانے کا مصداق ملائکہ' انبیاء اور اولیاء اللہ تو نہیں ٹھہرتے۔ ظاہر ہے جو باطل ہوگا وہی جہنم میں جھونکا جائے گا۔ البتہ مشرکینِ مکہ اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر شدت کے ساتھ چیخنا چلانا شروع کر دیتے تھے۔

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشرکین مکہ کے مخصوص ردِعمل کا باعث ان کا حضور ﷺ کے بارے میں یہ موقف بھی تھا کہ آپؐ حضرت عیسیٰ ؑ کی تعریف و توصیف کے پردے میں نصرانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جس طرح ہم لات وعُزّیٰ وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ ؑ کو پوجتے ہیں۔ تو ایسا کیوں ہے کہ عیسائیوں کے معبود کی تو آپؐ تعریف کرتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی مذمت؟ اس وجہ سے وہ لوگ حضور ﷺ پر عیسائیت کو قبول کر لینے اور عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے الزامات لگاتے تھے۔ بلکہ جب مکہ میں مسلمانوں نے نماز پڑھنا شروع کی تو مشرکینِ مکہ نے حضور ﷺ اور مسلمانوں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ یہ لوگ ''صابی'' ہو گئے ہیں۔ صابی لوگ عراق میں آباد تھے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے پیروکاروں کی نسل میں سے تھے۔ اگرچہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل دین کو تو بگاڑ دیا تھا لیکن ''نماز'' کسی نہ کسی شکل میں ان کے ہاں موجود تھی۔ چنانچہ نماز کی اس مشابہت کے باعث مشرکین مکہ نے حضور ﷺ پر صابی ہونے کا الزام بھی لگایا تھا۔ بہرحال مذکورہ دو وجوہات کی بنا پر مشرکین مکہ حضرت عیسیٰ ؑ کے ذکر پر شدید ردِعمل کا اظہار کرتے تھے۔

آیت ۵۸ ﴿وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟''

﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸﴾ ''یہ باتیں وہ آپ سے نہیں کرتے مگر صرف جھگڑنے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ''۔

آیت ۵۹ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۵۹﴾ ''وہ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے خاص انعام فرمایا اور ہم نے اس کو ایک نشانی بنا دیا بنی اسرائیل کے لیے''۔

بنی اسرائیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں تھیں۔ آپؑ بن باپ کے پیدا ہوئے اور اپنی پیدائش کے فوراً بعد پنگھوڑے میں ہی آپؑ نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ آپ کو خلقِ حیات اور احیاءِ موتیٰ سمیت اور بھی بہت سے معجزات عطا ہوئے تھے۔

آیت ۶۰ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝۶۰﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے بنا دیں جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں''۔

آیت ۶۱ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ ''اور یقیناً وہ قیامت کی ایک علامت ہے''

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ورودِ اوّل میں بنی اسرائیل کے لیے نشانی یعنی مجسّم معجزہ تھے' جبکہ اپنے ورودِ ثانی میں آپؑ کا نزول قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور قربِ قیامت کے زمانے کی کیفیت احادیث میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔

﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱﴾ ''تو اس (قیامت) کے بارے میں تم ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۲﴾ ''اور (دیکھو) شیطان تمہیں روک نہ دے' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اس صراطِ مستقیم کی پیروی سے روک دے جس کی طرف میں بلا رہا ہوں۔ یہ مت بھولو کہ شیطان اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے والوں کا کھلا دشمن ہے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے آزماتا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ﴾ ''اور جب آئے عیسیٰؑ واضح نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں''

یہاں پر ''حکمت'' کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس حوالے سے قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ انجیل میں ''کتاب'' (شریعت) نہیں تھی' صرف حکمت تھی' جبکہ تورات ''کتاب'' پر مشتمل تھی۔ اس میں احکامِ شریعت تو تھے' حکمت نہیں تھی۔ دراصل نزولِ تورات کے زمانے میں نسلِ انسانی کا اجتماعی شعور ابھی اس قابل نہیں ہوا تھا کہ انہیں حکمت کی تلقین کی جاتی۔ اس لیے اس میں صرف احکام (commandments) دے دیے گئے تھے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو۔ یعنی صرف اوامر ونواہی (do's and don'ts) کا ذکر کیا گیا تھا۔ حکمت کے لیے بعد میں انجیل آئی۔ البتہ قرآن میں کتاب (شریعت) بھی ہے اور حکمت بھی ہے۔ یعنی آخری کتاب ہونے کے حوالے سے یہ ما سبق تمام کتابوں کی جامع ہے۔

﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۶۳﴾ ''اور تاکہ میں واضح کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو' پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۶۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۴﴾ ''یقیناً اللہ ہی ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے' پس تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ﴾ ''پھر ان میں سے کئی گروہ باہم اختلافات میں مبتلا ہو گئے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو بڑے گروہوں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہودی

آپؐ کی مخالفت میں اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے آپؐ کو جادوگر، مرتد اور ولد الزنا (نقل کفر کفر نباشد) قرار دے دیا۔ ان کے مقابلے میں عیسائیوں نے دوسری انتہا پر جا کر آپؑ کو (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا بنا دیا اور آپؑ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی گھڑ لیا کہ آپؑ اپنے نام لیواؤں کی طرف سے خود سولی پر چڑھ گئے ہیں اور یوں آپؑ کی یہ ''قربانی'' آپؑ کے ہر ماننے والے کے گناہوں کا کفارہ بن گئی ہے۔ بہرحال یہ دونوں رویے انتہائی غلط ہیں۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾﴾ ''پس تباہی اور بربادی ہے ان ظالموں کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔''

آیات ۶۶ تا ۸۹

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ ع ٦ ١١ ١٢
اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ
مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ
مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ
اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا
لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ
الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ
السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ
بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ۙ وَقِيْلِهٖ
يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ۘ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ ع ٧ ٢٢ ١٣

آیت ۶۶ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ''یہ لوگ کس چیز کا

انتظار کر رہے ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر بھی نہ ہو!''

آیت ۶۷ ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾ ''بہت گہرے دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے' سوائے متقین کے۔''

دنیا کی تمام دوستیاں اُس دن دشمنیوں میں بدل جائیں گی' سوائے مؤمنینِ صادقین کی باہمی دوستیوں کے۔

آیت ۶۸ ﴿یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ ''(اُن سے کہا جائے گا:) اے میرے بندو! آج تم پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم رنجیدہ ہو گے۔''

آیت ۶۹ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ﴾ ''یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے۔''

آیت ۷۰ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ﴾ ''داخل ہو جاؤ جنت میں تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی' تمہارا اعزاز و اکرام کیا جائے گا۔''

آیت ۷۱ ﴿یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ﴾ ''گردش کرائے جائیں گے ان پر سونے کی طشتریاں اور پیالے۔''

﴿وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''اور وہاں ہو گا وہ سب کچھ جس کی طلب ہو گی انسان کے نفس کو اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں گی' اور تم اب اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے۔''

جنت کے پھول' باغیچے' مناظر اور اہل جنت کی بیویاں غرض وہاں کی ہر چیز انتہائی حسین اور دلکش ہو گی۔

آیت ۷۲ ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اُن اعمال کی بنا پر جو تم کرتے تھے۔''

یعنی جنت میں تمہارا داخلہ اور اس کی تمام نعمتیں تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی قدر دانی اور قدر افزائی کا ایک شاہانہ انداز ہے جو قرآن میں جا بجا ملتا ہے۔ دوسری طرف بندوں کے اس اعتراف کا ذکر بھی قرآن میں تکرار کے ساتھ آیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں اہلِ جنت کا اعتراف سورۃ الاعراف میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (آیت:۴۳) ''اور وہ کہیں گے کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا' اور ہم خود سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔''

آیت ۷۳ ﴿لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ ''اس میں تمہارے لیے بکثرت پھل موجود ہیں جن میں سے تم کھاتے ہو۔''

آیت ۷۴ ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ ''(اس کے برعکس) جو مجرم ہوں گے وہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۷۵ ﴿لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ ''وہ ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں پڑے رہیں گے بالکل ناامید ہو کر۔''

انہیں جہنم سے چھٹکارا پانے کا کوئی امکان نظر نہیں آئے گا۔

آیت ۷۶ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

آیت ۷۷ ﴿وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾ ''اور وہ ندا کریں گے کہ اے مالک! اب تو آپ کا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے۔''

مالک سے یہاں مراد جہنم کا داروغہ ہے۔ اہلِ جہنم اسے مخاطب کر کے فریاد کریں گے کہ اب ہم سے عذاب کی سختی مزید نہیں جھیلی جاتی۔ آپ اپنے رب سے کہیں کہ وہ ہمیں موت دے کر ہمارا قصہ تمام کر دے۔

﴿قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ ''وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو اب ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے۔''

آیت ۷۸ ﴿لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ ''ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تمہاری اکثریت حق کو ناپسند کرتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے تمہارے پاس سچا دین اور سچی تعلیمات پہنچا دی تھیں، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے بیزار ہی رہے، جس کا نتیجہ آج تمہارے سامنے ہے۔

آیت ۷۹ ﴿اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ﴾ ''کیا انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے؟ تو ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کیے لیتے ہیں۔''

حق و باطل کی اس کشمکش میں مشرکینِ مکہ نے اگر حق کو نہ ماننے کا ہی فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ہم بھی ان کے بارے میں فیصلہ کر لیتے ہیں۔

آیت ۸۰ ﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ﴾ ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور رازدارانہ مشوروں کو سنتے نہیں ہیں!''

﴿بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ﴾ ''کیوں نہیں (ہم سب کچھ سن رہے ہیں) اور ہمارے ایلچی ان کے پاس ہی لکھ رہے ہوتے ہیں۔''

ہماری خفیہ ایجنسی کے کارندے ہر وقت چوکنا رہتے ہیں اور لمحہ بہ لمحہ ساری رپورٹ تیار کرتے ہیں۔

آیت ۸۱ ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہیے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا اس کی عبادت کرنے والا میں ہوتا۔''

کہ جب میں خدائے رحمان کو اپنا معبود مانتا ہوں اور اس کی پرستش کرتا ہوں‘ اگر واقعتاً اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی پرستش کرنے میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہ نفی کا بہت تیکھا انداز ہے۔ اس اسلوب کو ”تعلیق بالمحال“ کہا جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی ایسا ہونے کا کوئی امکان ہے‘ اس لیے اس کی اولاد کو پوجنے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ ”تعلیق بالمحال“ کا یہی اسلوب اس حدیث میں بھی پایا جاتا ہے: ((لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا)) (1) ”اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ صدیق نبی ہوتا۔“

ایک دفعہ ٹورنٹو (کینیڈا) میں ایک قادیانی نے میرے ساتھ بحث کے دوران نبوت کے تسلسل کو ثابت کرنے کے لیے اسی حدیث کا حوالہ دیا تھا۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے‘ جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے۔ اللہ کی مشیت کے مطابق ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں تھا‘ اس لیے نہ تو انہوں نے زندہ رہنا تھا اور نہ ہی نبوت کے سلسلے کو آگے چلنا تھا۔ بہر حال مذکورہ قادیانی نے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ختم نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے جواب میں دلیل کے طور پر اسی آیت کا حوالہ دیا تھا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۝﴾ کہ یہاں جو حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اگر رحمان کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ تو کیا حضور ﷺ کا اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کا کچھ بھی امکان تھا؟ اس پر اس نے تسلیم کیا کہ آپ کی یہ دلیل واقعتاً مضبوط ہے۔

آیت ۸۲ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۸۲﴾ ”پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب‘ عرش کا مالک‘ ان تمام چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔“

آیت ۸۳ ﴿فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کو چھوڑ دیجیے‘ یہ مین میخ نکالتے رہیں اور لہو ولعب میں پڑے رہیں“

﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝۸۳﴾ ”یہاں تک کہ یہ ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“

آیت ۸۴ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝۸۴﴾ ”اور وہی ہے جو آسمان میں بھی اِلٰہ ہے اور زمین میں بھی اِلٰہ ہے۔ اور وہ بہت حکمت والا‘ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

یعنی پوری کائنات میں ہر جگہ اُسی کا اقتدار ہے۔ بائبل میں عیسائیوں کی جو Lord's Prayer ہے اس کا مفہوم اس آیت کے بہت قریب ہے:

Thy Kingdom come
Thy will be done on Earth as it is in Heavens

---

(۱) صحيح الجامع الصغير للالباني‘ ح:۵۲۷۲۔ عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ۔

بیان القرآن

سُوۡرَۃُ الدُّخَان

(۴۴)

سُورَةُ الدُّخَان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱ تا ۱۶

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ
اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۴﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ﴿۵﴾ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ
الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ
وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی
السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۱۰﴾ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ
اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰی لَہُمُ الذِّکۡرٰی وَ قَدۡ جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۙ۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡہُ وَ قَالُوۡا
مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿ۘ۱۴﴾ اِنَّا کَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿ۘ۱۵﴾ یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَۃَ
الۡکُبۡرٰی ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ﴿۱﴾﴾ ”ح‘ م۔“

آیت ۲ ﴿وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾﴾ ”قسم ہے اس روشن کتاب کی۔“

جیسا کہ سورۃ الزخرف کے آغاز میں عرض کیا گیا‘ سورۃ الدخان کی سورۃ الزخرف کے ساتھ نسبتِ زوجیت ہے اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ دونوں سورتوں کی دو ابتدائی آیات مشترک ہیں اور ان کا اسلوب بھی ایک جیسا ہے۔ چنانچہ سورۃ الزخرف کی طرح یہاں اس آیت میں بھی قرآن کی قسم کا جوابِ قسم یا مقسم علیہ محذوف ہے۔ اس ضمن میں یہ وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے کہ ایسے مقامات پر مقسم علیہ گویا وہی حقیقت ہے جس کا ذکر سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں ہو چکا ہے: ﴿یٰسٓ ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾﴾۔ چنانچہ یہاں پر اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ کو مقدر (understood) مانتے ہوئے آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یوں ہو گا: ”اے محمد (ﷺ) یہ کتابِ مبین گواہ ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں“۔ گویا یہ روشن اور واضح کتاب‘ یہ قرآن آپؐ کی رسالت کا قطعی ثبوت ہے۔

آیت ۳ ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ﴾ ”یقیناً ہم نے اس کو نازل کیا ہے ایک مبارک رات میں“

یہ مضمون سورۃ القدر میں واضح تر انداز میں آیا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ①﴾ کہ ہم نے اسے ''لیلۃ القدر'' میں نازل فرمایا۔ چونکہ قرآن مجید میں عام طور پر اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ آئے ہیں اس لیے اس خاص رات کا ذکر بھی دو مرتبہ آیا ہے۔ وہاں ''لیلۃ القدر'' کے نام سے اور یہاں ''لیلۃ مبارکۃ'' کے نام سے۔

﴿اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③﴾ ''یقیناً ہم خبردار کر دینے والے ہیں۔''

رسالت اور انزالِ کتب کا اصل مقصد لوگوں کا انذار (خبردار کرنا' آگاہ کرنا) ہے۔ جیسے سورۃ المدثر میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ②﴾ ''اے چادر اوڑھنے والے! اٹھئے اور (لوگوں کو) خبردار کیجیے''۔ دنیا کی زندگی اصل زندگی نہیں ہے۔ یہ تو اصل ''کتابِ زندگی'' کے دیباچے کی مانند ہے۔ اصل زندگی تو موت کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے لوگوں کو خبردار (warn) کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسلؑ اور الہامی کتب کے ذریعے ہدایت کے ایک سلسلے کا اہتمام فرمایا تاکہ ان میں اصل اور ہمیشہ کی زندگی کو بہتر بنانے کا شعور پیدا ہو اور وہ اس کے لیے تیاری کر سکیں: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۶۴﴾ (العنکبوت) ''یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں' جبکہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!''

آیت ۴ ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④﴾ ''اس رات میں تمام پُرحکمت امور کے فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔''

اس سے پہلے ہم سورۃ السجدۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ تدبیرِ کائنات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی ایک ہزار سال کی ہوتی ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤﴾ ''وہ تدبیر کرتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی طرف' پھر وہ (امر) چڑھتا ہے اس کی طرف (یہ سارا معاملہ طے پاتا ہے) ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس ہے''۔ البتہ انسانی معاملات کے حوالے سے یہ رات (لیلہ مبارکہ) گویا اللہ تعالیٰ کی کائناتی سلطنت (Cosmic Empire) کے سالانہ بجٹ سیشن کا درجہ رکھتی ہے —— لفظ فرق کے لغوی معنی علیحدہ کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ یُفْرَقُ کا درست مفہوم یہ ہوگا کہ فیصلے جاری (issue) کر دیے جاتے ہیں۔ یعنی یہ وہ رات ہے جس میں تمام سال کے فیصلے طے کر کے تعمیل و تنفیذ (implementation) کے لیے ملائکہ کے حوالے کر دیے جاتے ہیں جو اس عظیم سلطنت کی ''سول سروس'' کا درجہ رکھتے ہیں۔ گزشتہ آیت کے مطابق یہ وہی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لوحِ محفوظ یا اُمّ الکتاب سے آسمانِ دنیا پر اتارا۔

آیت ۵ ﴿اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤﴾ ''طے شدہ احکام ہماری طرف سے۔ یقیناً ہم ہی ہیں (رسولوں کو) بھیجنے والے۔''

آیت ۶ ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑥﴾ ''رحمت کے طور پر آپ کے رب کی طرف سے۔ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا۔''

یہ تمام فیصلے یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ خاص طور پر قرآن کا نزول اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت تو نوعِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت کا مظہر ہے۔

آیت ۷ ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦﴾ ''آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان کے مابین ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو!''

یقیناً ساری کائنات کا پروردگار اور مالک اللہ ہی ہے۔ اس حقیقت کو مان لینا تو آسان ہے لیکن دل کی گہرائیوں میں اس کا یقین بٹھانا انسان کے لیے بہت مشکل ہے۔ انسان کا نفس اس سلسلے میں اسے قدم قدم پر دھوکہ دیتا ہے کہ فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز کا مالک میں ہوں۔ بہرحال ہمیں دل سے یقین کر لینا چاہیے کہ ہر چیز اللہ کی ہے اور وہی ہر شے کا مالک ہے: ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست　　　　در حقیقت مالکِ ہر شے خداست!

گویا ہر انسان کی جان، اس کا جسم، جسم کے اعضاء اور زیر استعمال اشیاء وغیرہ اس کے پاس چند روز کے لیے امانت ہیں۔ حقیقت میں ان سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ آخرت میں ان میں سے ایک ایک امانت کا حساب لیا جائے گا اور اس حساب کے دوران انسان کے اپنے اعضاء اپنے مالک حقیقی کے سامنے اس کے خلاف گواہیاں دیں گے۔

آیت ۸ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے۔''

﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧﴾ ''وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباء واَجداد کا بھی رب ہے۔''

آیت ۹ ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑨﴾ ''لیکن یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ جب اہلِ مکہ کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے تو ان میں سے اکثر لوگ اسے کلام اللہ ماننے کے بجائے اس کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے۔ پھر اسی بنا پر وہ حضور ﷺ کا مذاق بھی اڑاتے تھے کہ دیکھیں جی! یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔

آیت ۱۰ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩﴾ ''تو آپ انتظار کیجیے اُس دن کا جس دن آسمان لائے گا واضح دھواں۔''

اس آیت کے مفہوم کے بارے میں مفسّرین کے درمیان شدید اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی پایا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اور حسن بصریؒ جیسے اکابر کی رائے ہے کہ اس سے وہ دھواں مراد ہے جو قیامت سے پہلے نمودار ہوگا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے قیامت سے فوراً پہلے نمودار ہونے والی جن دس نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں دھویں (دخان) کا ذکر بھی ہے۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بڑی شدت کے ساتھ یہ رائے ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت کے ابتدائی سالوں میں مکہ میں جو قحط پڑا تھا اس آیت میں اس قحط کے بارے میں پیشگی خبردار کیا گیا ہے۔ صحرائی علاقوں میں

اگر طویل مدت تک بارش نہ ہو تو پوری فضا گرد سے اَٹ جاتی ہے اور آسمان کی طرف دیکھنے سے یوں لگتا ہے جیسے دھویں کے بادل چھا رہے ہیں۔ قحط کا یہ عذاب دراصل اسی قانونِ خداوندی کے تحت اہل مکّہ پر مسلّط ہوا تھا جس کا ذکر سورۃ الانعام میں اس طرح ہوا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾﴾ ''اور ہم نے بھیجا ہے (دوسری) امتوں کی طرف بھی آپؐ سے قبل (رسولوں کو)، پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے شاید کہ وہ عاجزی کریں''۔ تابعین میں سے مجاہد، قتادہ، ابراہیم نخعی وغیرہ حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ بہر حال میں نے یہاں جلیل القدر صحابہؓ کی آراء بیان کر دی ہیں۔ ان صحابہؓ کے عظیم مراتب کے پیش نظر ان آراء میں محاکمہ کرنا میرے نزدیک درست نہیں۔

آیت ۱۱ ﴿يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾﴾ ''وہ ڈھانپ لے گا لوگوں کو۔ یہ ایک دردناک عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۲ ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾﴾ ''(اُس وقت لوگ کہیں گے:) اے ہمارے رب! اس عذاب کو ہم سے دور کر دے، ہم ایمان لانے والے ہیں۔''

آیت ۱۳ ﴿اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾﴾ ''کہاں ہے ان کے لیے یاددہانی کی استعداد، جبکہ آ چکا ہے ان کے پاس ایک واضح کر دینے والا رسول!''

آیت ۱۴ ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾﴾ ''پھر انہوں نے منہ پھیر لیا اس کی طرف سے اور کہا کہ یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا مجنون ہے۔''

معاذ اللہ! نقلِ کفر کفر نباشد! وہ حضور ﷺ کے بارے میں ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ ان کو یہ باتیں کسی اور نے سکھائی ہیں اور کبھی کہتے کہ ان پر آسیب اور جنّات وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے اور ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ معاذ اللہ!

آیت ۱۵ ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾﴾ ''ہم دور کر دیں گے اس عذاب کو تھوڑی دیر کے لیے، تو تم لوٹ کر وہی کچھ کرو گے جو پہلے کر رہے تھے۔''

جیسے آلِ فرعون کے معاملے میں ہم سورۃ الاعراف کے چھٹے رکوع میں پڑھ چکے ہیں کہ ان پر پے در پے سات عذاب بھیجے گئے تھے۔ ہر مرتبہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے دعا کریں اور ہر بار وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ مگر جب عذاب ٹل جاتا تو وہ اپنے وعدے سے پھر جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اپنے مذکورہ موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر اس دھویں سے مراد قبل از قیامت کا دھواں ہوتا تو اس کے دور کیے جانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس لیے اس سے مراد اسی نوعیت کا عذاب ہے جو کسی رسول کی بعثت کے بعد لوگوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور جس کا مقصد اور اصول سورۃ السجدۃ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾﴾ ''اور ہم انہیں لازماً چکھائیں

گے قریب کے کچھ چھوٹے عذاب بڑے عذاب سے پہلے تا کہ یہ باز آ جائیں۔''

آیت ۱۶ ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯﴾ ''جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ (اُس دن) یقیناً ہم پورا پورا انتقام لیں گے۔''

آیات ۱۷ تا ۳۳

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۙ⑰ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ⑱ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ⑲ وَاِنِّيْ عُذْتُ
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۚ⑳ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ㉑ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ
مُّجْرِمُوْنَ ㉒ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ㉓ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ
مُّغْرَقُوْنَ ㉔ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ㉕ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ㉖ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا
فٰكِهِيْنَ ۙ㉗ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ㉘ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا
ع ۲۹/۱۴ كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۧ㉙ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ㉚ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ㉛ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۚ㉜ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ
الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗؤٌا مُّبِيْنٌ ㉝

آیت ۱۷ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ⑰﴾ ''اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو بھی' اور ان کے پاس بھی ایک بہت معزز رسول آیا تھا۔''

آیت ۱۸ ﴿اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ⑱﴾ ''(اس پیغام کے ساتھ) کہ تم اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک معزز اور امانت دار رسول ہوں اور تمہاری طرف اللہ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم بنی اسرائیل کو آزاد کر کے میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔

آیت ۱۹ ﴿وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑲﴾ ''اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں ایک واضح سند۔''

اگر تم لوگ میری مخالفت کرو گے تو یہ گویا اللہ کی مخالفت اور اس کے خلاف سرکشی ہو گی۔ اس لیے کہ میں اللہ کا نمائندہ ہوں اور اسی کے پیغامات تم تک پہنچا رہا ہوں۔

آیت ۲۰ ﴿وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ⑳﴾ ''اور میں نے پناہ پکڑ لی ہے اپنے اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔''

آیت ۲۱ ﴿وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور اگر تم لوگ میری بات نہیں مانتے ہو تو مجھ سے دور رہو!''

تمہاری سازشوں کے خلاف چونکہ میں نے اپنے رب کی پناہ حاصل کر لی ہے اس لیے اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو بھی میرے خلاف کوئی عملی اقدام کرنے سے باز رہنا۔

آیت ۲۲ ﴿فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنَّ ہٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''پھر اُس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم قوم ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

آیت ۲۳ ﴿فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''پس میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ' آگاہ رہو کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

آیت ۲۴ ﴿وَاتۡرُکِ الۡبَحۡرَ رَہۡوًا ؕ﴾ ''اور چھوڑ دینا سمندر کو ساکن!''

ہم سمندر کو پھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنا دیں گے' اس راستے سے گزر جانے کے بعد اسے اسی طرح ساکن چھوڑ دینا۔

﴿اِنَّہُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''یہ ایک لشکر ہیں جو غرق کیے جائیں گے۔''

فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کرے گا اور اُسی راستے سے گزرنے کی کوشش کرے گا' لیکن ہم اس کو غرق کر دیں گے۔

آیت ۲۵'۲۶ ﴿کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۲۶﴾﴾ ''انہوں نے کتنے ہی باغوں' چشموں' کھیتوں اور شاندار رہائش گاہوں کو چھوڑا۔''

آیت ۲۷ ﴿وَّ نَعۡمَۃٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فٰکِہِیۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور کیسی کیسی نعمتوں کو جن میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔''

آیت ۲۸ ﴿کَذٰلِکَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''یوں ہی ہوا' اور ہم نے وارث بنا دیا ان چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔''

آیت ۲۹ ﴿فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡہِمُ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَا کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''تو نہ اُن پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت دی گئی۔''

آیت ۳۰ ﴿وَ لَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ ﴿۳۰﴾﴾ ''اور ہم نے نجات دے دی بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے۔''

آیت ۳۱ ﴿مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''یعنی فرعون سے' یقیناً وہ بڑا ہی سرکش' حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔''

ایک طرف تو وہ معصیت کے ارتکاب میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور دوسری طرف اس کی سرشت میں سرکشی بھی بہت تھی۔

آیت ۳۲ ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور ہم نے علم رکھنے کے باوجود اُن (بنی اسرائیل) کو اقوامِ عالم پر ترجیح دی تھی۔''

بنی اسرائیل کی تمام خرابیاں اور کوتاہیاں ہمارے علم میں تھیں۔اس کے باوجود ہم نے دنیا کی تمام اقوام پر انہیں فضیلت دے کر برگزیدہ کیا تھا۔بنی اسرائیل کی اس فضیلت کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے۔سورۃ البقرۃ میں یہ آیت دو مرتبہ (۴۷ اور ۱۲۲) آئی ہے:﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اس انعام کو جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی جہان والوں پر۔''

قرآن کریم (خصوصی طور پر سورۃ البقرۃ) میں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے جرائم بھی گنوائے گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کا سوادِ اعظم مسلسل توحید سے چمٹا رہا تھا۔ اگرچہ گاہے بگاہے ان میں مشرکانہ نظریات و اوہام بھی پنپتے رہے لیکن ان کی اکثریت بہرحال توحید پر قائم رہی۔ مثلاً ایک زمانے میں ان کے درمیان ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا لیکن اس دور میں بھی مجموعی طور پر ان میں سے اکثر لوگ توحید پرست ہی رہے۔

آیت ۳۳ ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور ہم نے انہیں بہت سی ایسی نشانیاں دیں جن میں بہت واضح آزمائش تھی۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو بار بار ایسی آزمائشوں سے دوچار کیا گیا جو ان کے لیے ''بَلَاۗءً حَسَنًا'' (الانفال:۱۷) کا درجہ رکھتی تھیں۔یعنی ایسی آزمائشیں جو انسان کی بھلائیوں کو بڑھانے اور اچھائیوں کو نکھارنے کا باعث بنتی ہیں۔

آیات ۳۴ تا ۵۹

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا
مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ
مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـــًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵
اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾
خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۙ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۚ﴿۵۳﴾
كَذٰلِكَ ۣ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۙ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ
فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۙ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ
مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

آیت ۳۴ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''یہ لوگ تو یہی کہہ رہے ہیں۔''

ہٰٓؤُلَاۗءِ سے یہاں اہلِ مکہ مراد ہیں۔ چونکہ یہ مکی سورت ہے اس لیے بنی اسرائیل کا ذکر کرنے کے بعد اب مشرکینِ مکہ کے اقوال وعقائد پر تبصرہ ہونے جا رہا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''کچھ نہیں مگر ہماری یہ پہلی موت ہی ہوگی اور ہم (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔''

کہ بس ہماری موت کے ساتھ ہی ہماری زندگی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے عقیدے کو ہم نہیں مانتے۔

آیت ۳۶ ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''تو لاؤ ذرا ہمارے آباء واَجداد کو' اگر تم سچے ہو!''

اپنے موقف کے حمایت میں وہ لوگ یہ دلیل دیتے کہ اگر تم بعث بعد الموت کے عقیدے کو سچ مانتے ہو تو ذرا ہمارے فوت شدہ آباء واَجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ!

آیت ۳۷ ﴿اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''کیا یہ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟''

یمن کے قدیم بادشاہ ''تُبَّع'' کہلاتے تھے۔ جس طرح پرانے زمانے میں مصر کے بادشاہوں کا لقب ''فرعون'' اور عراق کے بادشاہوں کا لقب ''نمرود'' تھا اسی طرح یمن کے بادشاہوں کا لقب ''تُبَّع'' تھا۔

﴿اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا' بے شک وہ سب کے سب مجرم تھے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے محض کھیل کے طور پر تو تخلیق نہیں فرمایا۔''

آیت ۳۹ ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور ہم نے نہیں بنایا ان دونوں کو مگر حق کے ساتھ' مگر ان لوگوں کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا وقتِ معین ہے۔''

آیت ۴۱ ﴿یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آسکے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔''

آیت ۴۲ ﴿اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾﴾ ''سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم فرما دے۔ یقیناً وہی ہے زبردست' بہت رحم فرمانے والا۔''

آیت ۴۳ ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾﴾ ''یقیناً زقوم کا درخت۔''

آیت ۴۴ ﴿طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿۴۴﴾﴾ ''گنہگاروں کا کھانا ہے۔''

آیت ۴۵ ﴿کَالۡمُہۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾﴾ ''پگھلے ہوئے تانبے کی طرح' کھولے گا پیٹوں کے اندر۔''

اس درخت کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الصافات کے دوسرے رکوع میں بھی ہو چکا ہے۔ اس کے شگوفے نہایت بدشکل' بدذائقہ اور بدبودار ہوں گے' لیکن اہل جہنم اس کو کھانے پر مجبور ہوں گے۔ جب وہ بھوک سے بے حال ہو کر اس کو کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹوں میں پگھلے ہوئے تانبے کی طرح جوش مارے گا۔

آیت ۴۶ ﴿کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾﴾ ''جیسے گرم پانی کھولتا ہے۔''

آیت ۴۷ ﴿خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۴۷﴾﴾ ''(پھر کہا جائے گا:) پکڑو اس کو اور دھکیلتے ہوئے لے جاؤ اسے عین جہنم کے بیچوں بیچ۔''

آیت ۴۸ ﴿ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِہٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۸﴾﴾ ''پھر انڈیل دو اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب۔''

آیت ۴۹ ﴿ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ﴿۴۹﴾﴾ ''اب چکھو! تم تو بڑے طاقتور' بہت معزز تھے نا!''

ہاں اے ابوجہل! تمہیں اپنی سرداری اور جتھے داری پر بڑا فخر تھا نا! اور ولید بن مغیرہ! تم بھی تو اپنی دولت اور جوان بیٹوں کے بل پر بڑے اکڑتے تھے نا! آج جہنم کی آگ' زقوم کے کھانے اور کھولتے ہوئے پانی کے عذاب کا مزا چکھو! اب یہی تم لوگوں کا مقدر ہے۔

آیت ۵۰ ﴿اِنَّ ہٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِہٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''یقیناً یہی ہے وہ چیز جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے۔''

آیت ۵۱ ﴿اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾﴾ ''(اس کے برعکس) متقین بڑی امن والی جگہ میں ہوں گے۔''

آیت ۵۲ ﴿فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾﴾ ''باغات اور چشموں میں۔''

آیت ۵۳ ﴿یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''باریک اور موٹے ریشم کا لباس پہنیں گے' ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے (بیٹھے ہوں گے)۔''

ان کا نیچے کا لباس موٹے ریشم کا جبکہ اوپر کا لباس باریک ریشم کا ہوگا۔

آیت ۵۴ ﴿کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾﴾ ''اسی طرح ہوگا' اور ہم ان سے بیاہ دیں گے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔''

آیت ۵۵ ﴿یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیۡنَ﴿۵۵﴾﴾ ''وہ طلب کریں گے اس میں ہر طرح کے پھل اطمینان کے ساتھ۔''

جنت کے پھلوں میں سے جس پھل کی وہ خواہش کریں گے وہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

آیت ۵۶ ﴿لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ﴿۵۶﴾﴾ ''وہ نہیں چکھیں گے اس میں موت سوائے اس پہلی موت کے' اور اللہ نے انہیں بچا لیا ہے جہنم کے عذاب سے۔''

دنیا میں انہیں جو موت آئی تھی وہی ان کی آخری موت ہوگی' اب انہیں موت کی سختی کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور جنت میں ان کا قیام ہمیشہ ہمیش کے لیے ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجۡعَلۡنَا مِنۡھُمۡ! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ان بندوں میں شامل کر لے' آمین!

آیت ۵۷ ﴿فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ﴿۵۷﴾﴾ ''یہ فضل ہوگا آپ کے رب کی طرف سے۔ یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

بلاشبہ اس میں ان کی نیکیوں اور محنت کا بھی حصہ ہوگا' لیکن اُس دن کی کامیابی نیک اعمال کی کثرت کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے خصوصی فضل کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔

آیت ۵۸ ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ﴿۵۸﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا ہے آپ کی زبان پر' تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔''

قرآن کی زبان بہت فصیح و بلیغ ہونے کے باوجود بڑی سادہ اور آسان ہے۔ بعض مصنفین دقیق اور ثقیل الفاظ استعمال کر کے قارئین پر اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ عربی کی کتاب ''مقاماتِ حریری'' پڑھیں تو اس میں آپ کو بھاری بھرکم اور نامانوس الفاظ کی کثرت سے محسوس ہوگا کہ شاید کتاب لکھنے سے مصنف کا مقصود صرف اپنے ذخیرۂ الفاظ کا مظاہرہ کرنا ہی ہے۔ بہرحال قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقصد بنی نوعِ انسان کو ہدایت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) قرآن کی عبارت کے ذریعے سے اپنی زباندانی کی مہارت کا مظاہرہ کرنا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ اس کتاب میں اگر ایک طرف ہمیں فصاحت و بلاغت کی معراج نظر آتی ہے تو دوسری طرف اس کی عبارت میں سہل ممتنع اور سادگی کا اعجاز بھی دکھائی دیتا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ﴿۵۹﴾﴾ ''تو آپ انتظار کیجیے' یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔''

یہی لفظ (فَارۡتَقِبۡ) قبل ازیں آیت ۱۰ میں بھی آیا ہے' جہاں دھوئیں کے عذاب کا ذکر ہے۔ گویا یہاں ایک دفعہ پھر اسی عذاب کے بارے میں پیشگی طور پر خبردار کر دیا گیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہلِ مکہ پر خشک سالی اور قحط کی صورت میں آنے والا تھا۔

بیان القرآن

سُورۃ الجاثیۃ

(۴۵)

سُورۃ الجاثیۃ

سورۃ الجاثیہ اور اس کے بعد والی سورت یعنی سورۃ الاحقاف کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں کے درمیان ایک نسبت یہ بھی ہے کہ ان کے آغاز کی دو آیات مشترک ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۳

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ
لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ
وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ
الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ
وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ﴿۷﴾ یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتۡلٰی عَلَیۡہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَکۡبِرًا
کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا ۚ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾ وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئَۨا اتَّخَذَہَا ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ
لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۹﴾ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ جَہَنَّمُ ۚ وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُمۡ مَّا کَسَبُوۡا شَیۡئًا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوۡا
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰﴾ ہٰذَا ہُدًی ۚ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ
لَہُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ فِیۡہِ بِاَمۡرِہٖ ع
وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ
جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ﴿۱﴾﴾ ”ح م۔“

آیت ۲ ﴿تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾﴾ ”اس کتاب کا اُتارا جانا ہے اُس اللہ کی طرف سے جو زبردست‘ کمال حکمت والا ہے۔“

آیت ۳ ﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾﴾ ”یقیناً آسمانوں اور زمین میں (بہت

سی) نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لیے۔‘‘

آیت ۴ ﴿وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾﴾ ’’اور تمہاری تخلیق میں‘ اور جو اُس نے پھیلا دیے ہیں (زمین میں) جاندار اُن میں بھی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کریں۔‘‘

آیت ۵ ﴿وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ﴾ ’’اور رات اور دن کے اختلاف میں‘ اور اس میں جو اللہ آسمان سے رزق اُتارتا ہے‘‘

رزق سے مراد یہاں بارش کا پانی ہے جو زمین سے روزی کے نکلنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ بارش کے پانی کا نزول گویا انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے رزق کا نزول ہے۔

﴿فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا﴾ ’’پھر زندہ کر دیتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد‘‘

وہ زمین جو بنجر اور بے آب و گیاہ پڑی تھی بارش کے برستے ہی ہریالی اور طرح طرح کے نباتات کے لباس میں ملبوس نظر آنے لگی۔

﴿وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾﴾ ’’اور ہواؤں کے چلنے میں‘ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔‘‘

یہاں پر سورۃ البقرۃ کی وہ آیت ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں جسے میں نے ’’آیت الآیات‘‘ کا عنوان دیا تھا:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾

’’یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں‘ اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں‘ اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں (یا دریاؤں میں) لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں‘ اور اُس پانی میں کہ جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے‘ پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد‘ اور ہر قسم کے حیوانات (اور چرند پرند) اس کے اندر پھیلا دیے‘ اور ہواؤں کی گردش میں‘ اور ان بادلوں میں جو معلّق کر دیے گئے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان‘ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔‘‘

گویا سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں جو نشانیاں بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر زیر مطالعہ تین آیات میں آ گیا ہے۔

آیت ۶ ﴿تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ﴾ ’’یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم پڑھ کر سنا رہے ہیں آپ کو حق کے ساتھ۔‘‘

﴿فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾﴾ ’’تو اب اللہ اور اُس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟‘‘

اگر یہ لوگ کائنات میں موجود آیاتِ آفاقی کا بچشمِ سر مشاہدہ کرنے اور قرآن کی آیات کو سننے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تو اور کس معجزے کو دیکھ کر ایمان لائیں گے؟ ایمان کی دولت تو صرف اسے ہی نصیب ہوتی ہے جو خود طالبِ ہدایت ہو۔ بلاشبہ قرآن ہر طالبِ ہدایت کے لیے ایک بہت بڑا معجزہ‘ سراج منیر اور منبع رشد و ہدایت ہے۔ لیکن اگر کسی کے دل میں ہدایت کی طلب ہی نہ ہو تو وہ بڑے سے بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے گا۔

آیت ۷ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝﴾ ’’بربادی ہے ہر جھوٹ گھڑنے والے گنہگار کے لیے۔‘‘

آیت ۸ ﴿يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ﴾ ’’وہ سنتا ہے اللہ کی وہ آیات جو اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں‘ پھر وہ اَڑ جاتا ہے ضد پر تکبّر کرتے ہوئے جیسے کہ اُس نے انہیں سنا ہی نہ ہو۔‘‘

﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ ’’تو آپؐ اسے ایک دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔‘‘

یہ دراصل سردارانِ قریش کے رویے کا ذکر ہے۔ ان میں سے اکثر کا یہی حال تھا۔

آیت ۹ ﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ِۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ ’’اور جب ہماری آیات میں سے کوئی بات اس کے علم میں آتی ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ﴾ ’’ان کے پیچھے جہنم ہے۔‘‘

یعنی جہنم ان کی منتظر ہے ـــــ وَرَاء کا لفظ ہر اُس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو آدمی کی نظر سے اوجھل ہو خواہ آگے ہو یا پیچھے ہو۔ لہٰذا ان الفاظ کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ’’ان کے آگے جہنم ہے‘‘ جس میں وہ گرنے والے ہیں۔

﴿وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـــًٔا﴾ ’’اور جو کچھ انہوں نے کمایا ہے وہ ان کے ذرا بھی کام نہیں آسکے گا‘‘

دُنیا میں انہوں نے جو کچھ کمایا ہے اور مال و دولت جمع کیا ہے‘ یہ سب کچھ انہیں جہنم سے نہ بچا سکے گا۔

﴿وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ ’’اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا مددگار بنا رکھا ہے‘ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔‘‘

اللہ کے سوا انہوں نے جو جھوٹے معبود بنا رکھے ہیں اور ان کی سفارش اور شفاعت کا انہیں زعم بھی ہے‘ وہ بھی اس دن انہیں جہنم کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔

آیت ۱۱ ﴿هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝﴾ ’’یہ (قرآن) ہے ہدایت۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا کفر کیا ان کے لیے بہت ہی دردناک عذاب ہوگا۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے مسخر کر دیا

تمہارے لیے سمندر کو تاکہ اس میں کشتیاں چلیں اُس کے حکم سے“

﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫﴾ ”تاکہ تم تلاش کرو اُس کا فضل اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

اللہ کا فضل تلاش کرنے سے یہاں تجارت کے ذریعے روزی تلاش کرنا مراد ہے‘ جبکہ کشتیاں اور جہاز سمندروں اور دریاؤں میں سامانِ تجارت کی نقل وحمل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ﴾ ”اور اُس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے اپنی طرف سے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ۔“

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر سے کام لیں۔“

اس مفہوم کی تمام آیاتِ قرآنی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان میں بنی نوعِ انسان کے لیے دعوتِ تسخیر ہے کہ اللہ نے تو زمین و آسمان کی ہر ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے‘ اب یہ تمہاری ہمت پر منحصر ہے کہ تم اپنے علم اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر کس کس مقام اور کون کون سی چیز تک رسائی حاصل کرتے ہو۔ نیز ایسی آیات کے الفاظ میں نسلِ انسانی کے مستقبل کی ترقی کی جھلک بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مستقبل میں نہ معلوم اللہ تعالیٰ انسان کو ترقی کی کون کون سی منازل طے کرائے گا۔

آیات ۱۴ تا ۲۳

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ
اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ⑯
وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑰ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ
الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑲ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ع ۱۸ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ㉑ ۧ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ㉒ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ
فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ㉓

آیت ۱۴ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اہلِ ایمان سے کہہ دیجیے کہ وہ ذرا درگزر کریں ان لوگوں سے جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے''

اس آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی دَور کے تقریباً وسط میں نازل ہوئی ہے۔ گویا اُس وقت حضور ﷺ کی دعوت کو شروع ہوئے پانچ چھ سال ہی ہوئے تھے' یعنی ابھی اہلِ مکہ پر اتمامِ حجت نہیں ہوا تھا اور ابھی ان کے لیے مزید مہلت درکار تھی۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو تلقین کی جارہی ہے کہ وہ مشرکین کے مخالفانہ رویے سے دلبرداشتہ نہ ہوں۔ یہ جہالت میں ڈوبے ہوئے گمراہ لوگ ہیں' انہیں ''ایام اللہ'' کے بارے میں کوئی کھٹکا اور اندیشہ ہے ہی نہیں۔ انہیں ادراک ہی نہیں کہ جس عذاب نے ماضی کی بڑی بڑی اقوام کو نیست و نابود کر دیا تھا وہ ان پر بھی آسکتا ہے۔ لہٰذا ابھی آپ لوگ ان سے درگزر کریں اور ان کے معاملے میں جلدی کرتے ہوئے یہ نہ سوچیں کہ نہ معلوم اللہ نے انہیں اس قدر ڈھیل کیوں دے رکھی ہے اور یہ کہ ان پر عذابِ موعود آ کیوں نہیں جاتا؟ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ابھی مزید مہلت دینا چاہتا ہے۔

﴿لِيَجْزِيَ قَوْمًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭﴾ ''تا کہ اللہ بدلہ دے ایک قوم کو ان کی اپنی کمائی کے مطابق۔''

آیت ۱۵ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮﴾ ''جس کسی نے اچھا کام کیا تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے کیا' اور جس کسی نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۱۶ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کی کتاب' حکومت اور نبوت''

﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ⑯﴾ ''اور ہم نے انہیں عطا کیں بہت سی پاکیزہ چیزیں' اور انہیں ہم نے تمام جہان کی قوموں پر فضیلت دی۔''

ان لوگوں کا نسبی تعلق اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے' لیکن جس قوم کا نام بنی اسرائیل ہے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب ''اسرائیل'' (اللہ کا بندہ) تھا اور آپؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے بارہ قبیلے وجود میں آئے جو بنی اسرائیل کہلائے۔ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کو فضیلت سے نوازے جانے کا ذکر تکرار سے آیا ہے۔ اس فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں نبوت کا وہ سلسلہ جو دو پیغمبروں (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام) سے شروع ہوا' چودہ سو برس تک بغیر کسی وقفے اور انقطاع کے جاری رہا۔ اس دوران ان کے ہاں پے در پے نبی آئے اور نبوت کی کڑی کے ساتھ کڑی یوں ملتی گئی کہ ایک مسلسل زنجیر بن گئی۔ پھر جس طرح اس زنجیر کا آغاز دو پیغمبروں سے ہوا تھا اسی طرح اس کا اختتام بھی دو پیغمبروں یعنی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ہوا۔ بہرحال جتنے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف آئے' دنیا میں کسی اور قوم کی طرف اتنے

انبیاء نہیں آئے۔ اقوامِ عالم پر بنی اسرائیل کی یہ فضیلت آج بھی قائم ہے۔

بنی اسرائیل کے حوالے سے ہمارے لیے اصل سمجھنے کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جب دین کی طرف پیٹھ پھر کر‘ دنیا میں منہمک ہو گئے‘ عیاشیوں میں پڑ گئے اور آخرت کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضیلت کی حامل اس قوم پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی: ﴿وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ﴾ اور اس فیصلے کا اعلان قرآن میں دو مرتبہ (البقرۃ:۶۱ اور آلِ عمران:۱۱۲) کیا گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل تاریخ میں آج ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ہم پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل اور احسان فرمایا کہ ہمیں اس نے اپنے آخری رسول ﷺ کی اُمت بنایا اور اپنی آخری کتاب سے نوازا۔ مگر ہم نے بھی جب دین کی طرف سے پیٹھ پھیر لی اور آخرت کو بھول کر دنیا ہی کو اپنا اوڑھنا‘ بچھونا بنا لیا تو ہمارے حصے میں بھی ویسی ہی ذلت و مسکنت آئی۔ چنانچہ آج دنیا میں ڈیڑھ سو کروڑ مسلمان ہیں مگر اقوامِ عالم کے درمیان ان کی حیثیت یہ ہے کہ ع ”کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی؟“ آج بین الاقوامی معاملات کے بارے میں کسی بھی فورم پر مسلمان ممالک کی رائے پوچھنے کی زحمت تک نہیں کی جاتی۔ بلکہ اب تو مسلمانوں کے اپنے معاملات کی باگ ڈور بھی غیروں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے میری انگریزی تقریر Turmoil in Muslim Ummah سے استفادہ کیا جا سکتا ہے‘ جبکہ اُردو میں تو اس موضوع پر میری بہت سی تقاریر دستیاب ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿وَاٰتَيۡنٰهُمۡ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ‌ۚ﴾ ”اور ہم نے انہیں عطا کیں دین کے معاملہ میں واضح ہدایات۔“

یہاں ”امر“ سے مراد دین و شریعت ہے۔ یعنی ان کے انبیاء کو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام ضروری ہدایات مسلسل ملتی رہیں۔ اس کے علاوہ انہیں تورات‘ زبور اور انجیل جیسی کتابیں بھی عطا گئیں۔

﴿فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ﴾ ”اور انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا‘ محض باہمی ضِدّم ضِدّا کے سبب سے۔“

کتاب اللہ کی واضح تعلیمات ان لوگوں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس کے باوجود ضد بازی کی بنیاد پر ان کے اندر شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور انہی اختلافات کی وجہ سے یہ قوم مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ پہلے یہودی اور نصاریٰ الگ الگ ہوئے اور پھر ان دونوں گروہوں کے اندر باہمی ضِدّم ضِدّا کے باعث مزید کئی کئی فرقے بن گئے۔ دراصل کسی بھی قوم کی صفوں میں اختلاف کی بنیادی وجہ غلبہ حاصل کرنے کی وہ خواہش (urge to dominate) ہوتی ہے جو اس کے ہر دھڑے میں پائی جاتی ہے۔ ان اختلافات سے تفرقہ بازی جنم لیتی ہے جس کے باعث بالآخر اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ‏ ﴿۱۷﴾﴾ ”یقیناً آپؐ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔“

آیت ۱۸ ﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا﴾ ”پھر (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو قائم کر دیا دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر‘ تو آپ اسی کی پیروی کریں“

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک تمام انبیاء رسل علیہم السلام اسی دین کی دعوت کے لیے مبعوث ہوئے۔ سورۃ الشوریٰ میں اس نکتے کی وضاحت ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ......﴾ (آیت ۱۳) ''(اے مسلمانو!) اُس نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اُس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیمؑ کو' موسیٰؑ کو' اور عیسیٰؑ کو......'' بہرحال ''امر اللہ'' یعنی اللہ کا دین تو شروع سے ایک ہی ہے۔ البتہ ہر زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے شریعتیں مختلف رہی ہیں' مثلاً شریعتِ موسویؑ کے بعض احکام شریعت محمدیؐ کے بعض احکام سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ آیت زیر مطالعہ کا مفہوم لفظ ''شَرِیْعَةٍ'' کے حوالے سے یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) بنی اسرائیل کے بعد ہم نے آپؐ کو اپنے دین کا آخری اور تکمیلی ایڈیشن شریعتِ محمدیؐ کے نام سے اس سند کے ساتھ عطا کیا ہے کہ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کی تکمیل فرما دی ہے اور تم پر اتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے''۔ چنانچہ اب آپ اور آپ کے پیروکار اسی شریعت کا اتباع کریں۔

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے جن کے پاس کوئی علم ہی نہیں ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ﴾ ''یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکیں گے۔''

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یوں فرمایا گیا: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾﴾ ''اور یہ لوگ اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کو پھسلا دیں اس وحی سے جو ہم نے آپؐ کی طرف کی ہے تاکہ اس کے علاوہ آپؐ کوئی اور چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں' اور اگر آپؐ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپؐ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔ (اگر ایسا ہو جاتا تو) تب ہم آپؐ کو دگنی سزا دیتے زندگی میں اور دگنی سزا دیتے موت پر' پھر نہ پاتے آپؐ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور یقیناً یہ ظالم (مشرک) لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں' جبکہ اللہ مددگار ہے متقین کا۔''

آیت ۲۰ ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''یہ ہیں آنکھیں کھولنے والی باتیں لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ان پر یقین کریں۔''

آیت ۲۱ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ﴾ ''جو لوگ بُری باتوں کا ارتکاب کر رہے ہیں کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے؟''

﴿سَوَآءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''کہ ان کی زندگی اور موت ایک جیسی ہو جائے؟ بہت برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں!''

قیامت کے حساب اور آخرت کی زندگی کے بارے میں عقلی اور منطقی سطح پر یہ ایک مضبوط دلیل ہے۔ اگر دنیا کے نیکوکاروں کو کوئی اجر و انعام نہ ملے، مجرموں کو اپنے جرائم کی سزا نہ بھگتنی پڑے اور نیک و بد سب برابر ہو جائیں تو اس سے بڑا ظلم بھلا اور کیا ہو گا؟ دنیا میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو حرام و حلال کی تمیز ختم کر کے اور جائز و ناجائز کی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو زندگی کے ہر معاملے میں ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ وہ اپنے فائدے کے لیے کسی کا حق نہیں مارتے۔ وہ فاقوں سے رہنا برداشت کر لیتے ہیں مگر حرام نہیں کھاتے۔ اب فرض کریں کہ اگر دنیا کی زندگی ہی آخری زندگی ہو، نہ آخرت ہو اور نہ ہی مرنے کے بعد بے لاگ حساب و کتاب کا کوئی مرحلہ درپیش ہو، نہ نیک اور دیانت دار لوگوں کے لیے کوئی جزا ہو اور نہ برے لوگوں کے لیے کوئی سزا، تو ایسی صورت میں قاتلوں، لٹیروں اور ظالموں کے تو گویا وارے نیارے ہو گئے، جبکہ نیک، شریف اور دیانتدار قسم کے لوگ سراسر گھاٹے میں رہ گئے۔ اس لیے اگر قیامت قائم نہیں ہوتی، نیکوکاروں کو ان کے نیک اعمال کی جزا نہیں ملتی اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کا خمیازہ نہیں بھگتنا پڑتا تو یہ بنی نوعِ انسان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہو گا۔ چنانچہ جو آخرت کو نہیں مانتا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کا ہی منکر ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور اللہ نے تو آسمان اور زمین کو حق (عدل) کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ پورا پورا بدلہ دیا جائے ہر جان کو جو کچھ اُس نے کمایا ہو، اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو۔''

آیت ۲۳ ﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟''

اس سے قبل یہ مضمون سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳ میں بھی آ چکا ہے۔ یہاں اس کا اعادہ دراصل زیر مطالعہ آٹھ سورتوں (سورۃ الزمر تا سورۃ الاحقاف) کے مرکزی مضمون کے سیاق و سباق میں ہوا ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس مضمون کے ذیلی عنوانات کی ترتیب کو ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔ ان آٹھ سورتوں میں سے پہلی چار سورتوں (الزمر تا الشوریٰ) میں ''توحیدِ عملی'' کا مضمون ایک خاص ترتیب اور تدریج کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سورۃ الزمر میں تکرار کے ساتھ تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی بندگی کرو اس

کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے: ﴿قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں بندگی کروں اللہ کی اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے‘‘۔ اللہ کی اطاعت سے منہ موڑ کر کسی اور کی اطاعت کرنا شرک ہے اور مخلوق میں سے کسی کی ایسی اطاعت کرنا بھی شرک ہے جس سے خالق کی معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔ اس کے بعد سورۃ المؤمن میں توحید عملی کے داخلی پہلو (دعا) کو اُجاگر کیا گیا ہے اور بار بار حکم دیا گیا ہے: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کہ اللہ سے دعا کرو اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں میں توحید عملی کا مضمون اپنے خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں سے ایک فرد کی حد تک مکمل ہو گیا ہے۔

اس کے بعد اگلی دو سورتوں (سورۂ حٰمٓ السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ) میں توحید عملی کو فرد سے اجتماعیت کی طرف بڑھایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں توحید کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس دعوت کی فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ㉝﴾ ’’اور اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو گی جو بلائے اللہ کی طرف اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں!‘‘ اس دعوت کا ذریعہ (medium) چونکہ قرآن ہے اس لیے اسی نسبت سے سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں قرآن کی عظمت کا ذکر تکرار کے ساتھ (چھ مرتبہ) آیا ہے۔ اس کے بعد سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون اقامتِ دین ہے۔ تدریج کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں ہو گی کہ جو لوگ توحید کی دعوت پر لبیک کہیں انہیں منظم کر کے ایک قوت میں تبدیل کیا جائے۔ پھر یہ سب لوگ مل کر باطل کے تسلط کو ختم کرنے اور معاشرے میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے جِدّوجُہد کریں۔ اس طرح ان چار سورتوں میں ’’توحید عملی‘‘ کے مضمون کو فرد سے لے کر ایک ترتیب اور تدریج کے ساتھ اجتماعی نظام کی سطح تک مکمل کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد سورۃ الزخرف اور سورۃ الجاثیہ میں اس مضمون (توحید فی الاطاعت) کے تقابل کے طور پر شرک فی الاطاعت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ سورۃ الزخرف میں اجتماعیت کی بلند ترین سطح یعنی حاکمیت کی سطح کے شرک کا حوالہ ہے جبکہ سورۃ الجاثیہ میں (خصوصی طور پر آیت زیر مطالعہ میں) انفرادی سطح کے شرک کا ذکر ہے۔ جہاں تک اجتماعیت کی سطح پر شرک کا تعلق ہے اس کو یوں سمجھئے کہ ’’انسانی حاکمیت‘‘ کا تصور شرک کی بدترین شکل ہے‘ کیونکہ حاکم مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ سورۂ یوسف میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (آیت ۴۰) کہ اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس حوالے سے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا یہ اعلان: ﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ’’اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں‘‘ اور سورۃ الکہف کی آیت ۲۶ کے یہ الفاظ ﴿وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ㉖﴾ ’’اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو بھی‘‘ اپنے معانی و مفہوم میں بہت واضح ہیں۔ اب ایسے واضح احکام کے بعد اگر کوئی انسان ’’حاکمیت مطلق‘‘ کا دعویٰ کرے تو یہ گویا خدائی کا دعویٰ ہے اور یوں یہ شرک کی بدترین شکل ہے۔ اسی شرک کا علمبردار نمرود تھا اور اسی جرم کا مرتکب فرعون بھی ہوا

تھا۔سورۃ الزخرف میں فرعون کے نعرۂ شرک کا ذکر یوں آیا ہے:﴿ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم میں ڈھنڈورا پٹوا دیا‘اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے اور یہ تمام نہریں میرے حکم کے تحت نہیں بہتی ہیں؟ تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

شرک فی الاطاعت کا دوسرا پہلو انفرادی ہے‘ جس کا ذکر آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔اس آیت میں ایک ایسے شخص کی مثال بیان ہوئی ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنے نفس کی خواہش پر چلنے کا طرزِ عمل اپنا رکھا ہے اور وہ اپنے نفس کے تقاضوں اور اس کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے حلال وحرام کی تمیز روا نہیں رکھتا۔ایسے شخص نے اپنے عمل سے گویا ثابت کر دیا ہے کہ اس کا معبود اللہ نہیں‘ بلکہ اس کا نفس ہے۔اور وہ حقیقت میں اللہ کا نہیں اپنے نفس کا ''بندہ'' ہے۔حضور ﷺ نے ایسے ہی شخص کو درہم ودینار کا بندہ قرار دیا ہے۔آپؐ کا فرمان ہے: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ))(۱) ''ہلاک ہو جائے درہم ودینار کا بندہ''۔یہ دراصل وہ شخص ہے جو دولت کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حلال وحرام کی تمیز کو بالکل پس پشت ڈال چکا ہے۔اب اس کے والدین نے اس کا نام ''عبدالرحمٰن'' ہی کیوں نہ رکھا ہو‘ لیکن اس کے عمل سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل میں وہ ''عبدالدینار'' ہے۔

بہرحال سورۃ الزخرف میں شرک فی الاطاعت کا ذکر معاشرے کی بلند ترین سطح یعنی ریاست اور حاکمیت کی سطح پر ہوا ہے‘ جبکہ زیر مطالعہ سورت کی اس آیت میں اس کی دوسری انتہا یعنی انفرادی سطح کے شرک کا بیان ہے۔شرک کی باقی تمام صورتیں ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں۔آیت میں استفسار کے اسلوب سے زورِ کلام خاص طور پر زیادہ ہو گیا ہے کہ کیا آپ نے کبھی ایسے شخص کی عبرتناک حالت پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟

﴿ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ ''اور اللہ نے اسے گمراہ کر رکھا ہے اس کے علم کے باوجود''

ہو سکتا ہے وہ کوئی بہت بڑا عالم ہو یا اعلیٰ پائے کا محقق ہو یا کوئی نامور سائنسدان ہو‘ مگر جس انسان نے اپنے نفس کا بندہ بن کر رہنا قبول کر لیا ہو اس کی علمی اہلیت‘ تحقیقی استعداد اور سائنٹیفک اپروچ اسے نہ تو اللہ کی اطاعت کی راہ دکھا سکتی ہے‘ اور نہ ہی اس کے دل کو ایمان اور اللہ کی معرفت کے نور سے منور کر سکتی ہے۔ایسے بدقسمت لوگوں پر ہدایت کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں:﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ ﴾ (البقرۃ:۷)۔سورۃ البقرۃ کی اس آیت کے الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ دیکھیے یہاں بھی آ گئے ہیں:

﴿ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ ﴾ ''اور اللہ نے اُس کی سماعت اور اُس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔''

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الجهاد والسیر‘ باب الحراسة فی الغزو‘ ح: ۲۸۸۷۔

اس مہراور اس پردے کی کیفیت کا عملی مشاہدہ کرنا ہو تو آج کے سائنسدانوں کو دیکھ لیجیے۔ انہوں نے سات سمندروں کے پانیوں کو کھنگال مارا ہے' روئے ارضی کے ذرّے ذرّے کی چھان پھٹک وہ کر چکے ہیں۔ خلا کی وسعتوں کے اندر دور دور تک وہ جھانک آئے ہیں۔ غرض سائنسی کرشموں کے سبب انہوں نے کائنات کے بڑے بڑے رازوں کو طشت از بام کر دیا ہے' لیکن اس پوری کائنات میں اگر انہیں نظر نہیں آیا تو ایک اللہ نظر نہیں آیا! مذکورہ ''پردہ'' ان کی آنکھوں پر اس قدر دبیز ہو چکا ہے کہ اس پوری کائنات میں کائنات کے خالق کا انہیں کہیں سراغ نہیں ملا۔

﴿فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۳﴾ ''تو اللہ کے (اس فیصلے کے) بعد اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے' تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

آیات ۲۴ تا ۳۷

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ
عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۲۴ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا
ائْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۵ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ع ۳ ۱۹
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۲۷ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ
تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ
اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ
رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا
رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ وَبَدَا
لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا
نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳۷ ع ۴ ۲۰

آیت ۲۴ ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے (کوئی اور

زندگی) سوائے ہماری دنیا کی زندگی کے‘ ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی جیتے ہیں“

اس ایک جملے میں یوں سمجھئے کہ دہریت اور مادّیت (Materialism) کی پوری حقیقت سمو دی گئی ہے۔ اس فلسفے کے مطابق اس کائنات کی اصل اور سب سے بڑی حقیقت مادّہ (matter) ہے‘ مادّے کے علاوہ کسی اور شے کا کوئی وجود نہیں‘ مادّے کی اپنی صفات ہیں‘ کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تبدیلی آتی ہے وہ مادّے کی ہیئت میں تبدیلیوں (physical and chemical changes) کے باعث ہی ممکن ہے۔ یہ کائنات مادّے سے خود ہی وجود میں آئی تھی اور مادّے کے اٹل قوانین کے باعث خود ہی چل رہی ہے۔ انسانی زندگی بھی انہی اٹل قوانین کے تابع ہے۔ انہی لگے بندھے قوانین کے تحت انسان پیدا ہوتے ہیں‘ اپنی طبعی عمر کے مطابق زندہ رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ نہ تو مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کا کوئی امکان ہے۔ یہ فلسفۂ دہریت کے بنیادی نکات ہیں‘ جبکہ تجربیت پسندی بحیثیت نظریہ علم (Empiricism) اور منطقی اثباتیت (Logical Positivism) بھی اسی فلسفے کی ذیلی شاخیں ہیں اور مذکورہ نکات ان سب کے ہاں مشترک ہیں۔

﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ﴾ ”اور ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ“

کہ ہم تو محض زمانے کی گردش سے ہلاک ہوتے ہیں۔ نہ تو کوئی اللہ ہے جو انسانوں کی موت کے پروانے جاری کرتا ہو اور نہ ہی کسی فرشتے وغیرہ کا کوئی وجود ہے جو آ کر کسی کی جان قبض کرتا ہو۔

﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ”حالانکہ ان کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہیں ہے‘ وہ تو صرف ظن سے کام لے رہے ہیں۔“

محض اٹکل کے تیر تکے چلا رہے ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾

”اور جب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات تو نہیں ہوتی ان کی کوئی دلیل سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ (زندہ کر کے) لے آؤ ہمارے آباء و اَجداد کو اگر تم سچے ہو!“

اس ضمن میں ان کے پاس واحد حجت اور دلیل یہی ہوتی ہے کہ چلو اگر تم ہمارے فوت شدہ آباء و اَجداد کو زندہ کر کے ہمارے پاس لے آؤ تو ہم بعث بعد الموت کے تمہارے دعوے کو مان لیں گے۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے‘ پھر وہی تمہیں موت دے گا“

کہ میں نے تو کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں کسی کو زندہ کروں گا۔ ہر کسی کی زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اب وہ حضرات جو اس کائنات اور انسانی زندگی کو مادّیت اور دہریت کی عینک سے دیکھتے ہیں‘ انہیں یہ بات بھلا کیونکر سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ہم اس سے پہلے ایک زندگی اور ایک موت کے مراحل طے کر کے اس دنیا میں

آئے ہیں! (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ المؤمن، تشریح آیت ۱۱)

﴿ثُمَّ یَجۡمَعُکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''پھر تمہیں جمع کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیت ۲۷ ﴿وَ لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔''

﴿وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن جھٹلانے والے بڑے خسارے میں ہوں گے۔''

جو لوگ حق کو باطل قرار دے رہے ہیں، روزِ محشر انہیں عظیم خسارے کا سامنا کرنا ہوگا۔

آیت ۲۸ ﴿وَ تَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً ۟﴾ ''اور تم دیکھو گے کہ ہر اُمت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی۔''

﴿کُلُّ اُمَّۃٍ تُدۡعٰۤی اِلٰی کِتٰبِہَا ؕ﴾ ''ہر اُمت کو بلایا جائے گا اس کے اعمال نامے کی طرف۔''

وہاں سرِ محشر باری باری ندا ہوگی کہ فلاں قوم کو لے آیا جائے اور ان کا اعمال نامہ پیش کیا جائے۔

﴿اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا ان اعمال کا جو تم کرتے رہے ہو۔''

آیت ۲۹ ﴿ہٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ﴾ ''یہ ہمارا (تیار کردہ) اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر حق کے ساتھ گواہی دے گا۔''

یہ وہ ریکارڈ ہے جس میں ہم نے تمہارے ایک ایک عمل کو محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ابھی تمہاری ایک ایک حرکت کی ٹھیک ٹھیک تفصیل بتا دے گا اور تمہارے خلاف بالکل ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا۔

﴿اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم اُسے لکھواتے جا رہے تھے۔''

اس ''لکھنے'' کے مفہوم میں بہت وسعت اور جامعیت ہے۔ عام طور پر ہمارا ذہن لکھنے کے انسانی طور طریقوں کی طرف جاتا ہے۔ لیکن ان طریقوں میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے ایسی تبدیلیاں آ چکی ہیں جن کے بارے میں زمانہ ماضی میں کبھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہم قلم اور دوات سے لکھا کرتے تھے مگر آج اس سے کہیں بہتر لکھائی کمپیوٹر کے ذریعے سے ہو جاتی ہے۔ پھر آڈیو/ویڈیو ریکارڈنگ بھی تحریر ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہاں کی لکھائی کا تصور ہمارے ذہن سے بہت بالا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر انسان کی زندگی کے ایک ایک عمل اور ایک ایک لمحے کی تفصیلی روداد تیار ہو رہی ہے۔ وقت آنے پر بس ایک اشارہ ہوگا اور متعلقہ انسان کی زندگی کی مکمل تصویر سامنے آ جائے گی۔

آیت ۳۰ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے''

﴿فَیُدۡخِلُہُمۡ رَبُّہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۰﴾﴾ ''تو ان کو داخل کر دے گا ان کا

پروردگار اپنی رحمت میں۔ یہ بہت واضح کامیابی ہوگی۔''

آیت ۳۱ ﴿وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا''

﴿اَفَلَمۡ تَکُنۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ﴾ ''(ان سے اللہ پوچھے گا کہ) کیا تمہیں میری آیات پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟''

اس آیت میں اگرچہ کفار کا ذکر ہے' لیکن اس مفہوم کی آیات کے حوالے سے یہ اہم نکتہ مدِّنظر رہے کہ ہم بھی جب قرآن سنتے ہیں تو اپنے اور پڑھ کر سنانے والے کے بارے میں اس جملے کا مفہوم ضرور یاد رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ان سطور کو پڑھنے والے ہر قاری کے ذہن میں بھی یہ تصور ضرور ہونا چاہیے کہ قرآن کا پیغام اس تک پہنچ گیا ہے اور وہ اس کے بارے میں ضرور مسئول ہوگا۔

﴿فَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ وَکُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''تو تم نے استکبار کیا اور تم مجرم لوگ تھے۔''

ہماری آیات کے آگے سر جھکانے اور ہمارے احکام کو تسلیم کرنے کے بجائے تم نے استکبار کا رویہ اپنایا' اس لحاظ سے واقعی تم بہت بڑے مجرم تھے۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیۡبَ فِیۡہَا﴾ ''اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اور قیامت آنے میں کوئی شک نہیں''

﴿قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِیۡ مَا السَّاعَۃُ ۙ﴾ ''تو تم کہتے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے''

السّاعۃ (قیامت کی موعودہ گھڑی) کا ذکر سن کر تم کہا کرتے تھے کہ ہم کسی ساعت واعت کو نہیں جانتے۔ تمہارے یہ گستاخانہ جملے ہمارے پاس ریکارڈ میں موجود ہیں۔

﴿اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا﴾ ''ہاں ہمیں ایک گمان سا تو ہوتا ہے''

لیکن کبھی کبھی تم قیامت کا ذکر سن کر یوں بھی کہا کرتے تھے کہ ہاں قیامت کے قائم ہونے اور آخرت کی زندگی کے بارے میں ہمیں گمان سا تو ہوتا ہے' ایک خیال سا تو آتا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ نیکی و بدی کے فرق اور سزا و جزا کی منطق کو تم لوگ خوب سمجھتے تھے۔ تم جانتے تھے کہ پیشہ ور مجرم اور نیک لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ کبھی کسی مظلوم کی بے بسی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں یہ سوال بھی چپک جاتا تھا کہ اس بے چارے کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہیے اور کبھی کبھی تمہارا ضمیر تمہیں یہ بھی یاد دلایا کرتا تھا کہ ظالموں کو قرار واقعی سزا دلوانے کے لیے کوئی مؤثر اور قطعی نظام تو ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن پھر دُنیوی مفادات کی یلغار کو اپنے سامنے پا کر ایسی ہر سوچ کو مفروضہ قرار دے کر تم جھٹک دیا کرتے تھے۔

﴿وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور ہم اس کا یقین کرنے والے نہیں ہیں۔''

یہاں پر ''یقین'' کا لفظ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ دراصل ''آخرت'' کو ایک رسمی نظریے کے طور پر تسلیم کر لینا کافی نہیں۔ اس ''ایمان'' کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے اس کے بارے میں دل میں گہرا یقین ہونا بہت ضروری ہے۔ جب تک دل میں بعث بعد الموت اور آخرت کا پختہ یقین نہیں ہوگا انسان کا کردار درست نہیں ہو

سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں متقین کی صفات کے حوالے سے جہاں غیب اور الہامی کتب پر ''ایمان لانے'' کی شرط کا ذکر ہے وہاں آخرت کے بارے میں ''یقین رکھنے'' کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے: ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④﴾۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں دل کے اندر گہرا یقین رکھے بغیر مقامِ تقویٰ تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ آج اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ کے الفاظ میں ہمیں اپنی باطنی کیفیت کی جھلک بھی نظر آئے گی۔ ہم موروثی مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک عقیدے کے درجے میں تو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' لیکن کیا دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ کی عدالت میں پیش ہونے کا پختہ یقین ہمارے دلوں میں موجود ہے؟ اس سوال کا جواب ہم میں سے ہر شخص کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں جھانک کر تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یقین کی مطلوبہ کیفیت تک کیسے پہنچا جائے تو اس کا جواب ہمیں سورۃ الحدید کے مطالعہ کے دوران ملے گا۔

آیت ۳۳ ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ ''اور ان کے سامنے آ جائیں گے ان کے وہ تمام بُرے اعمال جو انہوں نے کیے تھے''

﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ㉝﴾ ''اور انہیں گھیرے میں لے لے گی وہی چیز جس کا وہ استہزا کیا کرتے تھے۔''

دنیا میں وہ لوگ جہنم کا مذاق اڑایا کرتے تھے' چنانچہ وہی جہنم انہیں اپنی آغوش میں لینے کے لیے وہاں موجود ہوگی۔

آیت ۳۴ ﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ ''اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم تمہیں اسی طرح نظرانداز کر دیں گے جیسے تم نے اس دن کی ملاقات کو نظرانداز کر رکھا تھا''

﴿وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉞﴾ ''اور تمہارا ٹھکانہ اب آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔''

چنانچہ اب تمہارے رونے دھونے اور چیخنے چلانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اب تمہیں اس عذاب سے چھڑانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔

آیت ۳۵ ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔''

﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ㉟﴾ ''تو آج انہیں نکالا نہیں جائے گا اس سے اور نہ ہی انہیں موقع دیا جائے گا کہ وہ توبہ کر لیں۔''

اب ان کے لیے موقع نہیں ہوگا کہ معافی مانگ کر اپنے ربّ کو راضی کر لیں۔ توبہ کا موقع تو دنیا میں تھا اور وہ موقع وہ لوگ کھو چکے ہوں گے۔

آیت ۳۶ ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶﴾ ’’پس کُل تعریف اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے۔‘‘

آیت ۳۷ ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳۷﴾ ’’اور اسی کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست‘ حکمت والا۔‘‘

اللہ اکبر! یقیناً اللہ سب سے بڑا ہے! وہ آسمانوں میں بھی سب سے بڑا ہے اور وہ زمین میں بھی سب سے بڑا ہے۔ مگر زمین میں عملی طور پر اسے بڑا نہیں مانا جا رہا۔ زمین میں اللہ کے بندے اللہ سے بغاوت کر چکے ہیں۔ وہ اللہ کے قوانین کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کی قانون سازی کر رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ کسی ملک کے عوام ہی اس کے اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) کے اصل مالک ہیں۔ لیکن یاد رکھیے! ’’حاکمیت‘‘ کا یہی دعویٰ سب سے بڑا کفر اور سب سے بڑا شرک ہے‘ چاہے یہ دعویٰ فردِ واحد کرے یا پوری قوم مل کر کرے۔ اس حوالے سے بائبل میں موجود Lord's Prayer کے یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ اس دعا میں اسی دعوے کو ختم کرنے‘ اسی کفر و شرک کو مٹانے اور آسمانوں کی طرح زمین پر بھی اللہ کی مرضی نافذ کرنے کا ذکر ہے:

Thy Kingdom come
Thy will be done on Earth
As it is in Heavens

کہ اے اللہ! تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسے آسمانوں میں پوری ہو رہی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو۔ آسمانوں کی مخلوق تو تیرے احکام کو من وعن تسلیم کرتی ہے۔ سورج تیری مرضی کے مطابق رواں دواں ہے۔ چاند تیرے حکم کا تابع ہے اور تمام کہکشائیں تیری مشیت کے سامنے سرنگوں ہیں‘ لیکن ایک زمین ہے کہ جس کے بحر و بر کو انسان نے اپنے کرتوتوں کے سبب فساد سے بھر دیا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۴۱) ...... اس لیے ضروری ہے کہ اللہ کی مرضی جیسے آسمانوں پر نافذ ہے ویسے ہی زمین پر بھی نافذ ہو۔ زمین پر بھی اللہ کے حکم کو سپریم لاء کا درجہ حاصل ہو۔ اسی قانون کے مطابق فیصلے ہوں۔ اسی کیفیت کا نام ’’اقامتِ دین‘‘ ہے‘ جس کے لیے ’’تنظیم اسلامی‘‘ جِدّوجُہد میں مصروف ہے۔

بیان القرآن

سُورَةُ الاَحقَاف

(۴۶)

سُورَةُ الأحقاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱ تا ۱۴

الجزء السادس والعشرون (٢٦)

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ
بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ
النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ
فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ ع
اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى
لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾
اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ①﴾ ”ح م۔“

آیت ۲ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②﴾ ”اِس کتاب کا اتارا جانا ہے اُس اللہ کی طرف

سے جو زبردست‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

قبل ازیں سورۃ الجاثیہ کی آیت ۲ کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف کے آغاز کی آیات مشترک ہیں۔

آیت ۳ ﴿مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ﴾ ’’اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے مگر حق کے ساتھ‘‘

یہ ایک مستحکم نظام اور ایک بامقصد تخلیق ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ سورۃ الدخان میں اس بارے میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا لٰعِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ’’اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے محض کھیل کے طور پر تو تخلیق نہیں فرمایا۔‘‘

﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ’’اور ایک اجل معین کے لیے‘‘

﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ’’اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اعراض کر رہے ہیں اس سے جس سے انہیں خبردار کیا جا رہا ہے۔‘‘

اس جملے میں الفاظ کی ترتیب دراصل یوں ہے: وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا۔ لیکن ایک مخصوص صوتی آہنگ (rhythm) برقرار رکھنے کے لیے یہاں الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ میں ’’تعارفِ قرآن‘‘ پر اپنے لیکچرز میں قرآن کے صوتی آہنگ پر گفتگو کرتے ہوئے یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ ہم معروف معنوں میں جسے شاعری کہتے ہیں قرآن ویسی شاعری تو نہیں ہے لیکن ایک خاص آہنگ اور روانی کی وجہ سے قرآن کی آیات میں blank verse کا سا انداز پایا جاتا ہے اور جملوں میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے۔ اور غالباً یہ قرآنی اسلوب ہی دنیا میں blank verse کے رواج کا باعث بنا ہے۔

آیت ۴ ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ کبھی تم نے غور بھی کیا کہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو‘ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں؟‘‘

﴿اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ﴾ ’’یا اُن کی کوئی شراکت ہے آسمانوں میں؟‘‘

﴿اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴﴾﴾ ’’لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو اگر تم سچے ہو!‘‘

اپنے ان معبودوں کے بارے میں مجھ سے کسی الہامی ثبوت یا علمی اور منطقی دلیل سے بات کرو۔

آیت ۵ ﴿وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ﴾ ’’اور اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کے سوا اُسے پکارتا ہے جو اُس کو جواب ہی نہیں دے سکتا قیامت کے دن تک‘‘

وہ نہ تو ان کی دعاؤں کو سن سکتے ہیں اور نہ قبول کر سکتے ہیں۔

﴿وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵﴾ ''اور وہ ان کی دعا سے غافل ہیں۔''

وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ انہیں تو پتا ہی نہیں کہ کوئی ان سے دعا مانگ رہا ہے۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کو پکارتے ہیں ان میں کچھ تو بے جان اور بے عقل مخلوقات ہیں۔ ان کا تو اپنے پکارنے والوں کی دعاؤں سے بے خبر ہونا ظاہر ہی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ بزرگ انسانوں کو بھی پکارا جاتا ہے۔ وہ اللہ کے ہاں اس عالم میں ہیں کہ جہاں انسانی آوازیں ان تک نہیں پہنچتیں۔ فرض کیجیے ایک شخص کسی بڑے ولی اللہ کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہے تو علیین میں موجود اس کی روح کو کیا معلوم کہ دنیا میں اس کا کوئی معتقد اسے پکار رہا ہے۔

آیت ۶ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶﴾ ''اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔''

قیامت کے دن وہ پیغمبر، وہ فرشتے اور وہ اولیاء اللہ جن کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں، وہ اپنے ان ''عقیدت مندوں'' سے ناراضگی اور دشمنی کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے اللہ کے سامنے انہیں شرمسار کیا کہ انہیں اللہ کا مدِ مقابل ٹھہرایا۔ اس معاملے کی ''حساسیت'' کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسے الفاظ ادا کیے: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں! اس پر آپؐ نے فوراً انہیں ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا؟))(1) ''کیا تم نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا ہے؟'' کیونکہ مشیت تو صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے۔

آیت ۷ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷﴾ ''اور جب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری آیاتِ بیّنات، تو یہ کافر کہتے ہیں حق کے بارے میں، جبکہ وہ ان کے پاس آ گیا، کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۸ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ﴾ ''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟''

کیا ان کا خیال ہے کہ محمد ﷺ نے قرآن کو خود تصنیف کیا ہے؟

﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ (کی پکڑ) سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے۔''

سورۃ الحاقۃ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝۴۴ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝۴۵ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝۴۶﴾ کہ اگر بالفرض محمد (ﷺ) کوئی چیز گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑیں گے اور پھر ان کی رگِ جاں کو کاٹ دیں گے۔ ظاہر ہے اس اسلوب میں جو غصہ ہے وہ ان لوگوں پر ہے جو حضور ﷺ پر ایسا الزام لگانے کی جسارت کرتے تھے۔

---

(1) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبد الوہاب نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ جبکہ مسند احمد میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهَ عَدْلًا؟)) ''کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟'' (مرتب)

﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ﴾ ''وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم لگے ہوئے ہو۔''

اللہ تعالیٰ تمہاری یہ گفتگو بھی سن رہا ہے اور وہ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات سے بھی آگاہ ہے۔

﴿كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧﴾ ''وہ کافی ہے بطور گواہ میرے اور تمہارے مابین' اور وہ خوب بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں۔

آیت ۹ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے یہ بھی) کہیے کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں''

بِدْعًا کے معنی نیا نویلا یا نرالا ہونے کے ہیں۔ لفظ ''بدعت'' بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ بدعت سے اصطلاحاً وہ چیز مراد ہے جو اصل میں دین کا حصہ نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے دین میں رائج کر دی گئی ہو۔ بہر حال یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میرا رسولؐ بن کر آنا کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ میں تو آخری رسولؐ ہوں۔ بہت سے رسولؑ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں آ چکے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں حضور ﷺ کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ (آیت ۱۴۴) ''اور محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں''۔ سورۃ المائدۃ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی بالکل یہی الفاظ آئے ہیں: ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ (آیت ۷۵) ''مسیحؑ ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسولؑ تھے' انؑ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔''

﴿وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ﴾ ''اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔''

اس سے آخرت کا معاملہ مراد نہیں ہے' کیونکہ آخرت کے بارے میں تو آنحضور ﷺ کو بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا تھا: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ④﴾ (الضحیٰ) یعنی آپؐ کے لیے آخرت یقیناً دنیا سے بہت بہتر ہو گی۔ بلکہ آیت زیر مطالعہ کا اشارہ اس کش مکش کی طرف ہے جو حضور ﷺ اور مشرکینِ مکّہ کے درمیان مسلسل جاری تھی۔ جیسے حضور ﷺ ایک اُمید لے کر طائف تشریف لے گئے تھے لیکن وہاں جو کچھ ہوا وہ آپؐ کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ نبوت کے دسویں سال جب جناب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو آپؐ کے اپنے قبیلے بنو ہاشم نے بھی آپؐ سے اظہارِ براءت کر دیا۔ اس کے بعد مکہ میں دُنیوی اعتبار سے آپؐ کا کوئی حلیف یا حمایتی نہ رہا۔ ان حالات میں آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اہلِ طائف میں سے اگر کوئی بڑا سردار ایمان لے آیا تو میں اپنی دعوت کا مرکز وہاں منتقل کر لوں گا۔ لیکن اہلِ طائف کا رویہ اہلِ مکّہ سے بھی بدتر نکلا۔ لہٰذا مکہ کے ماحول میں جاری کشیدگی کے حوالے سے یہاں آپؐ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اس چپقلش کے اندر آئندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے کیا پیش آنے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۹﴾ ''میں تو بس اُسی کی پیروی کر رہا ہوں جو میری طرف وحی کی جارہی ہے' اور میں نہیں ہوں مگر ایک کھلا خبردار کر دینے والا۔''

آیت ۱۰ ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ کیا تم نے سوچا بھی ہے کہ اگر یہ (قرآن) واقعتاً اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا)؟''

تم لوگ مجھے الزام دیتے ہو کہ میں نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے' لیکن جب تمہیں چیلنج دیا گیا کہ اس جیسی کتاب تم بھی بنا کر دکھاؤ بلکہ ایک سورت ہی بنا لاؤ تو تم اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے' اس لیے دل سے تم بھی مانتے ہو کہ یہ کتاب انسانی تصنیف نہیں ہے۔ بہر حال اگر تم اسے اللہ کا کلام نہیں مانتے تو یہ بات اچھی طرح سے سوچ لو کہ اگر واقعتاً یہ اللہ ہی کا کلام ہوا تو تمہارے اس انکار کا کیا نتیجہ نکلے گا؟

﴿وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِہٖ﴾ ''اور گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل میں سے ایک ایسی ہی کتاب کی۔''

اس آیت کی تفسیر میں مفسّرین کے مابین اختلاف ہے۔ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے عام اہلِ کتاب مؤمنین مراد ہیں' جبکہ کچھ مفسّرین کا خیال ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ بظاہر یہ دوسری رائے زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عہد نامہ قدیم' کتاب استثناء کے اٹھارہویں باب کی آیات ۱۸' ۱۹ میں جو پیشین گوئی درج ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''اے موسیٰؑ میں ان کے بھائیوں میں سے تیرے مثل ایک پیغمبر اٹھاؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا''۔ ان الفاظ کے مطابق تو مِثۡلِہٖ کا یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل حضرت محمد ﷺ ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی صاحبِ شریعت رسول ہیں اور حضور ﷺ کو بھی قرآن کی شکل میں آخری اور کامل شریعت عطا کی گئی ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب رسول تو ہیں لیکن صاحبِ شریعت نہیں ہیں۔ سورۃ الزخرف کی آیت ۶۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَۃِ﴾ کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ سورۃ الزخرف کی اس آیت کے ضمن میں یہ وضاحت بھی گزر چکی ہے کہ انجیل میں احکام اور شریعت نہیں صرف حکمت ہے' جبکہ تورات اور قرآن قانون اور شریعت کی حامل کتابیں ہیں۔

﴿فَاٰمَنَ وَ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ﴾ ''پس وہ تو ایمان لے آیا اور تم استکبار کر رہے ہو!''

یہود میں ایسے علماء بھی تھے (اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی) جو نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝۱۰﴾ ''بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۱۱ ﴿وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی' ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے کہ اگر یہ (قرآن) کوئی خیر

ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔''

یہ سردارانِ قریش کے موقف کا حوالہ ہے کہ ہم بڑے ہیں' دانشور ہیں اور ہر اعتبار سے معاشرے کے سرکردہ لوگ ہیں۔ جب ہم اس دین کی طرف مائل نہیں ہوئے اور ہمیں اس قرآن میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بھلائی کی کوئی بات ہے ہی نہیں' ورنہ یہ غریب غرباء اور گھٹیا لوگ اس معاملے میں ہم سے سبقت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں اگرچہ حضرت عثمان بن عفان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے لوگ بھی تھے' جن کا تعلق اونچے گھرانوں سے تھا' مگر ابتدا میں زیادہ تر نادار اور مزدور لوگ ہی حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے' جن میں کوئی غلام بھی تھے' اور شروع شروع میں یہی لوگ زیادہ تر آپؐ کے اردگرد موجود ہوتے تھے۔

چنانچہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں کو اعتراض تھا کہ آپؑ کے پیروکار نچلے طبقے کے لوگ ہیں (ہود: ۲۷) اسی طرح مکہ کے سرداروں کو بھی نادار اور غلام اہل ایمان کی موجودگی میں حضور ﷺ کی محفل میں بیٹھنا گوارا نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان مزدوروں' غلاموں اور کمتر حیثیت کے لوگوں کے درمیان آ کر بیٹھنا ہمارے شایانِ شان نہیں۔ ہاں ان لوگوں کو اگر آپؐ اپنی محفل سے اٹھا دیں تو پھر ہم آپؐ کے پاس آ کر آپؐ کی بات سننے پر غور کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنینِ صادقین کے بارے میں حضور ﷺ سے فرمایا: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور مت دھتکاریئے آپؐ ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح و شام اور اُس کی رضا کے طالب ہیں۔ آپؐ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ آپؐ کے حساب میں سے ان کے ذمے کچھ ہے' تو اگر (بالفرض) آپؐ انہیں دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

﴿وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور چونکہ انہوں نے اس (قرآن) کے ذریعے سے ہدایت نہیں پائی تو اب کہیں گے کہ یہ تو گھڑی ہوئی پرانی چیز ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ﴾ ''حالانکہ اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب موجود ہے' راہنمائی کرنے والی اور رحمت!''

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا﴾ ''اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے' عربی زبان میں''
یعنی قرآن مصدق ہے تورات اور انجیل کا' اور قرآن کی یہ تصدیق دو پہلو سے ہے۔ ایک طرف تو قرآن ان کتابوں کی اس لحاظ سے تصدیق کرتا ہے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں۔ یہ تصدیق ہمیں قرآن میں جابجا ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ المائدۃ (آیت ۴۴) میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ ۚ﴾ کہ ہم نے تورات نازل کی تھی اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔ اور پھر سورۃ المائدۃ میں ہی آگے آیت ۴۶ میں انجیل کی تصدیق ہے: ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ﴾ کہ ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو انجیل عطا کی' یہ بھی ہدایت اور

نور کا منبع ہے۔ چنانچہ قرآن ایک تو ان دونوں کتابوں کے منزّل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے (اگر چہ ان دونوں میں تحریف کر دی گئی) جبکہ اس تصدیق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تورات اور انجیل میں جو پیشین گوئیاں تھیں قرآن ان کا مصداق بن کر آیا ہے۔

﴿لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''تاکہ خبردار کر دے ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی''۔

خبردار اور متنبہ کر دینے کی ذمہ داری ہی کی وجہ سے قرآن کو سادہ اور سلیس زبان میں نازل کیا گیا اور سمجھنے کے لیے آسان بنا دیا گیا تا کہ ہر شخص تک اس کا پیغام پہنچ جائے۔

﴿وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲﴾ ''اور بشارت بن جائے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے لیے۔''

''محسنین'' وہ لوگ ہیں جو اسلام کے درجے سے بتدریج آگے بڑھتے ہوئے ایمان اور پھر احسان کے درجے تک پہنچ جائیں۔

آیت ۱۳ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے''

نوٹ کیجیے یہ وہی الفاظ ہیں جو اس سے پہلے ہم سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۰ میں پڑھ آئے ہیں۔ وہاں بھی میں نے عرض کیا تھا اور اب پھر دہرا رہا ہوں کہ اس ''استقامت'' کو صرف ایک لفظ مت سمجھئے' غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ اس ''استقامت'' میں ایک ''قیامت'' مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر ہر حال میں اس کی رضا پر راضی رہنا' اس کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا' اسی پر توکّل کرنا' اس کے احکامات کی پابندی کرنا اور اس کی طرف سے عائد کردہ جملہ ذمہ داریوں کو نبھانے میں اپنا تَن مَن دَھن داؤ پر لگا دینا وغیرہ سب اس استقامت میں شامل ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدۃ (آیت ۳۰) کے مطالعہ کے دوران ہم حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایک بات ایسی بتا دیجیے جسے میں پلّے باندھ لوں اور میرے لیے وہ کافی ہو جائے۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) ''کہو کہ میں ایمان لایا اللہ پر' پھر اس پر جم جاؤ!'' بہر حال اللہ پر ایمان لانے کے بعد استقامت یہی ہے کہ انسان کا دل اس سوچ پر جم جائے کہ اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی حاجت روا' وہی مشکل کشا ہے اور وہی میری دعاؤں کا سننے والا ہے' اور پھر انسان خود کو اللہ کے لیے وقف کر دے۔ ایک بندۂ مؤمن کی اسی کیفیت کا نقشہ سورۃ الانعام کی اس آیت میں دکھایا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۲﴾ ''آپ کہیے: میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۳﴾ ''تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔''

ملاحظہ کیجیے سورۂ یونس کی آیت ۶۲ میں ''اولیاء اللہ'' کے مخصوص مقام و مرتبہ کے حوالے سے بھی بالکل یہی

الفاظ آئے ہیں:﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ گویا جو لوگ ایمان لائے اور پھر ایمان پر مستقیم ہو گئے وہ اولیاء اللہ ہیں اور آخرت میں انہیں کسی قسم کے خوف اور حزن وملال کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

آیت ۱۴ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾﴾ ''یہی لوگ جنت والے ہیں' اس میں ہمیشہ رہنے والے۔ یہ جزا ہو گی ان اعمال کی جو وہ کرتے رہے۔''

جیسا کہ پہلے بھی کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قدر افزائی کے لیے جنت میں داخلے اور اس کی نعمتوں کو ان کے اعمال کا صلہ قرار دیتا ہے' جبکہ اللہ کے یہ نیک بندے جنت میں پہنچ کر اللہ کا شکر کرتے ہوئے اعتراف کریں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل کے سبب ہی ممکن ہوا' اور یہ کہ وہ اپنے اعمال کے بل بوتے پر یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے:﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (الاعراف:۴۳) ''اور وہ کہیں گے کل شکر اور کل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا' اور ہم خود سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔''

بہر حال یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بے پایاں فضل ہے کہ وہ قرآن میں بار بار ان کے نیک اعمال کی قدر دانی فرماتا ہے کہ اگر تم لوگوں نے:﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾﴾ (الدھر) کے اختیار کے باوجود میرے شکر گزار بندے بن کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور اس پر مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کیں' چنانچہ میں نے بھی تمہاری مدد کرتے ہوئے اس راستے پر تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر دیں' تمہیں آگے بڑھنے کی توفیق عطا کی اور آج میں تمہارے ان اعمال کا بدلہ تمہیں جنت کی ابدی اور دائمی نعمتوں کی صورت میں عطا کر رہا ہوں۔

آیات ۱۵ تا ۲۰

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ
وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ
اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ
فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ
مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ
مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي
حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ع ۱۰ / ۲

آیت ۱۵ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ﴾ ''اور ہم نے تاکید کی انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں حسن سلوک کی۔''

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے احکام قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کے اس حکم میں اس حوالے سے خصوصی تاکید پائی جاتی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾﴾

''اور فیصلہ کر دیا ہے آپؐ کے رب نے کہ تم نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اُس کے اور والدین کے ساتھ احسان (کرو گے)۔ اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں‘ تو مت کہو ان کو اُف بھی اور مت جھڑکو ان کو‘ اور بات کرو ان سے نرمی کے ساتھ۔''

اولاد کے لیے اگرچہ والد اور والدہ دونوں قابل احترام ہیں اور دونوں ہی ان کے حسن سلوک کے مستحق ہیں لیکن بچے کی پیدائش اور پرورش میں ماں کی مشقت اور ذمہ داری چونکہ زیادہ ہے اس لیے اولاد کی طرف سے خدمت اور حسن سلوک کے حوالے سے اس کا حق بھی فائق ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان میں ماں کے خصوصی حق کا ذکر یوں فرمایا گیا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ ''اور ہم نے وصیت کی انسان کو اس کے والدین کے بارے میں‘ اس کو اٹھائے رکھا اس کی ماں نے (اپنے پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری جھیل کر‘ پھر اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سال میں۔''

والدہ کے خصوصی حق کی وضاحت ایک حدیث میں بھی ملتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے بڑھ کر مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری والدہ!'' انہوںؓ نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''پھر تمہاری والدہ!'' یہ سوال انہوں نے چار مرتبہ دہرایا۔ جواب میں آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: تمہاری والدہ۔ جبکہ چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ''پھر تمہارا والد!''(۱) البتہ اس حوالے سے یہ نکتہ مدنظر رہنا چاہیے کہ والدہ کے حق کی یہ فوقیت اخلاقی اعتبار سے ہے جبکہ قانونی طور پر والد کا حق ہی فائق ہے۔ مثلاً اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے: ((اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ))(۲) لیکن اگر میاں بیوی میں علیحدگی ہو جائے تو اسلامی قانون اولاد

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب من احق الناس بحسن الصحبة۔ وصحیح مسلم‘ کتاب البر والصلة والآداب‘ باب بر الوالدين ......

(۲) الجامع الصغير للسيوطى‘ ح: ۳۶۴۲۔ راوی: انس بن مالکؓ۔

پر والد ہی کا حق تسلیم کرتا ہے۔

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ﴾ ”اس کی ماں نے اسے اٹھائے رکھا (پیٹ میں) تکلیف جھیل کر اور اسے جنا تکلیف کے ساتھ۔“

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ﴾ ”اور اس کا یہ حمل اور دودھ چھڑانا ہے (لگ بھگ) تیس مہینے میں۔“

ان دو جملوں میں ان تمام اضافی تکالیف اور مشقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جو والد کے مقابلے میں صرف والدہ کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ بچے کی پیدائش اور پرورش میں والد بالواسطہ طور پر حصہ لیتا ہے جبکہ والدہ اس پورے عمل میں براہِ راست کردار ادا کرتی ہے۔ دورانِ حمل کی گوناگوں پریشانیوں، وضع حمل کی جان لیوا تکلیفوں اور رضاعت و پرورش کی صبر آزما مشقتوں کو وہ تن تنہا جھیلتی ہے۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے“

بچے کی جسمانی بلوغت تو سولہ سترہ سال کی عمر میں ہو جاتی ہے، لیکن یہاں ذہنی اور نفسیاتی بلوغت اور پختگی کا ذکر ہوا ہے اور اس کی کم از کم حد چالیس سال بتائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام ؊ کو چالیس برس کی عمر میں منصبِ نبوت پر فائز کیا جاتا رہا ہے، جیسا کہ خود حضور ﷺ کو بھی نبوت چالیس برس کی عمر میں ملی۔ البتہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کچھ استثناء کی مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی حکمت عطا کر دی گئی تھی، جیسا کہ سورۂ مریم کی اس آیت سے واضح ہے: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾﴾ ”اور ہم نے اسے عطا کر دی حکمت و دانائی بچپن میں ہی“۔ اور ایسا ہی معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی تھا۔ لیکن عام قاعدہ کے تحت ذہنی و نفسیاتی بلوغت (maturity) کی حد چالیس سال ہی ہے۔ اور اس حوالے سے آیت زیر مطالعہ میں ایک بچے کی مثال دی گئی ہے کہ جب وہ اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل طے کر کے چالیس برس کی عمر میں ذہنی پختگی کو پہنچ جاتا ہے تو:

﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ﴾ ”وہ کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں شکر کر سکوں تیرے انعامات کا جو تُو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائے۔“

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ﴾ ”اور یہ کہ میں ایسے اعمال کروں جنہیں تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں بھی اصلاح فرما دے۔“

اس دعا کا اسلوب خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے۔ دعا صرف یہ نہیں کہ میری اولاد کی اصلاح فرما دے اور انہیں نیک بنا دے، بلکہ الفاظ کے مفہوم کی اصل روح یہ ہے کہ میری نسل میں میرے لیے اصلاح فرما دے، ان میں میرے لیے بہتری پیدا فرما دے۔ اس لیے کہ بچے اگر صالح اور نیک ہوں گے تو اپنے والدین کے لیے

مغفرت کی دعا کریں گے۔ اگر والدین نے اولاد کی اچھی تربیت کی ہو گی تو ان کے نیک اعمال میں سے والدین کو بھی صدقہ جاریہ کے طور پر حصہ ملتا رہے گا۔ یوں اولاد کی بہتری اور اصلاح گویا والدین کے لیے بھی فائدہ مند ہو گی۔ بالکل یہی مفہوم اس دعا کا بھی ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾﴾ (الفرقان) ''اور وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔''

﴿اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں (تیرے) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

آیت ۱۶ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ فِیۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین اعمال قبول فرمائیں گے' اور ہم ان کی خطاؤں سے بھی درگزر فرمائیں گے' (اور وہ ہوں گے) جنت والوں میں سے۔''

﴿وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا۔''

ان آیات میں ایک ایسے شخص کے کردار کی تصویر دکھائی گئی ہے جو اپنے والدین کا نیک اور صالح بیٹا ہے۔ شعور کی پختگی کو پہنچتے پہنچتے اس کے دل و دماغ میں خیالات و نظریات کا جو ہیولا تیار ہوا ہے اس کا خوبصورت عکس اوپر آیت ۱۵ کے دعائیہ الفاظ سے جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد آئندہ آیات میں جس کردار کی تصویر دکھائی جارہی ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَالَّذِیۡ قَالَ لِوَالِدَیۡهِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ﴾ ''اور ایک وہ شخص ہے جو اپنے والدین سے کہتا ہے کہ میں بیزار ہوں آپ دونوں سے' کیا آپ مجھے اس سے ڈراتے ہیں کہ میں نکال کھڑا کیا جاؤں گا (زندہ کر کے قبر سے)؟''

والدین مسلمان ہیں' نیک سیرت ہیں' لیکن بیٹا آوارہ اور ذہنی طور پر گمراہ ہو چکا ہے۔ وہ نہ اللہ کو مانتا ہے' نہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ اپنے والدین سے تو تکار کرتا ہے کہ یہ آپ مجھے کیا ہر وقت حساب کتاب کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں! تُف ہے آپ لوگوں پر! میں آپ کے ان ڈھکوسلوں کی خودساختہ تفصیلات سن سن کر تنگ آ گیا ہوں! بس آپ لوگ مجھے مزید سمجھانا چھوڑ دیں! میں کسی آخرت واخرت کو نہیں مانتا!

﴿وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِیۡ ۚ﴾ ''حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی ہی نسلیں گزر چکی ہیں!''

اب تک نسل در نسل کروڑوں' اربوں لوگ اس دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ اُن میں سے تو آج تک کوئی اُٹھ کر نہ آیا۔ ایک وقت میں ان سب کا زندہ ہونا اور پھر ایک ایک کا حساب کتاب ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔ میں ایسی دقیانوسی باتوں کو ماننے والا نہیں ہوں۔

﴿وَهُمَا یَسۡتَغِیۡثٰنِ اللّٰهَ وَیۡلَکَ اٰمِنۡ ٭ۖ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ﴾ ''اور وہ دونوں اللہ کی دہائی دے کر

کہتے ہیں: بربادی ہو تیری ایمان لے آ! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“

﴿فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝۱۷﴾ ”لیکن وہ کہتا ہے: یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“

یہ دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کی باتیں بس فرضی کہانیاں ہیں جو پچھلے زمانے سے سینہ بہ سینہ نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات صادق آئی“

یعنی ایسے لوگ اللہ کے کلمۂ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ﴾ ”(یہ بھی شامل کر دیے جائیں گے) ان قوموں میں جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں جنوں اور انسانوں میں سے۔“

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ۝۱۸﴾ ”یقیناً یہی لوگ ہیں خسارے والے۔“

آیت ۱۹ ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ﴾ ”اور ہر ایک کے لیے درجے (اور مقامات) ہوں گے ان کے اعمال کے اعتبار سے۔“

﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝۱۹﴾ ”اور تاکہ وہ پورا پورا دے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔“

آیت ۲۰ ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ﴾ ”اور جس دن یہ کافر پیش کیے جائیں گے آگ پر۔“

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ﴾ ”(اُس وقت ان سے کہا جائے گا:) تم اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے تم نے خوب فائدہ اٹھالیا۔“

تم دنیا میں خوب عیش کر چکے ہو حلال و حرام کی تمیز سے بالاتر ہو کر تم نے وہاں بہت مزے اڑائے ہیں۔

﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۝۲۰﴾ ”تو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا بسبب اس تکبر کے جو تم زمین میں ناحق کرتے رہے ہو اور بسبب ان نافرمانیوں کے جو تم کرتے رہے ہو۔“

آیات ۲۱ تا ۲۸

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝۲۱ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا
عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝۲۲ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ
اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ع
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا
اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

آیت ۲۱ ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ ’’اور ذرا تذکرہ کیجیے قومِ عاد کے بھائی (ہودؑ) کا‘ جب اُس نے خبردار کیا اپنی قوم کو احقاف میں‘‘

جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحلی علاقے کو پرانے زمانے میں ’’احقاف‘‘ کہا جاتا تھا جہاں قومِ عاد آباد تھی‘ اب یہ علاقہ لق ودق صحرا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ﴾ ’’اور اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی بہت سے خبردار کرنے والے گزر چکے تھے‘‘

یعنی ایسے خبردار کرنے والے اُس سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور اس کے بعد بھی آتے رہے —— اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے بارے میں قبل ازیں بھی کئی مرتبہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کسی قوم میں پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اور پھر آخر میں اتمامِ حجت کے لیے ایک رسولؑ کو مبعوث کیا جاتا تھا۔ وہ سب کے سب ایک ہی دعوت دیتے تھے۔

﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ﴾ ’’کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے!‘‘

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا‘‘

آیت ۲۲ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ﴾ ’’انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو؟‘‘

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ’’تو جس عذاب کی دھمکی تم ہمیں دے رہے ہو وہ ہم پر لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو!‘‘

آیت ۲۳ ﴿قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ﴾ ’’اس نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے‘‘

یعنی عذاب کے بارے میں تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اگر آئے گا تو کب آئے گا اور کس صورت میں آئے گا۔

مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں۔

﴿وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾ ''اور میں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں وہ پیغام جو اُس نے مجھے دے کر بھیجا ہے''
میری ذمہ داری تو صرف اللہ کا پیغام تم لوگوں تک واضح طور پر پہنچا دینے اور اس کے مطابق تمہیں خبردار کردینے کی حد تک ہے۔

﴿وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۳﴾ ''لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بالکل جہالت کی روش اختیار کر رہے ہو۔''

یہ تمہاری جہالت کی انتہا ہے کہ میری یہ باتیں سننے اور ان پر غور کرنے کے بجائے بغیر سوچے سمجھے تم ان کی نفی کرنے پر تُل گئے ہو۔

آیت ۲۴ ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ﴾ ''پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو دیکھا بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے''

﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ﴾ ''تو انہوں نے کہا: یہ تو بادل ہے جو ہم کو سیراب کرنے والا ہے۔''
وہ اسے دیکھ کر خوشیاں منانے لگے کہ ابھی بارش ہوگی اور جل تھل ایک ہوجائیں گے۔

﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ﴾ ''نہیں! بلکہ یہ تو وہ شے ہے جس کے بارے میں تم نے جلدی مچا رکھی تھی!''

تم لوگ خود ہی کہتے تھے نا کہ لے آؤ ہم پر عذاب اگر لا سکتے ہو تو دیکھ لو:

﴿رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۴﴾ ''یہ وہ جھکڑ ہے جس میں بہت دردناک عذاب ہے۔''

اس تیز ہوا کے جھکڑ کی کیفیت سورۃ الحاقہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے: ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷﴾ ''اللہ نے مسلط کیے رکھا اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن، نیست و نابود کر دینے کے لیے، پس تم دیکھتے اس قوم کو اس میں پچھڑے ہوئے جیسے وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں۔''

آیت ۲۵ ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ ''تباہ و برباد کرتا ہے ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے''

دمر کے مادہ میں کسی درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ بڑے قد آور لوگ تھے اس لیے ان کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور اسی لیے سورۃ الحاقہ کی مذکورہ بالا آیت میں انہیں زمین پر پڑے ہوئے کھجور کے تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ﴾ ''پھر وہ ایسے ہو گئے کہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا سوائے ان کے مسکنوں کے۔''

ان کے عالی شان گھر اور ان کی بڑی بڑی حویلیاں تو نظر آ رہی تھیں مگر ان کے مکینوں کی کچھ خبر نہیں تھی۔

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴿٢٥﴾﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں مجرموں کی قوم کو۔''

آیت ۲۶ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ ''اور ہم نے جو تمکّن انہیں دیا تھا ایسا تمکّن ہم نے تمہیں نہیں دیا ہے''

قریشِ مکّہ کو مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ جو طاقت اور شان و شوکت قومِ عاد کو عطا ہوئی تھی اور جو وسائل انہیں میسّر تھے تم لوگوں کے پاس تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ قبل ازیں سورۃ الاعراف کی آیت ۶۹ کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے قومِ عاد اپنے زمانے کی بہت ترقی یافتہ قوم تھی۔ شداد اسی قوم کا بادشاہ تھا جس نے خصوصی طور پر ایک شہر بسا کر اسے جنتِ ارضی کا نام دیا تھا۔ قومِ عاد کا علاقہ اب لق و دق صحرا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس صحرا میں شداد کے مذکورہ شہر کی باقیات زیرِ زمین سیٹلائیٹ کے ذریعے سے دریافت ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ شہر کی فصیل پر بنے ہوئے ۳۰ کے قریب ستون بھی گن لیے گئے ہیں۔ اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمام نشانیاں ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے آتی چلی جائیں گی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً﴾ ''اور ہم نے انہیں کان' آنکھیں اور دل (یا عقلیں) عطا کیے تھے۔''

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''تو ان کے کچھ بھی کام نہ آئے ان کے کان' نہ ان کی آنکھیں اور نہ ہی ان کے دل (عقلیں)''

﴿اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴿٢٦﴾﴾ ''جبکہ وہ انکار ہی کرتے رہے اللہ کی آیات کا اور ان کو گھیر لیا اسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ ''اور ہم نے ہلاک کیا ہے بہت سی ایسی بستیوں کو جو تمہارے اردگرد آباد تھیں''

وہ تمام اقوام جن کے انجام کا ذکر قرآن میں تکرار کے ساتھ آیا ہے جزیرہ نمائے عرب کے اردگرد کے علاقوں میں آباد تھیں۔ احقاف یعنی قومِ عاد کا علاقہ مکہ سے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ قومِ ثمود کا علاقہ (مدائن صالح) مکہ سے شمال میں تھا اور شمال ہی کے رخ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا علاقہ مدین تھا۔ جبکہ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے ساحل پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ اس قوم کے شہروں کے کھنڈرات بھی بحیرہ مردار کے اندر سے دریافت ہو چکے ہیں۔

﴿وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿٢٧﴾﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر ان کو اپنی آیات سنائیں تا کہ وہ رجوع کریں۔''

آیت ۲۸ ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً﴾ ''تو کیوں نہ مدد کی ان کی اُن ہستیوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا تقرب (الی اللہ) کا ذریعہ سمجھتے ہوئے!''

ان کا خیال تھا کہ ان کے معبود انہیں اللہ کے قریب کرنے کا ذریعہ بنیں گے اور ہر مشکل میں ان کی مدد کریں گے۔

﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ﴾ ”بلکہ وہ سب تو ان سے گم ہو گئے“

جب ان پر عذاب آیا تو ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کے کام نہ آیا اور انہیں یوں لگا جیسے کہ حقیقت میں ان کے معبودوں کا کوئی وجود تھا ہی نہیں‘ بس بقول میر درد: ع ”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا‘ جو سنا افسانہ تھا!“

﴿وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾﴾ ”اور یہ تھا ان کا جھوٹ اور جو کچھ وہ افترا کر رہے تھے۔“

آئندہ آیات میں ان جنّات کا ذکر ہوا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے قرآن سن کر ایمان لے آئے اور پھر اپنی قوم کی طرف مبلّغ بن کر لوٹے۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کے طائف سے واپسی کے سفر کے دوران پیش آیا۔ وہ ایام حضور ﷺ کے لیے یقیناً بہت سخت تھے۔ ایک طرف آپؐ اہلِ طائف کے رویّے کی وجہ سے دل گرفتہ تھے تو دوسری طرف مکہ واپس جانے کے لیے بھی حالات سازگار نہیں تھے۔ اس صورت حال میں آپؐ نے چند دن وادیٔ نخلہ میں قیام فرمایا۔ وہاں ایک دن آپؐ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے کہ جنّوں کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نماز میں حضور ﷺ امام تھے اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مقتدی تھے۔ وادی کی کھلی فضا‘ فجر کا وقت اور اللہ کے رسول ﷺ کی زبانِ اطہر سے ”قرآن الفجر“ (بنی اسرائیل: ۷۸) کی طویل قراءت! قریب سے گزرتے ہوئے جنّات ٹھٹک کر رہ گئے۔ آپؐ قرآن پڑھتے رہے اور وہ سنتے رہے۔ قراءت ختم ہوئی تو ان کی دنیا بدل چکی تھی‘ وہ سب کے سب ایمان لے آئے‘ بلکہ واپس جا کر انہوں نے اپنی قوم میں فوراً تبلیغ بھی شروع کر دی۔ جنّات کا یہ واقعہ ہمارے لیے اس لحاظ سے لائق عبرت ہے کہ جنّات نے ایک ہی مرتبہ قرآن سنا اور وہ نہ صرف ایمان لے آئے بلکہ قرآن کے داعی اور مبلّغ بھی بن گئے‘ لیکن ہم بار بار قرآن سنتے ہیں اور ہر بار گویا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ نہ تو قرآن ہمارے دلوں میں اترتا ہے اور نہ ہی ہماری زندگیوں میں اس سے کوئی تبدیلی آتی ہے۔

آیات ۲۹ تا ۳۵

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ
فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ
مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ
اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ
لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ
بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ
كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا
الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

آیت ۲۹ ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جب ہم نے آپ کی طرف متوجہ کر دیا جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سننے لگے۔''

﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ﴾ ''تو جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا: چپ ہو جاؤ!''

تلاوتِ قرآن کی سماعت کے بارے میں خود قرآن کا بھی یہی حکم ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾﴾ (الاعراف) ''اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے پوری توجہ کے ساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبعاً نیک اور شریف قسم کے جِنات تھے۔ اگلی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اہلِ کتاب جِن تھے۔ چنانچہ وہ فوراً ہی اللہ کے کلام کو پہچان گئے اور اس کو پورے ادب واحترام سے سننے لگے۔

﴿فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''پھر جب (قراءت) ختم ہوئی تو وہ پلٹے اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے بن کر۔''

آیت ۳۰ ﴿قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ ''انہوں نے کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے''

گویا وہ جِنّات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔ یہاں پر جنات کے اس قول کے حوالے سے یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ تورات کے بعد جو ''کتاب'' نازل ہوئی وہ قرآن ہے۔ اگرچہ ہم عرفِ عام میں انجیل کو بھی کتاب کہہ دیتے ہیں لیکن وہ اصطلاحی مفہوم میں باقاعدہ ''کتاب'' نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس میں شریعت نہیں تھی۔ دراصل لفظ ''کتاب'' میں لغوی اعتبار سے شریعت (قوانین، احکام، فرائض وغیرہ) کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں احکام کی فرضیت کا ذکر اکثر ''کتب'' کے مشتقات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۳ میں نماز کے اوقات کے حوالے سے ''کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا'' کے الفاظ آئے ہیں، پھر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۵ میں ''کتاب'' کا لفظ ''عدت'' کے مترادف کے طور پر آیا ہے: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ﴾۔ اور ''کُتِبَ عَلَيْكُمْ'' کے الفاظ تو قرآن میں بہت تکرار سے آئے ہیں۔

ظاہر ہے مذکورہ جِنّات اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُمتی تھے تو وہ لازماً انجیل کو بھی جانتے ہوں گے۔ لیکن انہوں نے اس کا ذکر کرنے کے بجائے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیا کہ آپؑ کے بعد اب ایک کتاب نازل ہوئی ہے جس کی تلاوت ہم سن کر آئے ہیں۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے لفظ ''کتاب'' کا اطلاق تورات پر ہوتا ہے یا پھر قرآن پر، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شریعتِ موسوی ؑ کے بعد

جو شریعت آئی ہے وہ شریعتِ محمدیؐ ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۰﴾ ’’تصدیق کرتی ہوئی اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے (یعنی تورات)‘ راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور ایک سیدھے راستے کی طرف۔‘‘

’’طریقِ مستقیم‘‘ کا بھی وہی مفہوم ہے جو ’’صراطِ مستقیم‘‘ کا ہے۔ طریق اور صراط دونوں کے لغوی معنی راستے کے ہیں۔ اسی طرح لفظ سبیل بھی راستے کے معنی دیتا ہے اور ’’سواء السبیل‘‘ کے معنی بھی سیدھے راستے کے ہیں۔

آیت ۳۱ ﴿يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ﴾ ’’اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہو‘‘

﴿وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۱﴾ ’’اور اس پر ایمان لے آؤ تا کہ وہ (اللہ) تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اور جو کوئی لبیک نہیں کہتا اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار پر تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے زمین میں‘‘

﴿وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۲﴾ ’’اور نہیں ہوں گے اُس کے لیے اللہ کے مقابلے میں دوسرے مددگار۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔‘‘

یہاں پر ’’دَاعِيَ اللّٰهِ‘‘ کے حوالے سے یہ نکتہ ذہن میں مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب تک دنیا میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا انبیاء ورسل علیہم السلام ہی ’’اللہ کے داعی‘‘ تھے۔ لیکن اب حضور ﷺ کے بعد آپؐ کے اُمتیوں کو ’’دَاعِيَ اللّٰهِ‘‘ کی حیثیت سے لوگوں کو قرآن کی طرف بلانا ہے‘ انہیں اقامت دین کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے اور اس جدوجہد میں اپنا تن من دھن کھپانے کے لیے انہیں اس طرح آمادہ کرنا ہے کہ ہر بندۂ مؤمن کی زندگی سورۃ الانعام کی اس آیت کی تصویر بن جائے: ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۲﴾ ’’آپؐ کہیے: میری نماز‘ میری قربانی‘ میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

اس کام کے لیے اب چونکہ کوئی نبی نہیں آئے گا‘ اس لیے ’’دعوت الی اللہ‘‘ کا یہ مقدس فریضہ اس امت کو سونپ دیا گیا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳) ’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسولؐ تم پر گواہ ہو‘‘۔ سورۂ آلِ عمران میں اس ذمہ داری کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی گئی: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۱۰) ’’تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے‘ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔‘‘

آیت ۳۳ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ

﴿يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور ان کی تخلیق سے تھکا نہیں' وہ اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے!''

یہ عقلی دلیل ہے اس شخص کے لیے جو اللہ کو ''خالق'' تو مانتا ہے مگر بعث بعد الموت پر یقین نہیں رکھتا۔ سورۂ قٓ کی آیت ۱۵ میں بھی ایسے ''فلسفیوں'' سے سوال کیا گیا ہے: ﴿اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ﴾ کہ کیا ہم کائنات اور اس کی مخلوقات کو ایک دفعہ تخلیق کرنے کے بعد تھک گئے ہیں؟ کیا اب ہماری تخلیقی سرگرمیاں مُعطّل ہو گئی ہیں؟ اور کیا مزید نئی چیزیں بنانے کی ہماری صلاحیت اب ختم ہو کر رہ گئی ہے؟

﴿بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۳﴾ ''کیوں نہیں' یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۳۴ ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور جس روز پیش کیے جائیں گے یہ کافر آگ پر' (اور ان سے پوچھا جائے گا:) کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟''

کہ دنیا میں تو تم لوگ بعث بعد الموت کی باتوں کو ڈھکوسلے سمجھتے تھے' آخرت اور اس کی سزا و جزا کی خبروں کو فرضی کہانیاں قرار دیتے تھے جبکہ جہنم اور اس کے عذاب کی وعیدیں تمہیں محض جھوٹے ڈراوے لگتے تھے۔ آج تم دوبارہ زندہ ہو کر ''آخرت'' کے عالم میں پہنچ چکے ہو' اب تم آخرت کے تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ دیکھو! یہ ہے جہنم کی آگ تمہارے سامنے جس کے بارے میں تمہیں بار بار خبردار کیا گیا تھا۔ اب بتاؤ کیا یہ حقیقت ہے یا تمہارا واہمہ؟

﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ﴾ ''وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی قسم یہ (حق ہے)!''

﴿قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۴﴾ ''اللہ فرمائے گا: تو اب چکھو عذاب کا مزہ اپنے اس کفر کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔''

اب آخر میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے خصوصی ہدایت دی جا رہی ہے:

آیت ۳۵ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ''تو (اے محمد ﷺ!) آپ بھی صبر کیجیے جیسے اولوالعزم رسولؑ صبر کرتے رہے ہیں''

''اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ'' کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ ان سے مراد وہ پانچ پیغمبر ہیں جن کا ذکر قبل ازیں سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں ہوا ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ......﴾ (آیت ۱۳) ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے دین میں اُس نے وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اُس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ!) آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو......'' گویا حضرت محمد ﷺ کے علاوہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام اس فہرست میں شامل ہیں۔ البتہ بعض علماء حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی ان کے ساتھ شامل کرتے ہیں اور اس طرح ان کے نزدیک ''اولوالعزم من الرسل'' کی تعداد سات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں ہر پیغمبر

کی شخصیت کا کوئی خاص پہلو امتیازی شان کا حامل نظر آتا ہے۔ مثلاً دعوت و تبلیغ کے میدان میں عزم اور استقامت کے لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے آگے ہیں۔ آپؑ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دی اور ان کی طرف سے ہر قسم کی مخالفت اور تکلیف کو برداشت کیا: ﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ﴾ (العنکبوت: ۱۴)۔ اسی طرح ذاتی تکلیف اور بیماری پر صبر کرنے کے اعتبار سے حضرت ایوب علیہ السلام کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اس لحاظ سے ''صبر ایوبؑ'' ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ﴾ ''اور ان کے لیے جلدی نہ کیجیے!''

اس سے پہلے سورۃ الزخرف کے اختتام پر بھی ایسی ہی ہدایت دی گئی ہے: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے درگزر کیجیے اور کہیے سلام ہے' تو بہت جلد یہ لوگ جان جائیں گے''۔ پھر سورۃ الدخان کے آخر میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''تو آپؐ انتظار کیجیے' یقیناً وہ بھی انتظار کر رہے ہیں''۔ ایک ہی گروپ کی ان سورتوں میں ایک جیسے الفاظ اور مفہوم کی حامل ان آیات کی تکرار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سورتوں کے نزول کے زمانے میں مکہ کے حالات اہلِ ایمان کے لیے واقعتاً بہت سخت تھے اور ان کے لیے ایک ایک دن گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ ان حالات میں ممکن ہے کبھی حضور ﷺ کے دل میں بھی یہ خیال آتا ہو' لیکن اہلِ ایمان کے ذہنوں میں ایسے سوالات کا آنا بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دشمنانِ حق کو ہم پر ظلم و ستم ڈھانے کی کھلی چھوٹ آخر کیوں دے رکھی ہے؟ ان لوگوں پر پہلی نافرمان قوموں کی طرح عذاب کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ بلالؓ پر تشدد کرتے ہوئے اُمیہ بن خلف کے ہاتھ کیوں شل نہیں ہو جاتے؟ اللہ تعالیٰ تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ وہ اپنے ان باغیوں کو اتنی ڈھیل کیوں دیے جا رہا ہے؟ چنانچہ اس انتہائی نازک صورتِ حال میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے گویا اہل ایمان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مشرکینِ مکہ پر عذاب کا وقت ابھی نہیں آیا' ابھی اللہ کی مشیت میں ان لوگوں کو کچھ اور مہلت دینا مقصود ہے۔ لہٰذا تم لوگ صبر سے کام لو اور کچھ دیر مزید انتظار کرو!

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ﴾ ''جس دن یہ لوگ دیکھیں گے اس (عذاب) کو جس کی انہیں وعید سنائی جا رہی ہے (تو ایسے محسوس کریں گے) گویا نہیں رہے تھے (دنیا میں) مگر دن کی ایک گھڑی۔''

﴿بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''یہ پہنچا دینا ہے! کیا سوائے نافرمان لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا؟''

یعنی ہمارے رسولؐ کی ذمہ داری تو ان لوگوں تک اللہ کا یہ پیغام پہنچا کر حجت قائم کر دینے کی حد تک ہے' جو انہوں نے ادا کر دی ــــــ اب ہلاک تو وہی ہوں گے جنہوں نے اس دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نافرمانی کی روش اختیار کی۔

بیان القرآن

سُورَۃُ مُحَمَّد

(۴۷)

سُورۃ مُحَمَّد

تمہیدی کلمات

سورۃ الاحقاف کے اختتام پر مکی مدنی سورتوں کے پانچویں گروپ کی تیرہ مکی سورتوں (سورۂ سبا تا سورۃ الاحقاف) کا مطالعہ مکمل ہو گیا۔ اب ہم اس گروپ کی تین مدنی سورتوں کا مطالعہ کریں گے۔ ان میں پہلی دو سورتیں یعنی سورۂ محمد (ﷺ) اور سورۃ الفتح تو ہم وزن ہیں اور ان میں باہم جوڑے کا تعلق بھی ہے' جبکہ تیسری سورت یعنی سورۃ الحجرات کو سورۃ الفتح کا ضمیمہ کہا جا سکتا ہے' اگرچہ سورۃ الحجرات مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے استحکام کے لیے ہدایات کے اعتبار سے قرآن حکیم کی اہم ترین سورت ہے۔

سورۂ محمد اور سورۃ الفتح کی باہمی نسبت ان دونوں کی ترتیب کے اس ربط سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں پہلی سورت کی نسبت حضور ﷺ کی مسلح جدوجہد کے آغاز سے ہے جبکہ دوسری کا تعلق اس جدوجہد کے اختتام سے۔ یعنی سورۂ محمد کا نزول حضور ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کے مرحلۂ تصادم کے آغاز (غزوۂ بدر) سے متصلاً قبل ہوا جبکہ سورۃ الفتح اس مرحلے کی آخری فتح یعنی فتح مکہ سے متصلاً قبل نازل ہوئی۔

سورۂ محمد کا دوسرا نام ''سورۃ القتال'' بھی ہے۔ اپنے زمانۂ نزول کے اعتبار سے یہ گویا سورۃ البقرۃ کا ضمیمہ ہے۔ سورۃ البقرۃ کی بیشتر آیات ہجرت کے بعد سے لے کر غزوۂ بدر تک کے زمانہ میں نازل ہوئیں اور اس کے مکمل ہونے کے فوراً بعد اور غزوۂ بدر سے متصلاً قبل سورۂ محمد اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کی تحریک ''اقدام'' کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس مرحلے کا آغاز سورۃ الحج کے اس حکم سے ہوا: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ﴾ (آیت ۳۹) ''اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے' اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔''

اس سے پہلے مکی دور کے دوران مسلمان صبرِ محض (passive resistance) اور ہاتھ بندھے رکھنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے اور اس دور میں انہیں اپنے دفاع میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ جب حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کپڑے اتار دو تو آپؓ نے اتار دیے' پھر جب کہا گیا کہ دہکتے ہوئے انگاروں پر پشت کے بل لیٹ جاؤ تو آپؓ نے اس حکم کی بھی بلا حیل و حجت تعمیل کی۔ اسی طرح ابوجہل علی الاعلان آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا کرتا تھا لیکن کسی مسلمان کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

بہرحال سورۃ الحج کی مذکورہ آیت کے نزول کے بعد حکمت عملی یکسر تبدیل ہو گئی۔ اب تو گویا سربکف ہو کر میدان میں نکلنے کا حکم تھا۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے بہت بھاری تھا جن کے دلوں میں روگ تھا۔ چنانچہ منافقین اصلاح اور صلح جوئی کے نام پر جہاد و قتال کے خلاف ہر وقت ہرزہ سرائی کرتے رہتے تھے کہ اس لڑائی بھڑائی کا کیا

فائدہ؟......اگر کوئی دشمن گُڑ کھلانے سے مر جائے تو اسے زہر دینے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟......ہمیں تو اپنے دعوت و تبلیغ کے کام کو جاری رکھنا چاہیے......قریش مکہ کے خلاف مہم جوئی کرنا اچھا اقدام نہیں......ان کے تجارتی قافلوں کے تعاقب جیسی چھیڑ چھاڑ کرنے کے خطرناک نتائج نکلیں گے......وغیرہ وغیرہ۔ وہ اس طرح کی باتیں دراصل اپنے بچاؤ کے لیے کرتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی امتحان میں پڑیں اور ان کا اصل چہرہ بے نقاب ہو۔ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں ان کے کردار کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مت فساد کرو زمین میں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں' مگر انہیں شعور نہیں۔''

منافقین کی طرف سے پیدا کردہ منفی پروپیگنڈے کے اسی ماحول میں سورۂ محمد (ﷺ) نازل ہوئی۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ سورت پورے قرآن میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری سورتوں کی طرح سورۂ محمد کے آغاز میں حروفِ مقطعات یا حمد یہ الفاظ یا قرآن کی تنزیل و عظمت کے بارے میں تعارفی کلمات پر مبنی کوئی اسلوب بھی نہیں پایا جاتا' بلکہ اس کا آغاز بغیر کسی تمہید کے بالکل یک لخت (abruptly) ہوتا ہے اور وہ بھی لفظ اَلَّذِيْنَ سے جو کہ کسی جملے کے آغاز کے لیے عام اسلوب نہیں ہے۔ اسی طرح اس سورت کا اختتام بھی عام سورتوں کے انداز سے ہٹ کر اچانک اختتامیہ کلمات کے بغیر ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت کی ہر آیت کا بھی یہی انداز ہے۔ یعنی اس کی ہر آیت یک لخت شروع ہوتی ہے اور اسی طرح یک لخت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری اکثر سورتوں کے اسلوب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ عام طور پر ان کی آیات کا اختتام اسمائے حسنیٰ یا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر پر ہوتا ہے' لیکن اس سورت کی آیات میں یہ اسلوب بھی نظر نہیں آتا۔ گویا اپنے اسلوب اور انداز کے اعتبار سے یہ ایک بالکل ہی منفرد سورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۵

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ڔ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵
وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ ع ۱۱/۵
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ
فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَاۗءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا
فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝۱۵

آیت ۱ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (اور خود بھی رکے) اللہ نے ان کی ساری جدوجہد کو رائیگاں کر دیا۔“

صَدَّ يَصُدُّ کے بارے میں قبل ازیں بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ یعنی اس کے معنی خود رُکنے اور باز رہنے کے بھی ہیں اور دوسرے کو روکنے کے بھی۔ یہ آیت اپنے مفہوم میں اہلِ ایمان کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اب تک مخالفینِ حق نے جو جدوجہد بھی کی ہے وہ سب اَکارت ہو چکی ہے اور تمام تر مخالفتوں کے باوجود انقلابِ نبویؐ کا قافلہ عنقریب اپنی منزلِ مقصود پر خیمہ زن ہونے والا ہے۔

آیت ۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ﴾
”اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے اور جو ایمان لائے اُس شے پر جو نازل کی گئی محمد (ﷺ) پر اور وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے“

﴿كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲﴾ ”اللہ نے دور کر دیں ان سے ان کی خطائیں اور ان کے حال کو سنوار دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے گزار کر ان کی شخصیات کو کندن بنا

دیا۔ اس کی نظرِ رحمت سے اُن کی سیرتیں ایمان ویقین کے نور سے جگمگانے لگیں اور ان کے کردار' اخلاق وعمل کی خوشبو سے مہک اٹھے۔

آیت ۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ﴾ ''یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی''

﴿وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کی پیروی کی' جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔''

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳﴾ ''اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔''

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے۔ اس کی بنیادی وجہ الفاظ کی وہ تقدیم وتاخیر ہے جو ہمیں قرآن کی آیات میں بعض جگہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ کئی مرتبہ وضاحت کی جا چکی ہے' الفاظ کی یہ تقدیم وتاخیر قرآن کا خاص اسلوب ہے اور اس کا مقصد کلام کی روانی میں ایک خاص ردھم اور آہنگ کو قائم رکھنا ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں بھی ایسا معاملہ ہو وہاں مفہوم کے درست ادراک کے لیے الفاظ کی اصل ترتیب کے بارے میں گہرے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے مطالعے کے لیے بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔

آیت ۴ ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''تو (اے مسلمانو!) جب تمہاری مڈ بھیڑ ہو کافروں سے''

اب جبکہ تمہاری جدوجہد مسلح تصادم کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور تم لوگ تلوار کا جواب تلوار سے دینے کے لیے میدان میں اُتر پڑے ہو تو جب ان کافروں سے تمہارے مقابلہ کی نوبت آئے:

﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ﴾ ''تو ان کی گردنیں مارنا ہے!''

اب میدان کارزار میں تمہاری پہلی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ جو دشمن حق تمہارے سامنے آئے وہ بچ کر نہ جائے۔ لہٰذا ان کی گردنیں اُڑاؤ' انہیں قتل کرو!

﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم انہیں اچھی طرح سے کُچل دو تب انہیں مضبوطی کے ساتھ باندھو''

یعنی اس مرحلے پر تم بچے کھچے لوگوں کو قیدی بنا سکتے ہو۔

﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ﴾ ''پھر اس کے بعد (تم انہیں چھوڑ سکتے ہو) احسان کر کے یا فدیہ لے کر' یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔''

اس آیت کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے اسلوب پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ الفاظ کی اصل ترتیب یوں ہے: ''فَضَرْبَ الرِّقَابِ، حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ، حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً''۔ گویا اس جملے کے مطابق مقابلے کے مختلف مراحل کی ترتیب یہ ہوگی: پہلے ان کی گردنیں مارو' جب

ان کی طاقت اچھی طرح کچل ڈالی جائے تب انہیں قید میں مضبوط باندھو۔ پھر جب جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے تو اس کے بعد انہیں چھوڑا جا سکتا ہے' چاہے احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔

آیت کے درست مفہوم تک پہنچنے کے لیے اس اہم فلسفے کو بھی سمجھنا ضروری ہے جو یہاں ''حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا'' کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے لیے انگریزی کے دو الفاظ war اور battle کو ذہن میں رکھیے۔ war سے مراد دو فریقوں کی باہمی محاذ آرائی اور کشمکش ہے جو ایک فریق کے فتح یاب اور دوسرے کے سرنگوں ہونے تک جاری رہتی ہے' جبکہ battle سے مراد اس محاذ آرائی کے دوران متعلقہ فریقوں کے درمیان ہونے والا کوئی خاص معرکہ ہے۔ گویا ایک جنگ (war) کے دوران میں کئی لڑائیاں (battles) ہو سکتی ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کے حوالے سے اس نکتے کو یوں سمجھئے کہ مدنی دور میں غلبۂ دین کی جنگ (war) چھ سال تک مسلسل جاری رہی —— اس میں صرف صلح حدیبیہ کی وجہ سے کچھ مدت کے لیے ایک وقفہ آیا تھا —— اس جنگ کے دوران غزوۂ بدر (Battle of Badar) ' غزوۂ اُحد (Battle of Uhad) ' غزوۂ احزاب (Battle of Ahzaab) ' غزوۂ بنی مصطلق (Battle of Bani Mustalaq) اور بہت سی دوسری لڑائیاں لڑی گئیں۔ لیکن جنگ (war) نے مکمل طور پر ہتھیار اُس وقت ڈالے جب پورے جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین اس حد تک غالب ہو گیا کہ اس کے مقابلے میں باطل کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مزاحمت باقی نہ رہی۔

چنانچہ زیر مطالعہ آیت میں جو حکمت بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کے آخری مرحلے یعنی مسلح تصادم میں جب باطل قوتوں کو علی الاعلان للکارا جا چکا ہو اور مردانِ حق اپنے سروں پر کفن باندھ کر میدانِ کارزار میں اتر پڑے ہوں تو یہ پنجہ آزمائی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل پوری طرح سرنگوں نہ ہو جائے۔ اس دوران کسی مہم یا کسی لڑائی میں پکڑے جانے والے قیدیوں کو کسی بھی شرط پر آزاد کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ انہیں اگلے معرکے میں دوبارہ اپنے مقابلے میں آنے کا موقع دے رہے ہیں۔ جیسے غزوۂ بدر میں کفار کے ستّر (۷۰) جنگجوؤں کے مارے جانے سے ان کی طاقت کو ایک حد تک تو نقصان پہنچا تھا' مگر ان کی جنگی صلاحیت پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے ۷۰ قیدیوں کی آزادی ان کے لیے پھر سے تقویت کا باعث بن گئی اور فدیہ دے کر آزاد ہونے والے قیدیوں میں سے اکثر افراد اگلے سال مسلمانوں کے مقابلے کے لیے پھر سے میدان میں تھے۔

دوسری طرف اس حوالے سے ایک نکتہ یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے سے متعلق حضور ﷺ کا فیصلہ ایک اجتہاد تھا' جس کا تعلق جانچ (judgement) سے تھا۔ یعنی اس معاملے میں حضور ﷺ کا اندازہ تھا کہ کفار کی طاقت کچلی جا چکی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اجتہاد کی دونوں صورتیں (خطا اور صواب) ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں اور دونوں پر ہی اجر بھی ملتا ہے۔ البتہ اجتہاد میں تصویب کی صورت میں دہرے اجر کا وعدہ ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں چونکہ قیدیوں کو فدیے کے عوض رہا کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس اختیار کی رو سے مذکورہ فیصلہ فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بہتر طور پر معلوم تھا کہ کفر کی جنگی صلاحیت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اسی لیے سورۃ الانفال (جو اس

سورت کے بعد نازل ہوئی) میں حضور ﷺ کے اس فیصلے سے متعلق یہ تبصرہ نازل ہوا تھا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷﴾ ''کسی نبی کے لیے یہ روا نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خوب خوں ریزی نہ کر دے۔ تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے' اور اللہ عزیز اور حکیم ہے''۔ ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جو کچھ (فدیہ وغیرہ) تم نے لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا سخت عذاب آتا''۔ یہاں ''کتاب'' سے مراد آیت زیر مطالعہ کا یہ حکم ہے جس میں فدیہ کے عوض قیدیوں کو چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ محمد (ﷺ) کی آیت ۴ کا حکم پہلے سے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر سخت گرفت ہوتی۔ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹﴾ ''تو اب کھاؤ جو تمہیں ملا ہے غنیمت میں سے (کہ وہ تمہارے لیے) حلال اور طیب (ہے)' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے''۔

سورۃ الانفال کی یہ آیت بھی مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے بھی آیت زیر مطالعہ کی درست تفہیم ضروری ہے۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ کے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں خوب قتل کرو' پھر جب کفر کی کمر پوری طرح ٹوٹ جائے تو ان کے بچے کھچے زندہ افراد کو قیدی بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پھر جب دشمن کی طرف سے مزاحمت بالکل ختم ہو جائے اور اس کے خلاف تمہاری جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے تو قیدیوں کو آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں' چاہے ان کے عوض فدیہ لے لو یا احسان کرتے ہوئے بلا معاوضہ انہیں رہا کر دو۔

﴿ذٰلِكَ ڔ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ڒ﴾ ''یہ ہے (اس بارے میں حکم)' اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا''

﴿وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ﴾ ''لیکن اللہ آزماتا ہے تمہارے بعض لوگوں کو بعض دوسروں کے ذریعے سے''۔

اللہ تعالیٰ ان کفار سے خود بھی انتقام لے سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو میدانِ بدر میں کفار کے ایک ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کو آنِ واحد میں بھسم کر کے رکھ دیتا۔ لیکن اس نے تمہارے تین سو تیرہ افراد کو ایک ہزار کے طاقت ور لشکر کے مقابلے میں لا کر تمہارے صبر و ایمان اور جذبہ استقامت کا امتحان لینا پسند کیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا''۔

اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا انہیں بھرپور صلہ دے گا۔

آیت ۵ ﴿سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵﴾ ''وہ ان کی راہنمائی کرے گا اور ان کے احوال کو سنوار

دے گا۔"

آیت ۶ ﴿وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝۶﴾ "اور داخل کرے گا انہیں جنت میں جس کی ان کو پہچان کرا دی ہے۔"

یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کا قرآن میں تفصیلی تعارف کرا دیا گیا ہے۔

آیت ۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝۷﴾ "اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔"

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت اہم قانون ہے۔ اگر تم لوگ اللہ کے فرماں بردار بندے بن کر رہو گے' اسی سے مدد مانگو گے' اسی پر توکل کرو گے اور اس کے دین کے غلبے کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مشن بنا لو گے تو وہ تمہیں بے سہارا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا' بلکہ ایسی صورت میں ہر جگہ' ہر گھڑی اس کی مدد آپ لوگوں کے شاملِ حال رہے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر تم لوگ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاؤ گے' ان کی وفاداریوں کا دم بھرو گے' انہیں اپنا حمایتی اور مددگار سمجھو گے' تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے گا۔ پھر تم اللہ سے رو رو کر بھی دعائیں کرو گے تو اس کے حضور تمہاری شنوائی نہیں ہو گی۔

اس کی عملی مثال ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں سامنے آئی تھی۔ اس جنگ کے دوران پاکستان کی کامیابی کے لیے مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ کے اندر تواتر کے ساتھ قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی رہی' مگر عین اسی وقت ہمارے حکمرانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ مدد اور حمایت کے لیے اللہ کے دشمنوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ان کی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔ یعنی دعائیں تو اللہ سے مانگی جا رہی تھیں لیکن بھروسا امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے پر تھا۔ لہٰذا دنیا نے دیکھ لیا کہ حرمین شریفین کے اندر مانگی گئی دعائیں بھی اللہ کے حضور درجہ قبولیت حاصل نہ کر سکیں اور سقوطِ ڈھاکہ کا بدترین سانحہ رونما ہو کر رہا۔ اس صورتِ حال کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ قومی و ملکی سطح پر اتنی بڑی ہزیمت اور ذلت اٹھانے کے بعد بھی ہم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی۔ چنانچہ آج بھی ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے بدستور اللہ کے باغیوں کے سامنے مدد کے لیے ہاتھ پھیلا رکھے ہیں۔ ہمارے حکمران آج بھی انہی کو اپنا سرپرست سمجھتے ہیں اور انہیں کی مدد پر بھروسا کیے بیٹھے ہیں۔ ادھر پورے ملک کی معیشت ہے کہ بڑے دھڑلے سے سود پر چل رہی ہے۔ گویا ملک کے اندر ہم نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلم کھلا اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھلا کیونکر سنے گا اور کیونکر اس کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو گی؟

بہرحال آیت زیر مطالعہ میں اس حوالے سے ہمارے لیے راہنمائی بھی ہے اور خوشخبری بھی کہ اگر تم اللہ کی اطاعت میں مخلص رہو گے' اس کے دین کے جھنڈے کو تھامے رکھو گے اور اقامت دین کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگانے کے لیے آمادہ رہو گے تو وہ تمہاری مدد کے لیے ہر جگہ تمہارے ساتھ موجود ہو گا اور تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔

آیت ۸ ﴿وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝۸﴾ "اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو اُن

کے لیے ناکامی ہے اور وہ ان کے تمام اعمال کو برباد کر دے گا۔''

تَعْس کا معنی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرنا ہے' گویا ناکام و نامراد اور ذلیل و رسوا ہونا۔ اور اس سے مراد ہلاکت بھی ہے۔ یعنی جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی وہ دنیا کی زندگی میں بھی خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ہوں گے' ٹھوکریں کھا کر منہ کے بل گرنا ان کا مقدر ہو گا۔ قیامت کے دن ایسے لوگ راندۂ درگاہ کر دیے جائیں گے اور حصولِ دنیا کے لیے کی جانے والی ان کی تمام جدوجہد ان کے کسی کام نہیں آ سکے گی۔

آیت ۹ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اُس نے ان کے تمام اعمال کو ضائع کر دیا۔''

ایسے لوگوں کے نامہ ہائے اعمال میں جو نیک اعمال ہوں گے وہ بھی سب کے سب ضائع کر دیے جائیں گے۔ جیسے مشرکین میں سے بعض لوگ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے اور حاجیوں کی مہمان نوازی کا خصوصی اہتمام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بہت نیکی کے کام کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سورۃ التوبہ کی آیت ۱۹ میں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اُس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے نزدیک''۔ بہرحال یہ اللہ کا حتمی فیصلہ اور اٹل قانون ہے کہ اگر کوئی اللہ کے نازل کردہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے تمام نیک اعمال بھی برباد ہو جائیں گے اور توشۂ آخرت کے طور پر اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا۔

آیت ۱۰ ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''تو کیا یہ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!''

﴿دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰﴾ ''اللہ نے ان پر ہلاکت کو مسلّط کر دیا' اور ان کافروں کے لیے بھی ان ہی کی مثالیں ہوں گی۔''

جن نتائج سے پہلے گزرنے والی کافر اقوام دوچار ہوئیں ویسے ہی ہلاکت خیز نتائج ان کافروں کا مقدر ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ مولیٰ (پشت پناہ) ہے اہلِ ایمان کا اور یہ کہ کافروں کا کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔''

اسی آیت کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ نے وہ نعرہ اخذ فرمایا تھا جس سے میدانِ اُحد میں کفار کے نعرے کا جواب دیا گیا تھا۔ میدانِ اُحد میں وقتی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہؓ کے ساتھ جبلِ اُحد پر تشریف لے گئے تھے۔ اُس وقت ابوسفیان اور خالد بن ولید (بعد میں دونوں حضرات ایمان لا کر صحابہؓ میں شامل ہوئے) سمیت بہت سے سردارانِ قریش پہاڑ کے دامن میں موجود تھے۔ ان میں سے ابوسفیان نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے پُرجوش انداز میں نعرہ بلند کیا تھا: اُعْلُ هُبَل،

اُعْلُ هُبَل! (ہُبل کی جے!) یعنی آج ہمارے بت ہُبل کا بول بالا ہوا ـــــ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس نعرے کا جواب ان الفاظ سے دیں: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَل! یعنی اللہ ہی سب سے بلند مرتبہ اور بزرگ و برتر ہے‘ اسی کا بول بالا ہے! اس کے جواب میں ابوسفیان نے ایک اور نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ کہ ہمارے لیے تو عُزّٰی جیسی دیوی مدد کے لیے موجود ہے لیکن تمہاری تو کوئی عُزّٰی ہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا جواب اس نعرے سے دینے کا حکم دیا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ کہ ہمارا مولیٰ (مددگار‘ پشت پناہ اور کارساز) تو اللہ ہے‘ جبکہ تمہارا تو کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔ (۱)

آیت ۱۲ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ﴾ ’’یقیناً اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان باغات میں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫﴾ ’’اور جو کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور ایسے کھا رہے ہیں جیسے حیوانات کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) کتنی ہی ایسی بستیاں تھیں جو کہیں زیادہ قوت کی حامل تھیں آپ کی اس بستی سے جس نے آپ کو نکالا ہے۔‘‘

قریش نے اپنی طاقت کے زعم میں اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور تو کر دیا ہے‘ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان سے پہلے دنیا میں ان کے شہر سے کہیں بڑے بڑے شہر آباد تھے اور ان شہروں کے باسی ان سے کہیں بڑھ کر طاقت وشوکت کے حامل تھے مگر:

﴿اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬﴾ ’’انہیں ہم نے ہلاک کر دیا‘ پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ’’تو بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے‘‘

یعنی اس کی سرشت اور فطرت بھی نیک ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اس کو دی ہے وہ اس ہدایت پر بھی قائم ہے۔

﴿كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ⑭﴾ ’’وہ اُس شخص جیسا ہو جائے گا جس کے لیے اس کے بُرے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں‘ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔‘‘

ایسے لوگوں کو وہی کچھ نظر آتا ہے جو ان کی خواہشات کا آئینہ انہیں دکھاتا ہے اور ظاہر ہے یہ آئینہ تو کالے کرتوتوں کو بھی خوشنما بنا کر ہی دکھاتا ہے۔ اسی وجہ سے فرعون نے اہلِ مصر کی تہذیب و روایات کو مثالی

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الجهاد والسیر‘ باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب ...... ح:۳۰۳۹ و کتاب المغازی‘ باب غزوة أحد‘ ح: ۴۰۴۳۔

﴿بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۝٦٣﴾ (طٰهٰ) قرار دیا تھا۔

آیت زیر مطالعہ میں جن دو کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں باہم کوئی مقابلہ یا موازنہ ہے ہی نہیں۔ ایک طرف اللہ کے وہ بندے ہیں جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر ہیں۔ یقیناً وہ کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔ جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی غلامی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ بہر حال ناکام و نامراد ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ﴾ ''مثال اُس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے۔''

﴿فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ﴾ ''اُس میں نہریں ہیں پانی کی جس میں کوئی بُو نہیں۔''

﴿وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ﴾ ''اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔''

﴿وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ﴾ ''اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو سراپا لذت ہے پینے والوں کے لیے۔''

﴿وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ﴾ ''اور نہریں ہیں صاف شفاف شہد کی۔''

﴿وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ﴾ ''اور (مزید برآں) ان کے لیے ہوں گے اس میں ہر قسم کے پھل اور مغفرت ہوگی ان کے رب کی طرف سے۔''

تو بھلا وہ لوگ جو ان جنتوں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کیا وہ:

﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝١٥﴾ ''اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں اور انہیں پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔''

آیات ۱۶ تا ۱۹

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا
قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝١٦ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا
زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝١٧ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ
أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ۝١٨ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ۝١٩ ع ٨

اب یہاں سے اس سورت کا اصل مضمون شروع ہو رہا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون ''قتال فی سبیل اللہ'' ہے اور اسی نسبت سے اس کا دوسرا نام ''سورۃ القتال'' ہے۔ اس مضمون کے تحت آئندہ آیات میں ان لوگوں کی باطنی کیفیات کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی جن کے دلوں میں روگ تھا اور قتال کے ذکر سے ان پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔

آیت ۱۶ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کی بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ ابھی انہوں (محمد ﷺ) نے کیا کہا تھا؟''

یعنی آج حضور ﷺ نے یہ جو ایک نئی بات کہہ دی ہے کہ ہمیں جنگ کے لیے تیار ہونا ہے اور قریش کے تجارتی قافلوں کا تعاقب کرنا ہے' یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے یہاں اہل ِایمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اہل کتاب یہودی بھی۔ یعنی منافقین یہ بات ان مسلمانوں سے پوچھتے جنہیں وہ زیادہ سمجھدار سمجھتے تھے یا یہ کہ یہی بات وہ لوگ یہودیوں سے جا کر پوچھتے جنہیں اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا تھا۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑯﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔''

جہاد و قتال کے تصور سے ان کے دلوں کی گھبراہٹ اور ایثار و قربانی کی باتوں کو قبول کرنے سے ان کی ہچکچاہٹ درحقیقت اس منافقت کی علامت ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰﴾ ''اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔''

جب سے رسول اللہ ﷺ کی تحریک مرحلہ قتال میں داخل ہوئی ہے اہل ایمان کے جوشِ ایمانی' ذوقِ شہادت اور تقویٰ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ﴾ ''تو یہ لوگ اب کس چیز کے منتظر ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ آ دھمکے ان پر اچانک؟ پس اس کی علامات تو ظاہر ہو ہی چکی ہیں۔''

قیامت کی سب سے بڑی نشانی تو خود محمد عربی ﷺ کی بعثت ہے کہ آپؐ آخری رسول ہیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو آپس میں ملا کر فرمایا: ((بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ))(۱) ''میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند (جڑے ہوئے) بھیجے گئے ہیں''۔ ظاہر ہے آپ ﷺ آخری نبی ہیں تو آپؐ کے بعد اب قیامت ہی کو آنا ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَنَا آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ))(۲) ''میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو''

﴿فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ⑱﴾ ''تو جب وہ ان پر آ دھمکے گی تو اُس وقت ان کا نصیحت

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب قول النبی ﷺ بعثت انا والساعة کھاتین۔ وصحیح مسلم' کتاب الفتن وأشراط الساعة' باب قرب الساعة۔

(۲) سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب فتنة الدجال و خروج عیسی ابن مریم ......

حاصل کرنا کس کام کا ہوگا؟''

آیت ۱۹ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ ''بس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی خطاؤں کے لیے (اللہ سے) استغفار کرو''

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کی ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ خطاب اگرچہ صیغہ واحد میں نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن حقیقت میں آپؐ کی وساطت سے یہ ہدایت آپؐ کی اُمت کے لیے ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس اسلوب کی وضاحت حضور ﷺ کے ''تعلق مع اللہ'' کے حوالے سے بھی کی ہے۔ اگر کسی عام بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے چند لمحات کے لیے تعلق مع اللہ میں انشراح کی کیفیت نصیب ہو جائے تو اس کے لیے یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے لیے تو ظاہر ہے ہر وقت ہی انشراح کی کیفیت رہتی تھی اور اس کیفیت کی شدت (intensity) میں کسی ایک لمحے کے لیے ذرا سی بھی کمی کو آپؐ بہت بڑی کوتاہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہاں لفظ ''ذنب'' کے حوالے سے آپؐ کے اسی احساس کی طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَار سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِین'' والا معاملہ ہے۔ یعنی بعض اوقات ایک عام مسلمان کے معیار کی نیکی کسی مقرب بارگاہ کے معیارِ عمل کے سامنے کوتاہی یا گناہ کے درجے میں شمار ہوتی ہے۔ بہرحال نہ تو مقربین بارگاہ کے تعلق مع اللہ کا معاملہ عام مسلمانوں کا سا ہے اور نہ ہی ان کے معاملے میں لفظ ''ذنب'' کی تعریف (definition) کا وہ مفہوم درست ہے جس سے عام طور پر ہم لوگ واقف ہیں۔

اس معاملے میں میری ایک ذاتی رائے بھی ہے جس کا ذکر اگلی سورت یعنی سورۃ الفتح کی آیت ۲ کے ضمن میں بھی آئے گا۔ میری رائے میں یہاں پر لفظ ''ذنب'' کا تعلق اس ''اجتماعیت'' سے ہے جس کے سربراہ حضور ﷺ تھے۔ پچھلے کئی برسوں سے حضور ﷺ اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے ساتھ غلبۂ دین کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے اس اجتماعی جدوجہد میں شریک افراد سے کہیں کوئی غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہوگی اور کسی معاملے میں کبھی کوئی کوتاہی بھی رہ جاتی ہوگی۔ اگرچہ ایسی غلطیاں اور کوتاہیاں دوسروں سے ہوتی ہوں گی مگر تحریک اور جدوجہد کے قائد چونکہ حضور ﷺ تھے اس لیے ان کا ذکر یہاں آپ ﷺ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جیسے جنگ میں پوری فوج حصہ لیتی ہے' ایک ایک سپاہی لڑتا ہے لیکن فتح کا سہرا سپہ سالار کے سر بندھتا ہے' اسی طرح اگر کسی فوج کو شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھی اس فوج کے کمانڈر ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

﴿وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ﴾ ''اور اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی (استغفار کریں)۔''

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ کو اور تمہارے مستقل ٹھکانے کو۔''

آیات ۲۰ تا ۲۸

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ

رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰی
لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ﴿۲۱﴾
فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤی اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ
اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ
سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ
بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع

آیت ۲۰ ﴿وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ﴾ ’’اور یہ لوگ جو ایمان کے دعویدار ہیں‘ کہتے ہیں کہ (قتال کے بارے میں) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی؟‘‘

زیر مطالعہ مضمون کے حوالے سے اس سورت کی یہ آیت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے باہر قریش مکہ کے خلاف مہمات بھیجنا شروع کر دیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے ایسی آٹھ مہمات کا بھیجا جانا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان میں سے چار مہمات کا شمار تو غزوات میں ہوتا ہے کہ ان میں حضور ﷺ خود بھی تشریف لے گئے تھے۔ ان مہمات کے ذریعے سے آپؐ نے خصوصی طور پر مندرجہ ذیل دو مقاصد حاصل کیے:

(الف): مکہ کی تجارتی شاہراہ سے ملحقہ علاقوں میں مسلح دستوں کی نقل و حرکت سے قریش مکہ کو آپؐ نے ایک مؤثر پیغام پہنچا دیا کہ تمہاری شہ رگ (life line) اب ہر طرح سے ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم جب چاہیں تمہاری مکمل معاشی ناکہ بندی کر سکتے ہیں۔

(ب): جن علاقوں میں آپؐ نے مہمات بھیجیں یا آپؐ خود تشریف لے گئے وہاں کے اکثر قبائل کو آپؐ نے اپنا حلیف بنا لیا‘ اور جو قبائل آپؐ کے حلیف نہ بھی بنے انہوں نے قریش مکہ اور مسلمانوں کے تنازعہ میں غیر جانبدار رہنے کے معاہدے کر لیے۔ یوں اس پورے علاقے سے قریش مکہ کا اثر و رسوخ روز بروز کم ہونا شروع ہو گیا اور انہیں جزیرہ نمائے عرب میں صدیوں سے قائم اپنی سیاسی اجارہ داری کی بساط لپٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

اس حوالے سے یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے مذکورہ مہمات کی منصوبہ بندی ابتدائی اقدام (initiative) کی نئی حکمت عملی کے تحت کی جا رہی تھی۔ قریش مکہ کی طرف سے آپؐ کے قیامِ مکہ کے دور کی زیادتیاں اپنی جگہ‘ لیکن ہجرت کے بعد سے اب تک انہوں نے کوئی بھی جارحانہ اقدام نہیں کیا تھا۔ اُس وقت تک جارحانہ اقدام سے متعلق قرآن میں بھی کوئی واضح ہدایت نہیں آئی تھی۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۹ میں جو حکم تھا

وہ اذن اور اجازت کے درجے میں تھا‘ اس حکم میں بھی جارحانہ اقدام کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ ایک رائے کے مطابق تو اُس وقت تک یہ حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا‘ کیونکہ سورۃ الحج کو بعض لوگ مدنی سورت مانتے ہیں‘ اور اگر یہ رائے درست ہو تو پھر یہ بھی امکان ہے کہ سورۃ الحج واقعتاً اس دور کے بعد نازل ہوئی ہو۔ دوسری طرف سورۃ البقرۃ اس وقت تک مکمل نازل ہو چکی تھی اور اس میں قتال کے بارے میں احکام بھی موجود ہیں‘ مگر وہ احکام زیادہ سے زیادہ اس نوعیت کے ہیں: ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ (البقرة: ۱۹۰) کہ جو لوگ آپ سے لڑتے ہیں آپ لوگ ان کے خلاف لڑو!

اس پس منظر میں منافقین کی طرف سے حضور ﷺ کے مذکورہ اقدامات کے خلاف ”لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ“ کے اعتراض کا مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ ان کا موقف تھا کہ جب قریش کی طرف سے کوئی حریفانہ اقدام نہیں ہو رہا تو ہماری طرف سے ان کی تجارتی شاہراہ پر چھاپے مار کر اور ان کے قافلوں کا تعاقب کر کے خواہ مخواہ جنگی ماحول پیدا کرنے کا کوئی جواز نہیں‘ اور اگر یہ اقدامات ایسے ہی ضروری تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کوئی واضح حکم کیوں نازل نہیں کیا؟ اور اگر قرآن میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ خود اپنی مرضی سے یہ مہم جوئی کر رہے ہیں۔

﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ ۙ﴾ ”پھر جب ایک محکم سورت نازل کر دی گئی اور اس میں قتال کا حکم آ گیا“

اس سے مراد زیر مطالعہ سورت یعنی سورۂ محمد (ﷺ) ہے اور اس سورت کا دوسرا نام ”سورۃ القتال“ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

﴿رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ﴾ ”تو اب آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے کہ یہ لوگ آپؐ کی طرف ایسے دیکھیں گے جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہوتی ہے۔“

﴿فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝۲۰﴾ ”تو بربادی ہے ان کے لیے!“

دراصل یہ لوگ قتال سے جی چراتے ہیں۔ قبل ازیں اپنے بچاؤ کے لیے ان کی دلیل یہ تھی کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا۔ اب جبکہ اللہ نے قتال کے بارے میں واضح حکم نازل کر دیا ہے تو ان کی یہ دلیل ختم ہو گئی ہے۔

آیت ۲۱ ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫﴾ ”اطاعت لازم ہے اور کوئی بھلی بات کہی جا سکتی ہے۔“

ان کے لیے پسندیدہ روش اطاعت اور قولِ معروف کی تھی۔ یہ لوگ جب ایمان کے دعوے دار ہیں تو ان پر اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت لازم ہے۔ ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے خلاف دلیل بازی نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کسی معاملے میں یہ لوگ معروف طریقے سے کوئی مفید مشورہ دینا چاہتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔

﴿فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۟ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ﴿۲۱﴾﴾ ''تو جب کوئی فیصلہ طے پا جائے تو پھر اگر وہ اللہ سے (اپنے ایمان کے وعدے میں) سچے ثابت ہوں، تبھی ان کے لیے بہتری ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ﴿۲۲﴾﴾ ''پس تم سے اس کے سوا کچھ متوقع نہیں ہے کہ اگر تم لوگوں کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور اپنے رحمی رشتے کاٹو گے۔''

عام طور پر اس آیت کے دو ترجمے کیے جاتے ہیں۔ دوسرے ترجمے کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم لوگ قتال سے منہ موڑو گے تو تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور خونی رشتوں کے تقدس کو پامال کرو گے۔ اوپر آیت کے تحت جو ترجمہ اختیار کیا گیا ہے وہ شیخ الہندؒ کے ترجمے کے مطابق ہے اور مجھے اسی سے اتفاق ہے۔ شیخ الہندؒ کے ترجمے کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں''۔ یعنی اس مرحلے پر جبکہ تم لوگوں نے تربیت کے ضروری مراحل ابھی طے نہیں کیے ہیں، ابھی تم آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے گزر کر کندن نہیں بنے ہو اور تزکیہ باطن اور تقویٰ کے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچے ہو، ایسی حالت میں اگر تم لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب میں اقتدار مل جائے تو اس کا نتیجہ ''فساد فی الارض'' کے سوا اور بھلا کیا نکلے گا!

اس آیت کے مخاطب دراصل مدینہ اور اس کے اطراف و جوانب کے وہ لوگ ہیں جو ہجرت کے فوراً بعد ابھی تازہ تازہ ایمان لائے تھے، انہوں نے ابتدائی دور کے اہل ایمان کی طرح اس راستے میں کڑی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا تھا اور اس لحاظ سے ان کے کردار و عمل میں ابھی مطلوبہ پختگی اور استقامت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا عملی ثبوت غزوۂ اُحد کے موقع پر اس وقت سامنے آ گیا جب مسلمانوں کی صفوں سے ایک تہائی لوگ اچانک بہانہ بنا کر طے شدہ لائحہ عمل سے لاتعلق ہو کر اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔ گویا اس وقت اہل ایمان کے اندر اتنی بڑی تعداد میں ضعیف الاعتقاد مسلمان اور منافقین موجود تھے۔

اس اہم نکتے پر آج ان تمام دینی جماعتوں کو بھی خصوصی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جو اپنی دانست میں غلبۂ دین کے لیے اقتدار حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اگر یہ جماعتیں اپنے کارکنوں کی مناسب تربیت پر توجہ نہیں دیں گی اور ان کے اندر اخلاص اور للّٰہیت کے پاکیزہ جذبات پروان چڑھانے کے لیے مؤثر اقدامات نہیں کریں گی تو انہیں اقتدار ملنے کے نتیجے میں اصلاح کی بجائے الٹا فساد پیدا ہوگا اور ایسی صورتِ حال دین اور غلبہ دین کی جدوجہد کے لیے بدنامی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ فاسق و فاجر قسم کے لوگوں اور لادینی قوتوں کے پیدا کردہ فساد کو تو دنیا کسی اور زاویے سے دیکھتی ہے، لیکن اگر کسی دینی جماعت کے اقتدار کی چھتری کے نیچے ''فساد فی الارض'' کی کیفیت پیدا ہوگی تو اس سے جماعت کی شہرت کے ساتھ دین بھی بدنام ہوگا۔

آیت ۲۳ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَاَعۡمٰٓى اَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پس ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی نگاہوں کو اندھا کر دیا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾﴾ ’’کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ چکے ہیں!‘‘

اگر یہ لوگ قرآن کے احکام پر غور وفکر کرتے اور اس کے بین السطور پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ غلبہ دین کی جدوجہد میں جن جن مراحل سے ان کو سابقہ پڑ رہا ہے ان تمام مراحل کے بارے میں تو انہیں پہلے سے ہی متنبہ کر دیا گیا تھا۔ ذرا دیکھیں سورۃ العنکبوت کی ان آیات میں راہِ حق کی آزمائشوں سے متعلق کیسے دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ هُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾﴾ ’’کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا!‘‘ ﴿وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾﴾ ’’اور ہم نے تو ان کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے‘ چنانچہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جنہوں نے سچ بولا اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں‘‘۔ ﴿وَ لَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ (العنکبوت) ’’اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو‘ اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔‘‘

آیت ۲۵ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَهُمۡ ﴿۲۵﴾﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو پھر گئے اپنی پیٹھوں کے بل‘ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی‘ شیطان نے ان کے لیے (ارتداد کا یہ مرحلہ) آسان کر دیا ہے اور انہیں لمبی لمبی امیدیں دلائی ہیں۔‘‘

’’طولِ امل‘‘ کے اس شیطانی چکر میں پڑ کر انسان آخرت کو بالکل ہی فراموش کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے جس شخص نے لمبی لمبی امیدیں قائم کر کے اپنی زندگی میں بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہوں‘ اس کے دل میں شہادت کی تمنا کیسے پیدا ہو سکتی ہے‘ اور ایسا شخص میدان جنگ میں جانا بھلا کیونکر پسند کرے گا!

آیت ۲۶ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ کَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾﴾ ’’یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہیں اللہ کا نازل کیا ہوا (قرآن) ناپسند ہے‘ کہا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت جاری رکھیں گے۔ اور اللہ کو ان کی خفیہ باتوں کا خوب علم ہے۔‘‘

اللہ کے نازل کردہ قرآن کو ناپسند کرنے والے مشرکین اور یہود تھے‘ جنہیں منافقین مسلسل اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتے رہتے تھے کہ ہم بظاہر محمد (ﷺ) پر ایمان لا کر مسلمانوں میں شامل تو ہو گئے ہیں مگر آپ لوگوں سے ہمارا رشتہ بدستور قائم رہے گا اور تمام اہم معاملات میں صلاح مشورہ ہم آئندہ بھی آپ لوگوں سے ہی کیا کریں گے۔ منافق تو کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اپنا رشتہ دونوں طرف جوڑنے کی کوشش میں رہے۔ سورۃ النساء میں منافقین کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) ’’یہ اس کے مابین مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں‘ نہ تو یہ اِن کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں‘‘۔ جبکہ سورۃ البقرۃ میں ان کے دوغلے پن کا پردہ ان الفاظ میں چاک کیا گیا ہے: ﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور جب یہ

اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں' اور جب یہ خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو ہم محض مذاق کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۷ ﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝۲۷﴾ ''تو کیا حال ہوگا (ان کا اُس وقت) جب فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے ضربیں لگاتے ہوئے ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر۔''

آیت ۲۸ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے پیروی کی اُس چیز کی جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہے''

﴿وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۲۸﴾ ''اور انہوں نے ناپسند کیا اس کی رضا کو' تو اُس نے ان کے تمام اَعمال اَکارت کر دیے۔''

قتال کے اس مرحلے پر ان لوگوں کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ نبویؐ میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں سمیت ان کے اب تک کے تمام نیک اعمال ضائع کر دیے۔

آیات ۲۹ تا ۳۸

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝۲۹ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ
فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ
وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا
اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ
اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ
اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ
لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸ ع ۸

آیت ۲۹ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝۲۹﴾ ''کیا سمجھ رکھا

تھا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ان کے کھوٹ کو ظاہر نہیں کرے گا؟''

ان کا تو یہی خیال تھا کہ ان کے دوغلے پن کے بارے میں کسی کو خبر نہیں ہو گی اور ان کے سینوں کے کھوٹ بے نقاب نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو ان کے نفاق کو ظاہر کرنا ہی تھا۔ سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا تھا: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪﴾ ''اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو' اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔''

آیت ۳۰ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو یہ لوگ دکھا دیں اس طرح کہ آپ ان کے چہروں سے انہیں پہچان لیں گے۔''

انگریزی کی مشہور کہاوت ہے face is the index of mind یعنی انسان کے دل کی کیفیت کا عکس اس کے چہرے پر عیاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک صادق الایمان شخص کے چہرے اور ایک منافق کے چہرے کی شناخت چھپ تو نہیں سکتی۔

﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ﴾ ''اور آپ انہیں لازماً پہچان لیں گے (ان کی) گفتگو کے انداز سے۔''

چہرے کی طرح انسان کی گفتگو کا انداز بھی اس کے دل کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔ ایک سچے اور کھرے انسان کی گفتگو اور ایک منافق شخص کی گفتگو کے اطوار و انداز میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ⑳﴾ ''اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ㉛﴾ ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم ظاہر کر دیں انہیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پوری تحقیق کر لیں تمہارے حالات کی۔''

حَتّٰى نَعْلَمَ کا لفظی ترجمہ تو یوں ہو گا کہ ہم معلوم کر لیں' لیکن اہل سُنّت کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پہلے سے اس کے علم میں نہ ہو۔ اس لیے ان الفاظ کی ترجمانی یوں ہی ہو گی کہ ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم ظاہر کر دیں اور سب کو دکھا دیں کہ تم میں سے مجاہدین کون ہیں اور صبر کرنے والے کون؟ یہ آیت پڑھتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی اس آیت کو بھی ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (آیت ۱۵۵) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے''۔ سورۃ البقرۃ کی اس آیت کے نزول کے وقت چونکہ قتال کا حکم نہیں آیا تھا اس لیے اس میں آزمائشوں اور سختیوں کا ذکر تو ہے لیکن قتال کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے یوں سمجھئے کہ آیت زیر مطالعہ گویا سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت کی توسیع (extension) ہے' جس میں قتال کے حوالے سے خصوصی طور پر فرمایا گیا ہے کہ اب ہم تم میں سے واقعتاً جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو چھان پھٹک کر الگ کرنا چاہتے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جو روکتے رہے دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور وہ رسولؐ کی مخالفت میں سرگرم رہے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو چکی تھی‘ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔‘‘

گزشتہ آیات میں منافقین کے حبطِ اعمال کا ذکر تھا‘ اب آیت زیر مطالعہ میں کفارِ مکہ کے اعمال کی بربادی کا بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے زعم میں بیت اللہ کے متولی ہونے اور حاجیوں کی خدمت بجا لانے جیسی نیکیوں پر پھولے نہیں سماتے‘ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کی سند کے بغیر ان کا کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہے۔ سورۃ التوبہ کی اس آیت میں ان لوگوں کو اس حوالے سے براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۱۹) ’’کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟‘‘

آیت زیر مطالعہ میں ’’اللہ کے راستے سے روکنے اور اللہ اور رسول کی مخالفت‘‘ کے حوالے سے مشرکین مکہ کی اس طویل اور جاں گسل ’’جدوجہد‘‘ کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں پچھلے اٹھارہ برسوں سے وہ اپنا تن من دھن کھپا رہے ہیں۔ آخر انہوں نے بھی تو اپنے ’’دین‘‘ کے لیے جنگیں لڑی تھیں اور ان جنگوں میں انہوں نے جان و مال کی قربانیاں بھی دی تھیں۔ صرف جنگِ بدر میں انہوں نے اپنے ۷۰ جنگجو قربان کیے تھے۔ اس جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ان کا جذبہ انفاق بھی دیدنی تھا۔ نوسو اونٹ تو انہوں نے صرف لشکر کی غذائی ضروریات (نو یا دس اونٹ روزانہ کے حساب سے) پوری کرنے کے لیے مہیا کیے تھے۔ اس ایک مد کے اخراجات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ’’دین‘‘ کے راستے میں کیسی کیسی قربانیاں دیں اور اپنے زعم میں کتنی بڑی بڑی نیکیاں کمائیں تھیں۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اپنے زعم میں تم لوگوں نے جو بڑی بڑی نیکیاں کما رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے کفر اور اللہ و رسولؐ سے تمہاری مخالفت کی وجہ سے وہ سب برباد کر دی ہیں۔

آیت ۳۳ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾﴾ ’’اے اہلِ ایمان! تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور کہیں اپنے اعمال ضائع نہ کر بیٹھنا۔‘‘

اب تک تو تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر ’’اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا‘‘ کہتے آئے ہو اور اللہ کے دین کے لیے جان و مال کی قربانیاں بھی دیتے آئے ہو۔ لیکن اب قتال کا جو نیا اور مشکل مرحلہ آ رہا ہے اس مرحلے میں تم لوگوں سے اب مزید قربانیوں کا مطالبہ ہے۔ چونکہ ایمان کا اولین تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے‘ اس لیے دیکھنا! اس مرحلے میں تم سے کہیں کوئی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔ اگر خدانخواستہ اس مرحلے پر تم لوگوں نے پیٹھ دکھا دی تو اس سے تمہارے تمام گزشتہ اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔

آیت ۳۴ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستے سے رکے رہے (اور دوسروں کو بھی روکتے رہے) پھر وہ مر گئے اس حالت میں کہ کافر ہی رہے تو ایسے لوگوں کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔''

آیت ۳۵ ﴿فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ﴾ ''تو (اے مسلمانو!) تم لوگ ڈھیلے نہ پڑو اور صلح و سلامتی کی دعوت مت دو''

یاد رکھو! غلبۂ دین کی جدوجہد کا یہ مرحلہ تم سے سرفروشی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مرحلے میں اب تمہیں دشمنوں سے صلح و سلامتی کے لیے مذاکرات کرنے اور جنگ سے بچنے کی حکمت عملی اپنانے کی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تمہاری تحریک اب جس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اس مرحلے پر اب صلح و سلامتی کے پرچار کا موقع نہیں' بلکہ جانیں قربان کرنے کا وقت ہے۔

﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ﳓ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ ''اور تم لوگ ہی غالب ہو گے' اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

آیت ۳۶ ﴿اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ﳳ﴾ ''یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل ہے اور کچھ جی کا بہلانا ہے۔''

آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسی حقیقت کو سورۂ آلِ عمران میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ''اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

﴿وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ ''اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کیے رہو تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا''

﴿وَ لَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ ''اور تم سے تمہارے اموال نہیں مانگے گا۔''

قرآن میں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے بارے میں بہت تلقین اور تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے بار بار ان کے اموال کا براہِ راست مطالبہ بھی کیا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ......﴾ (البقرۃ:۲۴۵) ''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے......!'' اور انفاق سے گریز کی روش کی سخت الفاظ میں مذمت بھی کی ہے: ﴿وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﳝ﴾ (البقرۃ:۱۹۵) ''خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور مت ڈالو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں۔''

بہر حال قرآن میں اس موضوع پر جتنا بھی اصرار و تکرار ہے وہ ترغیب و تشویق کے انداز میں ہے' اس میں جبر اور زبردستی کا پہلو بالکل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی عظیم الشان انقلابی جدوجہد کا یوں تو ہر انداز ہی مثالی اور قابلِ تعریف ہے' لیکن زیر بحث موضوع کے حوالے سے آپؐ کی اس تحریک کا جو پہلو خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کہیں ''ایمرجنسی'' کی صورتِ حال نظر نہیں آتی ہے۔ کسی بھی مرحلے میں کسی کا مال ''بحق سرکار'' ضبط

نہیں کیا گیا' اور نہ ہی کسی معرکے کے لیے لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہوئی۔ ''نفیر عام'' بھی پوری تحریک کے دوران صرف ایک موقع (غزوۂ تبوک) پر ہوئی' ورنہ لوگوں کو متحرک کرنے کے لیے ہمیشہ ترغیب و تشویق کا ہی انداز اپنایا گیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ﴾ (الانفال: ٦٥) ''اے نبیﷺ! ترغیب دلایئے اہل ایمان کو قتال کی''۔ بہر حال ترغیب کے لیے اہلِ ایمان کو اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا اور انہیں ''شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن'' کا سبق پڑھایا گیا' لیکن کبھی زور زبردستی نہیں کی گئی۔ اس سیاق و سباق میں آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے زبردستی تمہارے اموال نہیں مانگتا یا تم سے سارے کا سارا مال دے ڈالنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔

آیت ۳۷ ﴿اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۳۷﴾ ''اگر وہ تم سے ان (اموال) کے بارے میں مطالبہ کرے اور اس معاملے میں تم پر تنگی کرے تو تم بخل سے کام لو گے اور وہ ظاہر کر دے گا تمہارے (دلوں کے) کھوٹ کو۔''

منافقین کے ساتھ عملی طور پر ایسا ہوتا بھی رہا کہ جب بھی کبھی مشکل حالات سے سابقہ پڑا' ان کے دلوں کا کھوٹ فوراً ان کی زبانوں پر آ گیا۔ جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر منافقین کے اندر کی خباثت ان الفاظ کے ساتھ ان کی زبانوں پر آ گئی تھی: ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۱۲﴾ (الاحزاب: ١٢) کہ اللہ اور اس کے رسولﷺ نے تو ہمیں دھوکہ دیا ہے اور مستقبل کے بارے میں اب تک ہمیں سبز باغ ہی دکھائے جاتے رہے ہیں۔

آیت ۳۸ ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جا رہا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔''

﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ﴾ ''پس تم میں سے کوئی وہ بھی ہے جو بخل سے کام لیتا ہے' اور جو کوئی بھی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل ترغیب کے باوجود جو لوگ انفاق فی سبیل اللہ سے جی چراتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس معاملے میں بخل کر کے وہ کسی اور کا نہیں بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور نقصان بھی ایسا جس کی تلافی ممکن نہیں۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر آخرت کے دائمی اور ابدی اجر و ثواب سے خود کو محروم کر لینا اور ایک کے بدلے سات سو ملنے کے وعدۂ خداوندی کو لائقِ التفات نہ سمجھنا کوئی معمولی نقصان تو نہیں ہے۔

﴿وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ﴾ ''اور اللہ غنی ہے اور محتاج تو تم ہی ہو۔''

اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے' اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں' وہ تو صرف تمہارے امتحان کے لیے تم سے کہتا ہے کہ مجھے قرض دو۔ اور اگر وہ تمہارے صدقات کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے ﴿وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ (التوبہ: ١٠٤) تو ایسا وہ محض تمہارے اعزاز و اکرام کے لیے کرتا ہے۔

﴿وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۳۸﴾ ''اور اگر تم پیٹھ پھیر لو گے تو وہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا' پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔''

یہ دوٹوک اور فیصلہ کن انداز ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اس حکم کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوا ہو گا جنہوں نے

بیان القرآن

سُورَۃُ الفَتح

(۴۸)

سُورۃُ الفَتح

تمہیدی کلمات

سورۃ الفتح صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ غزوۂ احزاب (۵ ہجری) کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمادیا تھا: ((لَنْ تَغْزُوْکُمْ قُرَیْشٌ بَعْدَ عَامِکُمْ ھٰذَا وَلٰکِنَّکُمْ تَغْزُوْنَھُمْ)) کہ اب قریش میں تم پر چڑھائی کرنے کے لیے دم نہیں رہا' آئندہ تم لوگ ان پر چڑھائی کرو گے۔ ۶ ہجری میں حضور ﷺ نے عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو ۱۴۰۰ (بعض روایات کے مطابق ۱۸۰۰) صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ حالت احرام میں سفر کرتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ آپؐ کے اس اقدام نے قریش مکہ کو ایک بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا۔ قریشِ مکّہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک بھی نہیں سکتے تھے' کیونکہ بیت اللہ کے طواف سے کسی کو روکنا عرب روایت ہی کے خلاف تھا۔ دوسری طرف انہیں یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دندناتے ہوئے مکہ میں داخل ہوں' پورے شہر میں آزادی سے گھومیں پھریں اور تمام قبائل میں یہ تاثر پھیلائیں کہ پچھلے اٹھارہ سال سے جاری کش مکش میں وہ جیت گئے ہیں اور قریش کو شکست ہو گئی ہے۔ چنانچہ چاروناچار قریش نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اپنے اس فیصلے کے بارے میں انہوں نے مسلمانوں کو باقاعدہ آگاہ کر دیا۔

ان حالات میں حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بات چیت کے لیے مکہ بھیجا تو قریش نے ان کو مکہ ہی میں روک لیا۔ اس دوران میں انؓ کے بارے میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے صحابہؓ سے ایک خصوصی بیعت کا اہتمام فرمایا۔ اس بیعت کے ذریعے موقع پر موجود تمام صحابہؓ نے عہد کیا کہ وہ یہاں سے واپس نہیں جائیں گے اور آپؐ کے حکم پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعت رضوان' بیعت عَلٰی اَنْ لَا نَفِرَّ یا بیعت علی الموت کا نام دیا گیا ہے۔ اِس بیعت کے وقت آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے' اس لیے اسے ''بیعت الشجرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ جب اس بیعت کی خبر مکہ پہنچی تو قریش کو اس صورتِ حال کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ مسلمانوں میں کوئی ایک فرد بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے اور یہ بھی کہ جب یہ لوگ کوئی عہد کرتے ہیں تو اسے ہر صورت نبھاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے مذاکرات کے لیے سفارتی کوششیں تیز کر دیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی واپس بھیج دیا اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی صلح کی بات چیت کرنے کے لیے حضور ﷺ کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ یہ مذاکرات بالآخر صلح پر منتج ہوئے جسے تاریخ میں ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس صلح نامہ کی اوّلین شرط یہ تھی کہ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی۔ دوسرے یہ کہ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اُسے اس کا اختیار ہوگا۔ تیسرے یہ کہ محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھی اس وقت عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آکر تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں' بشرطیکہ پرتلوں میں ایک ایک تلوار کے سوا کوئی سامانِ حرب ساتھ نہ لائیں۔ ان تین دنوں کے لیے اہلِ مکہ شہر خالی کر دیں گے۔ مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

بظاہر اس صلح کی شرائط بہت غیر متوازن تھیں۔ ان شرائط سے یوں لگتا تھا جیسے مسلمانوں کو جھک کر صلح کرنی پڑی ہے' بلکہ بعض شرائط سے تو مسلمانوں کی سُبکی کا تاثر بھی ملتا تھا۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا۔ اتفاق سے اسی شرط کے حوالے سے عین موقع پر مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بھی آن پڑی۔ ہوا یوں کہ جونہی صلح نامہ کی تحریر مکمل ہوئی تو ایک مسلمان نوجوان ابوجندل رضی اللہ عنہ قریش کی قید سے فرار ہو کر مسلمانوں کے کیمپ میں آ پہنچے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو مذاکرات کے لیے قریش کا سفیر تھا اور اس وقت تک مسلمانوں کے کیمپ ہی میں موجود تھا۔ اس نے معاہدے کے مطابق اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ متعلقہ شرط کے مطابق مسلمان حضرت ابوجندلؓ کو واپس کرنے کے پابند تھے۔ ادھر ابوجندلؓ دہائی دے رہے تھے کہ انہیں دوبارہ ان قصائیوں کے حوالے نہ کیا جائے۔ ادھر چونکہ معاہدے کی شرائط طے ہو چکی تھیں اس لیے حضور ﷺ نے ابوجندلؓ کو واپس بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: ''ابوجندل! تم صبر کرو' ہم معاہدہ کر چکے ہیں اور ہم پر معاہدے کی پابندی لازم ہے''۔ چنانچہ حضور ﷺ کے حکم پر حضرت ابوجندلؓ کو سہیل بن عمرو کے سپرد کر دیا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کی صفوں میں ایسی رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہو گئی جسے برداشت کرنا ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ مسلمانوں کا پورا لشکر مضطرب تھا۔ کوئی شخص بھی اُن مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی اکرم ﷺ یہ شرائط قبول فرما رہے تھے۔ اسی جذباتی کیفیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے وہ مکالمہ بھی کر بیٹھے جس کا انہیں ساری عمر شدید رنج رہا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضورؐ نے جواب دیا: ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا: کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپؐ نے مسکرا کر جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کہ ہم اس قدر دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہی کر رہا ہوں جس کا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح کا واقعہ اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح نامہ لکھ رہے تھے جبکہ حضور ﷺ املا کروا رہے تھے۔ جب حضورؐ نے یہ فقرہ لکھوایا کہ یہ ''صلح نامہ محمدٌ رسول اللہ (ﷺ) اور قریش مکہ کے مابین طے پایا ہے'' تو اس پر سہیل بن عمرو نے اعتراض کر دیا کہ ہم چونکہ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اس لیے آپؐ ''رسول اللہ'' کے الفاظ عبارت سے حذف کرا دیں۔ حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم مانو یا نہ مانو میں اللہ کا رسول ہوں اور ساتھ ہی آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ''رسول اللہ'' کے الفاظ حذف کر کے

عبارت یوں لکھی جائے کہ یہ صلح نامہ محمد بن عبداللہ اور قریش کے مابین طے پایا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ آپؐ کے نام کے ساتھ لکھے ہوئے ان الفاظ کو میں اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا۔ اس پر حضور ﷺ نے ''رسول اللہ'' کے الفاظ کو خود اپنے ہاتھوں سے حذف کر کے معاہدے کی عبارت مکمل کرائی۔ اگرچہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مذکورہ طرزِ عمل غیرتِ حق اور حمیتِ دینی کا مظہر تھا لیکن ایسے مواقع کے لیے عام قاعدہ یہی ہے کہ ''اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَب''، یعنی حکم کو ادب پر ترجیح دی جائے۔

صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے اسی جگہ پر احرام کھولنے اور قربانی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ کے اتباع میں اگرچہ سب نے احرام بھی کھول دیے اور قربانی کے جانور بھی ذبح کر دیے لیکن عملی طور پر اس وقت ہر مسلمان دل گرفتہ اور شدتِ غم سے نڈھال تھا۔ یہ وہ صورت حال تھی جس میں یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلجوئی کے لیے خصوصی طور پر اس کے آغاز میں ایک بہت بڑی خوشخبری کا اعلان فرمایا: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱﴾ یعنی اے مسلمانو! تم لوگ تو سمجھ رہے ہو کہ تمہیں بہت دب کر صلح کرنی پڑی ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس صلح نامہ کے پردے میں ہم نے اپنے رسول ﷺ کو ایک عظیم الشان فتح عطا فرمائی ہے۔ بعد میں آنے والے حالات سے ثابت بھی ہو گیا کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لیے واقعی فتح مبین تھی۔ بہرحال اس میں سب سے بڑی کامیابی تو یہی تھی کہ قریش مکہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کر کے انہیں اپنے برابر کا ایک فریق تسلیم کر لیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۰

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا
عَظِيْمًا ۝۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ
ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ
وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ
اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ
اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ
ع ۸ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

آیت ۱ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾﴾ ''یقیناً ہم نے آپؐ کو ایک بڑی روشن فتح عطا فرمائی ہے۔''

آیت ۲ ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ ''تا کہ اللہ بخش دے آپ کی کوئی کوتاہیاں جو پیچھے ہوئیں اور جو بعد میں ہوئیں''

رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے لفظ ''ذنب'' کی وضاحت کے لیے سورۂ محمد (ﷺ) کی آیت ۱۹ کی تشریح ملاحظہ ہو۔ یہاں بھی ذَنْۢبِكَ (آپ کی کوتاہیوں) سے مراد وہ خامیاں اور کوتاہیاں ہیں جو غلبۂ اسلام کی اس جدّوجُہد میں رہ گئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مسلمان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان ساری کمزوریوں اور کوتاہیوں سے درگزر کر کے محض اپنے فضل سے ان کی تلافی کر دی ہے اور آپؐ کے لیے فتح و نصرت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾﴾ ''اور تا کہ اللہ اپنی نعمت کا اتمام فرما دے آپؐ پر اور آپؐ کی راہنمائی کرے سیدھے راستے کی طرف۔''

بظاہر اس فقرے سے بھی لفظ ''ذنب'' کی طرح اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو پہلے ہی سیدھی راہ پر تھے بلکہ ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾﴾ (الشوریٰ) کا مصداق تھے' اور آپؐ کے تمام اہلِ ایمان ساتھی بھی پچھلے اٹھارہ برسوں سے سربکف ہو کر اسی راہِ ہدایت پر گامزن تھے تو پھر یہاں ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾﴾ کے فرمان کا کیا مفہوم ہے؟ اس بارے میں مفسرین کی بہت سی آراء ہیں' جن کی تفصیل بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ بہرحال میرے نزدیک اس کی توجیہہ وہی ہے جو میں قبل ازیں سورۂ محمد کی آیت ۱۹ کے ضمن میں لفظ ''ذنب'' کی وضاحت کے حوالے سے بیان کر چکا ہوں کہ اے نبی ﷺ! آپ اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے ساتھ اقامتِ دین کے لیے جو مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں' اس حوالے سے اگر اہل ایمان میں سے کسی سے اب تک کسی قسم کی کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس فتح مبین کی برکت سے ایسی تمام کوتاہیوں کی تلافی فرما دے گا۔ اس کے بعد اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آپ لوگوں کی یہ جدوجہد تیر کی طرح سیدھی اپنے ہدف کی طرف تیزی سے بڑھے گی اور ''اظہارِ دینِ حق'' کا عملی مظاہرہ اب بہت جلد دنیا کی نظروں کے سامنے آ جائے گا۔ گویا اس مقام پر آپ ﷺ کو سیدھا راستہ دکھانے کا مطلب فتح و کامرانی کا راستہ دکھانا ہے۔

جہاں تک آیت زیر مطالعہ میں ''اتمامِ نعمت'' کے وعدے کا تعلق ہے تو اس سے مراد دراصل دین کا اتمام ہی ہے جس کے بارے میں یہ خوشخبری ہم سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے

تمہارے دین کی تکمیل فرما دی ہے' اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا ہے' اور تمہارے لیے میں نے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا ہے''۔ البتہ اس اہم مضمون کے درست ادراک کے لیے ضروری ہے کہ دین کے اتمام کی دونوں صورتیں پیش نظر رہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ قرآن میں تمام احکامِ دین بیان کر دیے گئے اور شریعت مکمل ہو گئی۔ لیکن دینِ اسلام چونکہ ایک ضابطۂ حیات ہے اس لیے عملی طور پر اس کی تکمیل تب ہی ممکن تھی جب اس کے تحت باقاعدہ ایک حکومت قائم ہوتی اور معاشرے کے اندر اس کے تمام قوانین کی تنفیذ کا مظاہرہ اور نمونہ عملی طور پر سامنے آتا۔ اسی کیفیت کا نام دراصل ''اظہارِ دین'' ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں تین مقامات (التوبۃ: ۳۳' الفتح: ۲۸' اور الصّف: ۹) پر ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ''مقصد'' کے طور پر بیان ہوا ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں یہاں خصوصی طور پر اسی ''نعمت'' کے اتمام کی طرف اشارہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کے ساتھیوں کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے ہم نے آپؐ کو یہ ''فتح مبین'' عطا کر دی ہے۔ اب آپؐ کی جدوجہد تیزی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھے گی اور جزیرہ نمائے عرب میں بہت جلد ''اظہارِ دینِ حق'' کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے آ جائے گا۔

آیت ۳ ﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۞﴾ ''اور اللہ آپ کی مدد کرے گا' بہت زبردست مدد۔''

اب آپؐ کی جدوجہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی مدد شامل ہو گی جسے کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔

آیت ۴ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ﴾ ''وہی ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکینت نازل کر دی تاکہ وہ اضافہ کر لیں اپنے ایمان میں مزید ایمان کا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سکینت اور طمانیت ہی تھی جس کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جانیں قربان کر دینے کے فیصلے پر پورے سکونِ قلب کے ساتھ جازم رہے۔ پھر اسی سکینت کے سہارے صحابہ کرامؓ اس کڑے امتحان سے بھی سرخرو ہو کر نکلے جو اس خاص موقع پر انہیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے حوالے سے درپیش تھا۔ اس موقع پر اصل صورت حال یہ تھی کہ صحابہؓ میں سے کوئی ایک فرد بھی صلح کے حق میں نہیں تھا' لیکن اس کے باوجود اس دوران ان کے نظم وضبط کا یہ عالم رہا کہ بغیر کسی ایک استثناء کے پوری جماعت نے حضور ﷺ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔

بادیٔ النظر میں یہ کہنا ذرا عجیب لگتا ہے کہ ''صحابہؓ میں سے کوئی بھی صلح کے حق میں نہیں تھا'' لیکن تاریخی حقائق بہرحال ایسی ہی صورتِ حال کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح نامہ پر دستخط ہو جانے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانو! اب اٹھو' احرام کھول دو اور یہیں پر قربانیاں کر دو' تو آپؐ کے کہنے پر کوئی ایک مسلمان بھی نہ اٹھا۔ آپؐ نے اپنا یہ حکم پھر دہرایا تو پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ لوگو اٹھو! احرام کھول دو اور قربانی کے جانور ذبح کر دو' تو آپؐ کے تیسری مرتبہ فرمانے پر بھی کوئی تعمیل کے لیے نہ اٹھا۔ بلاشبہ صحابہؓ کا یہ ''توقف'' اضطراری کیفیت کے باعث تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کے لیے امتحان کی کوئی صورت ہے' اس کے بعد شاید کوئی نیا حکم

آ جائے گا اور صورت حال بدل جائے گی۔ دراصل یہ صورتِ حال صحابہؓ کی سمجھ سے باہر تھی کہ جو احرام انہوں نے حضور ﷺ کی اقتدا میں عمرے کے لیے باندھے ہیں وہ عمرہ ادا کیے بغیر میدانِ حدیبیہ میں ہی کھول دیے جائیں۔ بہر حال حضور ﷺ کے تیسری مرتبہ حکم دینے پر بھی جب کوئی احرام کھولنے کے لیے نہ اٹھا تو آپؐ دل گرفتہ ہو کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ ؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ جب آپؐ نے تمام صورت حال انہیں بتائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ اپنی زبان مبارک سے کچھ نہ فرمائیں، بس آپؐ اپنا احرام کھول دیں اور قربانی کا جانور ذبح کر دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے احرام کھولنے اور جانور ذبح کرنے پر سب مسلمانوں نے احرام کھول دیے اور اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے۔ صحابہؓ کے مذکورہ ردِّعمل سے یہ حقیقت بہر حال عیاں ہوتی ہے کہ اس موقع پر وہ سب کے سب ''صلح'' کو خوش آمدید کہنے کے بجائے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے زیادہ پُرعزم تھے۔

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر تو اللہ ہی کے ہیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

آیت ۵ ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ﴾ ''تاکہ وہ داخل کرے اہلِ ایمان مَردوں اور عورتوں کو اُن باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور دور کر دے ان سے ان کی برائیوں کو۔''

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵﴾ ''اور یہی ہے اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی۔''

آیت ۶ ﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ﴾ ''اور (تاکہ) اللہ سزا دے منافق مَردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں بہت بُرے گمان رکھنے والے ہیں۔''

یہ الفاظ سورۃ الاحزاب کی آخری آیت کے الفاظ سے گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۃ الاحزاب ۵ ہجری میں نازل ہوئی تھی جبکہ سورۃ الفتح ۶ ہجری میں۔

﴿عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ﴾ ''انہی پر مسلط ہے برائی کا دائرہ۔''

یعنی برائی کے پھیر میں وہ خود ہی آ گئے ہیں۔

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۶﴾ ''اور اللہ ان پر غضبناک ہوا ہے اور اُس نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی۔''

آیت ۷ ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷﴾ ''اور آسمانوں اور

زمین کے لشکر کُل کے کُل اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اور اللہ زبردست ہے‘ کمال حکمت والا۔‘‘

آیت ۴ کے آخر پر بھی ہو بہو یہی الفاظ آئے ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ آیت ۴ کا اختتام ’’علیمًا حکیمًا‘‘ پر ہوتا ہے‘ جبکہ یہ آیت ’’عزیزًا حکیمًا‘‘ پر ختم ہو رہی ہے۔

آیت ۸ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا‘ بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر۔‘‘

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں استغاثہ کے گواہ (prosecution witness) کے طور پر پیش ہو کر گواہی دیں گے کہ اے اللہ! تیرا دین جو مجھ تک پہنچا تھا میں نے وہ اپنی امت کے لوگوں تک پہنچا دیا تھا‘ اب یہ لوگ اس کے بارے میں خود جوابدہ ہیں۔ اس عدالت اور اس میں ہونے والی گواہیوں کا نقشہ سورۃ النساء میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ⑪﴾ ’’تو اس دن کیا صورت حال ہو گی جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو لائیں گے ان پر گواہ بنا کر!‘‘

آیت ۹ ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ﴾ ’’تاکہ (اے مسلمانو!) تم ایمان رکھو اللہ اور اُس کے رسول پر اور رسول کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو۔‘‘

﴿وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨﴾ ’’اور تاکہ تم اللہ کی تسبیح کرو صبح و شام۔‘‘

اس آیت کے پہلے حصے میں ایمان کے حوالے سے اللہ اور اُس کے رسول کا ذکر ہے‘ اس کے بعد دوسرے فقرے (وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ) میں ہٗ کی دونوں ضمیریں ’’رسول ﷺ‘‘ کے لیے ہیں‘ اور اس کے بعد وَتُسَبِّحُوْهُ میں ہٗ کی ضمیر اللہ کے لیے ہے۔

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) یقیناً وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔‘‘

﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ﴾ ’’ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔‘‘

اس بیعت کے اندر گویا تین ہاتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ‘ بیعت کرنے والے شخص کا ہاتھ اور اللہ کا ہاتھ۔

﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ﴾ ’’تو اب جو کوئی اس کو توڑے گا تو اس کے توڑنے کا وبال اپنے اوپر ہی لے گا۔‘‘

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩﴾ ’’اور جو کوئی پورا کرے گا اس معاہدے کو جو وہ اللہ سے کر رہا ہے تو وہ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔‘‘

اس آیت کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے سورۃ التوبہ کی اس آیت کو ایک مرتبہ پھر سے دہرا لیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ﴾ (آیت ۱۱۱) ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں' یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہے سچا تورات' انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اُس بیع پر جس کا سودا تم نے اُس کے ساتھ کیا ہے''۔ اب ان دونوں آیات کے باہمی ربط و تعلق کو اس طرح سمجھیں کہ سورۃ التوبہ کی اس آیت میں ایک ''بیع'' (سودے) کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ زیر مطالعہ آیت میں اس بیع کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں بھی ب ی ع مادہ سے باب مفاعلہ (بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ) آیا ہے اور یہاں آیت زیر مطالعہ میں بھی (اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ) ۔ لفظ بیعت دراصل بیع سے ہی مشتق ہے۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ دو فریق جب خرید و فروخت (بیع) کا کوئی معاملہ کرتے تو سودا پکا ہو جانے پر آپس میں مصافحہ کرتے تھے۔ یہ مصافحہ دراصل ''بیع'' طے ہو جانے کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے ایسے مصافحے کو ''بیعت'' کا نام دے دیا گیا۔

سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ اور بندے کے مابین ہونے والی بیع و شراء میں بندے کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اس سودے کی بیعت براہِ راست اللہ کے ہاتھ پر نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسے یہ ''بیعت'' اللہ کے کسی نمائندے یعنی کسی انسان کے ہاتھ پر ہی کرنی پڑے گی اور اس طرح عملی طور پر اس سودے یا بیع میں تین فریق شامل ہوں گے' یعنی اللہ' سودا کرنے والا شخص اور وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس سودے کی بیعت ہو گی۔ آج بالفرض اگر میں اپنا مال و جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں تو میرے اور اللہ کے درمیان چونکہ غیب کا پردہ حائل ہے اس لیے مجھے یہ معلوم کرنے کے لیے کوئی ''انسان'' ہی ڈھونڈنا پڑے گا کہ میں اپنی جان کب اور کیسے قربان کروں؟ اور اپنا مال کس طریقے سے کہاں خرچ کروں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ''انسان'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں میسر تھا' انہوں نے اپنے مال و جان کے سودے کی ''بیعت'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کر رکھی تھی۔ چنانچہ جب حضورؐ انہیں بتاتے تھے کہ اب اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ کارزار میں پہنچ جاؤ اور اب اپنے اموال حاضر کر دو تو صحابہؓ خوشی خوشی آپؐ کے ہر حکم پر لبیک کہتے تھے۔ بلکہ وہ تو منتظر رہتے تھے کہ کب حضورؐ انہیں حکم دیں اور کب انہیں اللہ کی امانت کو لوٹانے کی سعادت نصیب ہو۔

صحابہؓ کے قلوب و اذہان کی اس کیفیت کی تصویر سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں دکھائی گئی ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫﴾ (آیت ۲۳) ''اور اہل ایمان میں کچھ جواں مرد لوگ وہ ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا وہ وعدہ جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور ان میں کچھ وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں''۔ گویا اللہ کے ساتھ مذکورہ سودے (بیع و شراء) کے بعد وہ جواں مرد اپنی جانیں اور اپنے مال اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے مسلسل بے تاب و بے قرار رہتے تھے۔ کسی شاعر نے اس خوبصورت مضمون کو تغزل کے رنگ میں یوں ادا کیا ہے: ؎

وبالِ دوش ہے سر جسمِ ناتواں پہ مگر لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے!

کہ اے محبوب! ہم تو اپنے جسم ناتواں پر اپنے سر کے اس ''بوجھ'' کو صرف اس لیے اٹھائے پھر رہے ہیں کہ تو جب چاہے اور جہاں چاہے بس اسی وقت وہیں پر ہم تیری راہ میں اسے قربان کر دیں۔ اب تو ہم زندہ ہی اس ''انتظار'' میں ہیں کہ کب تیرا اشارہ ہو اور کب ہم اپنے سر کو کٹوا کر تیری امانت کے اس بوجھ سے سبکدوش ہوں۔

اب رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک کے زمانے کے لیے بھی اس لائحہ عمل کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے حضور ﷺ کے بعد اس نوعیت کی بیعت جس کسی کے ہاتھ پر بھی ہو گی وہ حضورؐ کا کوئی امتی ہی ہوگا۔ لہٰذا اس کی اطاعت مستقل بالذات اطاعت نہیں ہوگی بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہ کر ہوگی۔ چنانچہ اب اس نوعیت کی بیعت کسی ایسے داعی کے ہاتھ پر ہی ہونی چاہیے جو صرف اور صرف اللہ کے نام پر کھڑا ہو اور لوگوں کو قرآن اور دین کے نام پر پورے خلوص سے دعوت دے۔ پھر وہ اس دعوت پر لبیک کہنے والے افراد کو اقامت دین کی جدوجہد کے لیے ایک جمعیت کی شکل میں منظم کرنے کی کوشش بھی کرے۔ ظاہر ہے ''جمعیت'' کے بغیر اقامت دین کے لیے مؤثر اور منظم جدوجہد ممکن نہیں۔

جہاں تک جماعت سازی کے طریق کار کا تعلق ہے آج اس کے لیے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ بعض تنظیمیں فارم کے ذریعے رکنیت سازی کرتی ہیں' بعض دستخطی مہم چلا کر ممبرز بناتی ہیں۔ کئی جماعتیں اپنے امیر کا انتخاب استصوابِ رائے کے ذریعے سے کرتی ہیں' پھر کہیں دو سال کے لیے امیر منتخب ہوتا ہے اور کہیں چار سال کے لیے' وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب طریقے جائز اور مباح ہیں' لیکن جماعت سازی کا منصوص' مسنون اور ماثور طریقہ بیعت کا طریقہ ہی ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں مصروف تھے تو وہ سب مل کر بلند آواز میں یہ شعر پڑھتے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا (۱)

کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر رکھی ہے اور اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

جماعت سازی کے لیے بیعت کا طریقہ نصِ قرآنی اور نصِ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں مختلف مواقع پر صحابہؓ سے بیعت لی۔ حضور ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا سلسلہ بھی بیعت کی بنیاد پر چلا۔ خلیفہ کے انتخاب کے لیے جب طے شدہ طریقہ کار کے مطابق مشاورت ہو جاتی اور ایک فیصلہ کر لیا جاتا تو اس فیصلے پر باقاعدہ اعتماد کا اظہار لوگ بیعت کے ذریعے سے ہی کرتے تھے۔ پھر آگے چل کر جب خلافت کے بارے میں مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوئے تب بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی اپنی جمعیتوں کی تشکیل بیعت کی بنیاد پر ہی کی تھی۔ حتیٰ کہ دورِ ملوکیت میں بھی مسلمان بادشاہ عوام سے اعتماد کا ووٹ بھی بیعت کے ذریعے سے ہی لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پچھلی صدی میں مسلمانوں کے اندر جتنی جہادی تحریکیں اٹھیں ان کی رکنیت سازی بھی بیعت کی بنیاد پر کی گئی۔ مثلاً سید احمد

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب التحریض علی القتال۔ وصحیح مسلم' کتاب الجهاد والسیر' باب غزوة الاحزاب وهی الخندق۔

بریلویؒ کی سکھوں کے خلاف‘ مہدی سوڈانی کی انگریزوں کے خلاف اور سنوسیوں کی اطالویوں کے خلاف جہادی تحریکوں کو بیعت کی بنیاد پر ہی منظم کیا گیا۔ صوفیاء کے ہاں بھی اپنے مریدین کے تزکیۂ نفس کے لیے ’’بیعت ارشاد‘‘ کا سلسلہ رائج ہے۔

بہر حال اقامتِ دین کی جدّوجُہد کے لیے تنظیم سازی اور جمعیت ناگزیر ہے‘ کیونکہ اکیلا چنا تو بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ البتہ کسی داعی کی دعوت پر لبیک کہنے سے پہلے اس کی شخصیت‘ اس کے معمولات و معاملات‘ معیارِ تقویٰ‘ دین و دنیا کے بارے میں اس کے علم و شعور‘ اقامت دین کے لیے اس کی جدوجہد کے طریق کار وغیرہ کے بارے میں اچھی طرح سے تحقیق کر لیجیے۔ پھر جب کسی شخصیت کے بارے میں دل مطمئن ہو جائے کہ واقعی وہ اقامت دین کی جدوجہد کے بارے میں مخلص ہے اور باقی ضروری شرائط پر بھی پورا اُترتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا ساتھ دیجیے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے اندر رہتے ہوئے اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کیجیے کیونکہ ’’سمع و اطاعت‘‘ کے بغیر نہ تو کوئی جمعیت قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے بغیر کوئی تنظیم اپنے ہدف کے حصول کے لیے مؤثر جدوجہد کر سکتی ہے۔

آیات ۱۱ تا ۱۷

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ
بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ
أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ
وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا
بُورًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۴﴾
سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ
يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ
تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ
إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ
وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا
عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾ ع

دوسرے رکوع کی یہ آیات صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ کے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئیں' بالکل اسی طرح جس طرح غزوۂ تبوک سے واپسی پر سورۃ التوبہ کی کچھ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے تحت بعد میں نازل ہونے والی ان آیات کو پہلے سے جاری سلسلہ کلام کو منقطع کر کے یہاں پر رکھا گیا ہے۔ آیات کے تسلسل میں تقدیم و تاخیر کا بالکل یہی انداز اس سے پہلے ہم سورۃ التوبہ کے آغاز میں بھی دیکھ چکے ہیں۔ چنانچہ ان آیات کے مطالعہ سے پہلے یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ پہلے رکوع کا مضمون یہاں پر منقطع ہو رہا ہے اور اس مضمون کا تسلسل اب تیسرے رکوع کے مضمون کے ساتھ جا کر ملے گا۔

آیت ۱۱ ﴿سَیَقُوۡلُ لَکَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ﴾ ''عنقریب آپؐ سے کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے رہ جانے والے تھے دیہاتیوں میں سے''

گویا رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپؐ کے مدینہ پہنچتے ہی اردگرد کے قبائل سے بادیہ نشین آپؐ کے پاس آ آ کر عذر پیش کریں گے کہ:

﴿شَغَلَتۡنَاۤ اَمۡوَالُنَا وَ اَہۡلُوۡنَا فَاسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ۚ﴾ ''ہمیں مشغول رکھا ہمارے اموال اور اہل و عیال (کی دیکھ بھال) نے' چنانچہ آپ ہمارے لیے استغفار کیجیے۔''

حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں پر عمرے کے لیے نکلنا لازم قرار نہیں دیا تھا۔ لیکن آپؐ نے اعلانِ عام کروایا تھا کہ جو کوئی عمرے کے لیے جا سکتا ہے ضرور چلے۔ بہرحال جو لوگ استطاعت کے باوجود آپؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے یہ ان کی منافقت کا ذکر ہے کہ وہ آپؐ کے سامنے اپنی نام نہاد مصروفیات کے بہانے بنائیں گے۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ بِاَلۡسِنَتِہِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ﴾ ''یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

﴿قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِکُ لَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا اِنۡ اَرَادَ بِکُمۡ ضَرًّا اَوۡ اَرَادَ بِکُمۡ نَفۡعًا ؕ﴾ ''آپؐ (ان سے) کہیے کہ کون ہے جو کچھ اختیار رکھتا ہو تمہارے بارے میں اللہ کی طرف سے کچھ بھی اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے؟''

اللہ تعالیٰ کا تمہارے بارے میں نفع یا نقصان کا جو بھی ارادہ ہو وہ تمہاری کسی تدبیر سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اپنے گھروں میں رہ کر تم لوگ اللہ کی تقدیر کو نہیں بدل سکتے تھے۔ تمہارے گھروں میں اگر کوئی خیر آنا تھی تو وہ تمہاری عدم موجودگی میں بھی آ سکتی تھی اور اگر کوئی شر تمہارے مقدر میں لکھا تھا تو وہ تمہاری موجودگی میں بھی آ سکتا تھا۔ لہٰذا ہمارے ساتھ نہ جانے کے جواز میں تمہارے سب دلائل بے معنی اور فضول ہیں۔

﴿بَلۡ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۱﴾﴾ ''بلکہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

اب وہ بات بتائی جا رہی ہے جو اصل میں ان کے دلوں میں تھی۔

آیت ۱۲ ﴿بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰۤی اَہۡلِیۡہِمۡ اَبَدًا﴾ ''بلکہ تم لوگوں نے یہ

گمان کیا کہ اب رسول اور اہلِ ایمان اپنے گھر والوں کی طرف کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے“

تمہارا خیال تھا کہ ان لوگوں کا دماغ چل گیا ہے جو خود چل کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں اور یہ کہ قریشِ مکہ انہیں جیتے جی کبھی واپس نہیں آنے دیں گے۔

﴿وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ﴾ ”اور یہ بات تمہارے دلوں میں خوشنما بنا دی گئی اور تم نے بہت برا گمان کیا۔“

﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫﴾ ”اور تم ہو ہی تباہ ہونے والے لوگ۔“

اس سے پہلے سورۂ محمد میں منافقین کے جس طرزِ عمل کا ذکر ہوا تھا وہ ۲ ہجری کا دور تھا جبکہ ابھی قتال کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔ اُس دور میں وہ لوگ ”اقدام“ سے متعلق حضور ﷺ کی حکمت عملی کے مقابلے میں صلح جوئی اور امن پسندی کی باتیں کرتے تھے۔ اب ان آیات میں ان کی ۶ ہجری کے زمانے کی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان نہ رکھے تو ہم نے ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔“

آیت ۱۴ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ”اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔“

﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ”وہ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔“

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭﴾ ”اور اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۱۵ ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ﴾ ”(اے مسلمانو!) عنقریب یہی پیچھے رہنے والے کہیں گے‘ جب تم لوگ غنیمتیں حاصل کرنے کے لیے جاؤ گے کہ ہمیں بھی اجازت دیجیے کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں۔“

اس آیت میں فتح خیبر کی طرف اشارہ ہے۔ خیبر یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ مسلمانوں سے بدعہدی کی بنا پر جن دو یہودی قبائل (بنوقینقاع اور بنونضیر) کو مدینہ سے نکالا گیا تھا وہ بھی خیبر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ اس علاقے میں انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنا کر عسکری اعتبار سے خود کو بہت مضبوط کر لیا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں کی منصوبہ بندیاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش کی طرف سے جنگ وغیرہ کا کوئی خطرہ نہ رہا تو اگلے ہی سال یعنی ۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے پوری طاقت کے ساتھ خیبر پر چڑھائی کا فیصلہ کیا۔ یہاں ان آیات کے ذریعے مسلمانوں کو پیشگی (۶ ہجری میں) مطلع کیا جا رہا ہے کہ جب اگلے سال تم لوگ خیبر کی طرف پیش قدمی کرو گے تو اس کی فتح کو یقینی سمجھتے ہوئے اور وہاں سے بہت بڑے اموالِ غنیمت کی توقع کرتے ہوئے یہ منافقین بھی اس مہم پر تمہارے ساتھ جانے کے لیے تم سے اجازت مانگیں گے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو تبدیل کر دیں!''
گویا یہ لوگ اللہ کے اس حکم کو خلافِ واقعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خیبر کی مہم پر حضور ﷺ کے ساتھ صرف انہی لوگوں کو جانے کی اجازت دی جائے گی جو حدیبیہ کی مہم پر آپؐ کے ساتھ گئے تھے اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے تھے' جیسا کہ آگے آیات ۱۸'۱۹ میں بصراحت ارشاد ہوا ہے۔
﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے' یہ بات اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے۔''
ان الفاظ کا اشارہ اسی سورت کی آیات ۱۸'۱۹ کی طرف ہے' جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔
﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ﴾ ''اس پر وہ کہیں گے: بلکہ آپ لوگ ہم سے حسد کر رہے ہیں۔''
اس پر وہ آپ لوگوں پر الزام دھریں گے کہ آپ لوگ حسد کی بنا پر ہمیں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے کہ ہم بھی کہیں تمہیں حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت میں حصہ دار نہ بن جائیں۔
﴿بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ ''بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ فہم ہی نہیں رکھتے مگر بہت کم۔''
آیت ۱۶ ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ﴾ ''ان بدوؤں میں سے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے آپ ان سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تمہیں بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کے ساتھ مقابلے کے لیے جو بہت طاقتور ہوگی' یا تو تم ان سے قتال کرو گے یا وہ اطاعت قبول کر لیں گے۔''
ان الفاظ میں جنگوں کے اس طویل سلسلے کی طرف اشارہ ہے جو چند سال بعد سلطنتِ روما اور سلطنتِ ایران کے خلاف شروع ہونے والا تھا۔ گویا یہ انقلابِ محمدیؐ کی بین الاقوامی سطح پر پیش قدمی کے بارے میں پیشین گوئی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کا پورا علاقہ تمہارے زیر تسلط آ جانے کے بعد عنقریب تمہارا ٹکراؤ سلطنتِ روما اور سلطنتِ ایران کی ایسی افواج سے ہوگا جن کی تعداد لاکھوں میں ہے اور وہ اپنے زمانے کے جدید ترین سامانِ حرب سے لیس ہیں۔ چنانچہ اے نبی ﷺ! آپ ان اعراب سے کہیں کہ توسیع و تصدیرِ انقلاب کے اس مرحلے میں تم لوگوں کو بھی اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔
﴿فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ﴾ ''تو اس وقت اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔''
اگر تم لوگ ان معرکوں میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا دم بھرتے ہوئے اس کے رسولؐ کے مشن کے علمبردار بنو گے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا بہت اچھا صلہ پا لو گے۔
﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝﴾ ''لیکن اگر تم نے (اس موقع پر بھی) پیٹھ دکھا دی جیسے کہ تم نے پہلے پیٹھ دکھائی تھی تو وہ تمہیں بہت دردناک عذاب دے گا۔''

یہاں پر یہ اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ﴾ کے الفاظ میں کسی قوم کے ساتھ مقابلے میں تین ممکنہ صورتوں کا ذکر ہے۔ ''تُقَاتِلُوْنَهُمْ'' میں مخالف فریق کے ساتھ مقابلے اور جنگ کی طرف اشارہ ہے جبکہ ''يُسْلِمُوْنَ'' میں ان کے اسلام لانے یا اطاعت قبول کرنے کی دونوں صورتیں شامل ہیں۔ چنانچہ عرب سے باہر مسلمانوں کا جہاں کہیں بھی کوئی معرکہ ہوتا تھا اس میں ان کی طرف سے مخالف فریق کے سامنے یہی تین نکات پیش کیے جاتے تھے۔

آیت ۱۷ ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ﴾ ''ہاں کسی اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ہی کسی لنگڑے پر اور نہ ہی کسی مریض پر کوئی تنگی ہے۔''

اگر جسمانی لحاظ سے کوئی معذور شخص جہاد میں حصہ نہیں لیتا تو اس کی معذوری کے پیش نظر اس پر اس حوالے سے کوئی سختی نہیں کی جائے گی۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ﴾ ''اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ داخل کرے گا اس کو ان باغات مین جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔''

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰﴾ ''اور جو کوئی پیٹھ پھیر لے تو اسے وہ ایک دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔''

آیات ۱۸ تا ۲۶

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ⑱ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ⑲ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ
عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ⑳ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا
عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ㉑ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ㉒ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ㉓ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ
مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ㉔ هُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ
مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ع

اب آئندہ آیات میں اسی مضمون کا تسلسل ہے جو پہلے رکوع میں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ﴾ (آیت ۱۰) کے الفاظ سے شروع ہوا تھا۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حکمتِ الٰہی کے پیش نظر اس مضمون کا سلسلہ درمیان سے منقطع کر کے بعد میں نازل ہونے والی آیات کو وہاں جگہ دے دی گئی اور اب آیت ۱۸ سے دوبارہ وہی مضمون شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اللہ راضی ہو گیا اہل ایمان سے جب کہ وہ آپؐ سے بیعت کر رہے تھے' درخت کے نیچے' تو اللہ کے علم میں تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا''

یعنی بیعت کے وقت تو ان کے دلوں میں فقط ذوقِ شہادت اور جوشِ جہاد تھا۔ صلح کی بات چیت تو ان کی بیعت کے بعد شروع ہوئی تھی۔

﴿فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ ''تو اللہ نے ان پر سکینت نازل کر دی اور انہیں (بدلے میں) ایک قریبی فتح بخشی۔''

یہ اشارہ ہے فتح خیبر کی طرف جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد جلد ہی ظہور میں آ گئی۔ ان الفاظ میں اس امر کی صراحت ہے کہ یہ انعام ان ہی لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ صفر ۷ھ میں خیبر پر چڑھائی کے لیے نکلے تو آپؐ نے صرف انہی اصحاب کو ساتھ لیا۔

آیت ۱۹ ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾ ''اور بہت سے اموالِ غنیمت جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔''

آیت ۲۰ ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ ''(اے مسلمانو!) اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے بہت سے اموالِ غنیمت کا جنہیں تم حاصل کرو گے' پس یہ (فتح) تو اس نے تمہیں فوری طور پر عطا کر دی ہے''

اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے' جس کا ذکر سورت کے آغاز میں بایں الفاظ ہوا: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝﴾ ''یقیناً ہم نے آپؐ کو ایک بڑی روشن فتح عطا فرمائی ہے۔''

﴿وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ﴾ ''اور اس نے روک لیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔''

ظاہر ہے اگر جنگ ہوتی اور قریش بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے تو کچھ نہ کچھ نقصان مسلمانوں کا بھی ضرور ہوتا۔

﴿وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰﴾ ''تاکہ یہ اہلِ ایمان کے لیے ایک نشانی بن جائے اور وہ تمہاری راہنمائی فرمائے سیدھے راستے کی طرف۔''

تاکہ اس کے بعد اقامتِ دین کے لیے تمہاری اجتماعی جدوجہد کامیابی کے مراحل جلد از جلد طے کرے اور اللہ تعالیٰ اسے تیر کی طرح سیدھا اس کے آخری ہدف اور منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

آیت ۲۱ ﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ﴾ ''اور کچھ (فتوحات) اور بھی ہیں جن پر ابھی تمہیں قدرت حاصل نہیں ہوئی' اللہ ان کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یعنی اس کے فوراً بعد تمہیں خیبر کی فتح حاصل ہوگی اور اس کے بعد مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ سرزمین عرب سے باہر بھی بہت سی فتوحات اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھیر رکھی ہیں۔ ان فتوحات کے بارے میں دوسرے رکوع (آیت ۱۶) میں بھی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ تیسرے رکوع کی یہ آیات دوسرے رکوع کی آیات سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۲﴾ ''اور اگر یہ کافر (قریشِ مکّہ) تم سے جنگ کرتے تو لازماً پیٹھ پھیر جاتے اور پھر نہ پاتے وہ اپنے لیے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۲۳ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ﴾ ''یہ اللہ کا وہ دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔''

یعنی یہ اللہ کا قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ اگر قریش مکہ اس موقع پر آپؐ کے ساتھ جنگ کرتے تو اللہ اپنی سنت کے مطابق آپ لوگوں کی مدد کرتا اور ایسی صورت میں انہیں پیٹھ دکھانا پڑتی اور شکست ان کا مقدر بنتی۔

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۲۳﴾ ''اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی۔''

آیت ۲۴ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ ''اور وہی ہے جس نے روک دیے ان کے ہاتھ تمہاری طرف بڑھنے سے اور تمہارے ہاتھ ان کی طرف بڑھنے سے مکہ کی وادی میں''

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''اس کے بعد کہ اُس نے تمہیں ان پر فتح دے دی تھی۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریشِ مکّہ کے حوصلے پست کر دیے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے لیے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا اور انہوں نے اپنی تمام تر طاقت کے باوجود مسلمانوں کو اپنے برابر کا فریق تسلیم کرتے ہوئے ان سے صلح کر لی۔ اس صلح میں اگلے سال مسلمانوں کے عمرہ کرنے اور اس دوران مکہ شہر کو تین دن کے لیے مکمل طور پر خالی کر دینے جیسی شرائط بھی شامل تھیں۔ دیکھا جائے تو قریشِ مکّہ کے لیے مسلمانوں کو اپنا ہم پلّہ سمجھتے ہوئے صلح کرنا اور پھر ایسی شرائط تسلیم کر لینا موت کا سامنا کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ بہر حال

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اندرونی طور پر اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس کے مقابلے میں وہ مسلمانوں سے صرف ایک یہ بات منوا سکے کہ اس سال عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں تا کہ وقتی طور پر ان کی ''ناک'' مکمل طور پر کٹنے سے بچ جائے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۞﴾ ''اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ﴾ ''وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں روکے رکھا مسجد حرام تک جانے سے اور قربانی کے جانور بھی روکے گئے اپنی جگہ پہنچنے سے۔''

یہ ان جرائم کا تذکرہ ہے جن کا ارتکاب قریش مکہ نے اس پورے واقعے کے دوران کیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو احرام کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی بیت اللہ کے طواف سے روکا بلکہ ان کے قربانی کے جانوروں کو بھی قربان گاہوں تک نہ پہنچنے دیا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فریقین کے ہاتھوں کو ایک دوسرے کی طرف بڑھنے سے روک دیا اور اس ممکنہ جنگ کو ٹال دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے میں جو حکمت کارفرما تھی اب اس کا ذکر ہو رہا ہے:

﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــُٔـوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ﴾ ''اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں موجود) ایسے مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے' اندیشہ تھا کہ تم لوگ انہیں بھی کچل دیتے تو ان کے بارے میں تم پر الزام آتا بے خبری میں (تو جنگ نہ روکی جاتی)۔''

عین موقع پر جنگ کو روکنے میں دراصل یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ اس وقت تک مکہ میں بہت سے ایسے اہلِ ایمان افراد موجود تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ اس میں ضعفاء بھی تھے' مریض بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ ان لوگوں کا ذکر سورۃ النساء کے چودھویں رکوع میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی معذوری کو دیکھتے ہوئے انہیں معاف کر دے گا اور ہجرت نہ کر سکنے کی بنا پر ان سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی شہر میں موجودگی کی صورت میں جب جنگ کی چکی چلتی تو یہ بے گناہ لوگ بھی اس میں پس جاتے اور اُلٹا مسلمانوں پر ان سے متعلق الزام بھی آتا کہ انہوں نے اپنے ہی اہل ایمان ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ممکنہ جنگ کو روک دیا اور مسلمانوں کو بغیر لڑے صلح کی شکل میں فتح دے دی۔

﴿لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ ''(جنگ اس لیے روکی گئی) تا کہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جس کو چاہے۔''

﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۞﴾ ''اگر وہ (اہلِ ایمان) علیحدہ ہو چکے ہوتے تو ان (اہلِ مکہ) میں سے جو کافر تھے ان کو ہم ایک دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیتے۔''

اگر وہ کمزور اور معذور اہل ایمان اس وقت تک مکہ سے نکل چکے ہوتے تو ہم یہ جنگ ہونے دیتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں قریش مکہ کو ان کے جرائم کی بدترین سزا دلواتے۔

آیت ۲۶ ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت بٹھالی' جاہلیت کی حمیت''

قریش مکہ نے اس موقع پر جس حمیت کا مظاہرہ کیا وہ سراسر حمیت جاہلی تھی۔ ان کے دلوں میں قوم پرستی' آباء پرستی اور روایت پرستی کا تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی تعصب کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان لوگوں کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے جو اپنے باپ دادا کے دین سے پھر کر ''بے دین'' ہو چکے تھے۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''تو اللہ نے سکینت نازل کر دی اپنے رسولؐ پر اور اہل ایمان پر''

﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ﴾ ''اور اُس نے لازم کر دیا ان پر تقویٰ کی بات کو اور وہ اس کے زیادہ حق دار بھی ہیں اور اس کے اہل بھی ہیں۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

آیات ۲۷ تا ۲۹

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

آیت ۲۷ ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ﴾ ''اللہ نے اپنے رسول کو بالکل سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ۔''

یہ اُس خواب کا ذکر ہے جس کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے عمرے کا قصد فرمایا تھا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے

کے لیے ترغیب دی تھی۔ حضور ﷺ نے خواب میں خود کو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور آپؐ نے اپنے اس خواب کا تذکرہ صحابہؓ سے سرِعام کیا تھا۔ چونکہ رسول کا خواب بھی وحی کے درجے میں ہوتا ہے اس لیے جب صلح حدیبیہ کے نتیجے میں عمرہ اگلے سال پر ملتوی ہو گیا تو ایسی صورت میں حضور ﷺ کے خواب کے بارے میں وضاحت ضروری تھی۔ مبادا کسی کے ذہن میں یہ شبہ جنم لیتا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کا خواب سچا نہیں تھا۔ اس ضمن میں جب حضور ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو کہا تھا ہم عمرہ کریں گے لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ ضرور اسی سال کریں گے۔ آیت زیر مطالعہ میں پیشگی خبر دی جا رہی ہے کہ تم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے خواب کے عین مطابق عمرہ ادا کرو گے۔ چنانچہ اگلے ہی سال ۷ ہجری کو آپؐ نے مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ کیا۔ تاریخ میں یہ عمرہ ''عمرۃ القضاء'' کے نام سے مشہور ہے۔

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ ''(اے مسلمانو!) تم لازماً داخل ہو گے مسجد الحرام میں، ان شاء اللہ، پورے امن کے ساتھ''

﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ﴾ ''اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بالوں کو ترشواتے ہوئے، (اُس وقت) تمہیں کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔''

اگلے سال یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ اگلے سال جب مسلمان عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو پورا شہر خالی تھا۔ قریش اپنے گھروں کو چھوڑ کر تین دن کے لیے پہاڑوں پر چلے گئے تھے۔ اس دوران مسلمان مکہ میں مقیم رہے اور انہوں نے پورے اطمینان سے عمرہ ادا کیا۔

﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾﴾ ''تو اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے، تو اس کے علاوہ اس نے (تمہارے لیے) ایک قریب کی فتح بھی رکھی ہے۔''

اس سے فتح خیبر مراد ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آیت ۱۵ کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔ یعنی اگلے سال جب تم لوگ قضا عمرہ ادا کرنے کے لیے جاؤ گے تو اس سے پہلے تم یہودیوں کے گڑھ خیبر کو فتح کر کے اس کے غنائم سمیٹ چکے ہو گے۔

اب وہ عظیم آیت آ رہی ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ التوبہ میں (آیت ۳۳) بھی پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد یہ الفاظ سورۃ الصّف (۲۸ ویں پارے) کی آیت ۹ میں بھی آئیں گے۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصّف میں یہ آیت جوں کی توں آئی ہے، جبکہ زیر مطالعہ سورت میں اس کا آخری حصہ (وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا) مختلف ہے۔

آیت ۲۸ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ ''وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر''

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد عربی ﷺ کو قرآن حکیم دے کر بھیجا ہے جو نوعِ انسانی کے لیے ہدایت کاملہ ہے: ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں ـــــ حاملِ اُو رحمۃٌ للعالمیں! (اقبالؔ)

مزید برآں ان کو سچا اور کامل دین بھی عطا فرمایا ہے' جو عادلانہ نظامِ زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔

﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ ﴾ ''تاکہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل نظامِ زندگی پر۔''

گویا قبل ازیں اس سورت کی آیت ۲ اور آیت ۲۰ میں جس سیدھے راستے (صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا) کا ذکر ہے وہ راستہ ''اظہارِ دینِ حق'' کی منزل کی طرف جاتا ہے اور اسی ہدف کو حاصل کرنے کا حکم سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے الفاظ میں ہوا کہ تم دین کو قائم کرو! پھر سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۱ میں جھوٹے معبودوں کے ابطال کی جو دلیل دی گئی ہے اور ان کے مقابلے میں معبودِ حقیقی کی جو شان بیان ہوئی ہے وہ بھی ''الدِّیْن'' (نظامِ زندگی) کے حوالے سے ہے۔ ملاحظہ ہوں متعلقہ آیت کے یہ الفاظ: ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ ﴾ ''کیا ان کے لیے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں کچھ ایسا طے کر دیا ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟'' یعنی اللہ کی شان تو یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو دینِ حق دیا ہے۔ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور عادلانہ نظامِ زندگی دیا ہے' تو کیا اس کا کوئی شریک بھی ایسا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اس نے بھی اپنے ماننے والوں کو کوئی نظامِ زندگی دیا ہے؟ بہرحال اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی ''اظہارِ دینِ حق'' بتایا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے الھدیٰ اور دینِ حق دے کر اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ اس ''الدِّین'' کو پورے نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔

﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ۭ ﴾ ''اور کافی ہے اللہ مددگار کے طور پر۔''

عام طور پر لفظ شَهِید کا ترجمہ ''گواہ'' کیا جاتا ہے' لیکن یہاں پر خصوصی طور پر شهید کا ترجمہ ''مددگار'' ہوگا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے' جہاں قرآن جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج دینے کے بعد فرمایا گیا: ﴿ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کہ بلا لو اس کام کے لیے اپنے تمام مددگاروں کو اللہ کے سوا۔ ''شَهِدَ يَشْهَدُ'' کے معنی کسی موقع یا وقوعہ پر حاضر ہونے کے ہیں۔ ''گواہی'' کے معنی اس لفظ میں اسی حاضری کے مفہوم کی وجہ سے آئے ہیں' کیونکہ کسی واقعے کی صحیح گواہی کا اہل تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو وہاں اس وقت موقع پر حاضر ہو۔ جبکہ اسی ''حاضری'' کی وجہ سے اس لفظ میں ''مددگار'' کے معنی بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے آپ کی مدد وہی شخص کر سکے گا جو آپ کے ساتھ موجود ہوگا۔ اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو آپ کا بہت اچھا دوست ہو' آپ کے ساتھ مخلص بھی ہو' مگر جب آپ کو مدد کی ضرورت ہو اس وقت آپ کے پاس موجود ہی نہ ہو تو وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ سیاق و سباق کے اعتبار سے یہاں لفظ شهید کے معنی مددگار کے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ ہیں' وہ کافروں پر بہت بھاری اور آپس میں بہت رحم دل ہیں''

آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ اگر پہلا فقرہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ پر مکمل کر دیا جائے اور وَالَّذِيْنَ سے دوسرا فقرہ شروع کیا جائے تو آیت کا مفہوم وہی ہوگا جو اوپر ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کفار پر بہت بھاری اور آپس میں

بہت رحم دل ہیں۔ لیکن اگر پہلے فقرے کو وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ تک پڑھا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) اور آپؐ کے ساتھی ایک وحدت اور ایک جماعت ہیں۔ اس طرح دوسرے فقرے میں بیان کی گئی دو خصوصیات اس جماعت کی خصوصیات قرار پائیں گی۔ یعنی اللہ کے رسول ﷺ اور آپؐ کے ساتھی کفار پر بہت بھاری اور آپس میں بہت شفیق و مہربان ہیں۔

اہلِ ایمان کی اس شان کا ذکر زیر مطالعہ آیت کے علاوہ سورۃ المائدۃ آیت ۵۴ میں بھی ہوا ہے۔ وہاں مؤمنین صادقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۡ﴾ ''وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت بھاری ہوں گے''۔ علامہ اقبالؔ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کی ترجمانی کی ہے: ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

یہاں پر یہ نکتہ بھی لائق توجہ ہے کہ یہ آیت بیعت کے تذکرے کے بعد آئی ہے۔ اس ترتیب سے گویا یہ یاد دہانی کرانا مقصود ہے کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۭ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ﴾ کے الفاظ میں جس جماعت کا ذکر ہوا ہے وہ بیعت کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ اس حوالے سے حضور ﷺ کی سیرت سے جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص آپؐ پر ایمان لاتا، آپؐ اس سے بیعت لیتے تھے، یہ ایمان کی بیعت تھی۔ لیکن سیرت کے مطالعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اہل مکہ میں سے آپؐ نے کسی سے ایمان کی بیعت کبھی نہیں لی، بلکہ اہل مکہ میں سے جو کوئی ایمان لانا چاہتا وہ کلمۂ شہادت پڑھتا اور بس حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ اس کے لیے کسی علامتی اقدام کی کبھی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ہاں اگر کوئی شخص باہر سے آتا تو اس سے آپؐ ایمان کی بیعت لیتے تھے۔

اس کے علاوہ مکی دور میں آپ ﷺ نے دو بیعتوں کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا تھا۔ یعنی بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ۔ ان میں بیعت عقبہ ثانیہ وہ بیعت ہے جس کی بنیاد پر مسلمان باقاعدہ ایک ''جماعت'' بنے تھے۔ اس بات کی گواہی اس بیعت کے الفاظ بھی دیتے ہیں۔ یہ الفاظ ایک متفق علیہ روایت کے مطابق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل ہوئے ہیں:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ، وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا، وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ، وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا، لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (۱)

''ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خواہ آسانی ہو یا مشکل، خواہ ہماری طبیعت آمادہ ہو یا ہمیں اس پر جبر کرنا پڑے، اور خواہ دوسروں کو ہمارے اوپر ترجیح دے دی جائے۔ ہم اصحابِ اختیار سے جھگڑیں گے نہیں، لیکن سچ بولیں گے جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے، اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف رہیں گے''۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس۔ و کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورًا تنکرونھا۔ و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامیر فی غیر معصیۃ ......

غور کیجیے' اس بیعت کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ کس قدر اہم اور سبق آموز ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے کہ ہم آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے۔ خواہ مشکل ہو' خواہ آسانی ہو' خواہ اس کے لیے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں' خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے...... یعنی ہم کبھی شکایت نہیں کریں گے کہ ہم آپ کے پرانے ساتھی ہیں جبکہ آپ ہمارے اوپر ایک نووارد کو امیر کیوں مقرر کر رہے ہیں؟ بس یہ آپ کا اختیار ہوگا کہ آپ جس کو چاہیں امیر مقرر کریں' آپ جو فیصلہ چاہیں کریں...... اور یہ کہ ہم آپ کے مقرر کردہ امیر سے کبھی جھگڑا نہیں کریں گے...... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی بہت واضح ہے:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ ، وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ ، وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

اطاعت امیر کے حوالے سے یہ نکتہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ جماعتی زندگی میں ''امیر'' صرف ایک نہیں ہوتا بلکہ مختلف سطحوں پر اوپر نیچے بہت سے ''اُمراء'' ہوتے ہیں۔ جیسے فوج کا ایک سپہ سالار ہوتا ہے' اس کے نیچے مختلف رجمنٹس' بٹالینز' کمپنیز اور پلاٹونز کے اپنے اپنے کمانڈرز ہوتے ہیں' اسی طرح ایک تنظیم کا ایک مرکزی امیر ہوگا' پھر صوبائی اُمراء' ڈویژنل اُمراء' ضلعی اُمراء ہوں گے اور ان سب اُمراء کا سلسلہ وار سمع و طاعت کا نظام ہوگا۔

حضور ﷺ کی مذکورہ بیعت کی یہ آخری شق بھی بہت اہم ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے۔ یعنی مشورہ مانگا جائے گا تو بے لاگ مشورہ دیں گے' اپنی رائے کو چھپا کر نہیں رکھیں گے ــــ اس حوالے سے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک مامور کی ذمہ داری صرف مشورہ دینے کی حد تک ہے۔ اس کے بعد امیر جو فیصلہ بھی کرے اسے دل و جان سے تسلیم کرنا اس پر لازم ہے' جیسا کہ سورۂ محمد (ﷺ) کی آیت ۲۱ کے الفاظ ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ قف﴾ سے واضح ہوتا ہے کہ جب فیصلہ ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت لازم ہے۔

بہرحال جب منہج انقلابِ نبوی میں اقدام کا مرحلہ آنے کو تھا' Passive Resistance تبدیل ہو رہی تھی Active Resistance میں' تو مسلمانوں میں ایک باقاعدہ جماعت کا نظم وجود میں آیا اور اس نظم کی بنیاد بیعت عقبہ ثانیہ بنی۔ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ﴾ میں اسی جماعت اور اسی نظم کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب قول اللہ تعالیٰ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ۔

﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ ’’تم دیکھو گے انہیں رکوع کرتے ہوئے‘ سجدہ کرتے ہوئے‘ وہ (ہر آن) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں‘‘

﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ’’ان کی پہچان ان کے چہروں پر (ظاہر) ہے سجدوں کے اثرات کی وجہ سے۔‘‘

سجدوں کے نشان سے عام طور پر پیشانی کا گٹہ مراد لے لیا جاتا ہے جو بعض نمازیوں کے چہروں پر کثرتِ سجود کی وجہ سے پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس سے اصل مراد ایک نمازی اور متقی مؤمن کے چہرے کی وہ نورانیت اور خاص کیفیت ہے جو اس کے عمل و کردار کی غمازی کرتی محسوس ہوتی ہے۔

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ ’’یہ ہے ان کی مثال تورات میں۔‘‘

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تمثیل تورات میں بیان ہوئی ہے۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ نے تورات اور انجیل میں قطع و برید کر کے حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کے بارے میں پیشین گوئیوں کو بالکل مسخ کر دیا ہے‘ تاہم آج بھی تورات اور انجیل دونوں میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کا مصداق نبی آخر الزماں ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کتاب استثناء‘ باب ۳۳‘ آیت ۲ ملاحظہ ہو: ’’خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا‘ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔‘‘

﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ ’’اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی کونپل‘ پھر اس کو تقویت دی‘ پھر وہ سخت ہوئی‘ پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔‘‘

﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ ’’یہ کاشتکار کو بڑی بھلی لگتی ہے‘‘

یہ ایک کھیتی کی مثال ہے۔ بیج کو جب زمین میں دبایا جاتا ہے تو اس سے ایک چھوٹی سی نرم و نازک کونپل پھوٹتی ہے‘ پھر وہ آہستہ آہستہ بڑھتی ہے‘ پھر اس کا تنا بنتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک مضبوط پودے کی صورت میں بغیر کسی سہارے کے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب ایک کھیتی کے تمام پودے اپنے جوبن پر ہوں اور فصل خوب لہلہا رہی ہوتی ہے تو اسے دیکھ کر کاشتکار کا دل بھی خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔

﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ ’’تاکہ ان سے کافروں کے دل جلائے۔‘‘

اس آخری جملے میں گویا واضح کر دیا گیا کہ اس مثال یا تشبیہ کے پردے میں جس کھیتی کی بات ہو رہی ہے وہ دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے اور اس کھیتی کا کاشتکار خود اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ چشمِ تصور سے اس جماعت کے ماضی میں جھانکیں تو ہمیں چند سال پہلے کا وہ نقشہ نظر آئے گا جب سرزمین مکہ میں دعوت کے بیج سے ایک ایک کر کے اس کھیتی کی نرم و نازک کونپلیں نمودار ہو رہی تھیں۔ اس وقت ان کونپلوں میں اتنی طاقت نہیں تھی

کہ وہ اپنے بل پر کھڑی ہوسکتیں۔ جناب ابوطالب کے انتقال کے وقت مکہ میں بمشکل ڈیڑھ سو مسلمان تھے۔ خود حضورﷺ کے قبیلے نے آپؐ سے تعلق توڑ لیا تھا اور قبیلے کی حمایت کے بغیر مکہ میں رہنا بھی بظاہر آپؐ کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ اسی صورتِ حال کے پیش نظر آپؐ اپنی دعوت اور تحریک کے متبادل مرکز کی تلاش میں طائف تشریف لے گئے تھے۔ لیکن وہاں سے بہت تکلیف دہ حالت میں خالی ہاتھ واپس آنا پڑا تھا۔ طائف سے واپسی تک صورتِ حال اس حد تک گھمبیر ہوچکی تھی کہ آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے کے لیے ایک مشرک مُطعم بن عَدی کی امان لینا پڑی تھی۔ ایک صورتِ حال وہ تھی جو کُل سرزمینِ مکہ میں اہلِ ایمان کو برداشت کرنا پڑی تھی اور ایک منظر یہ تھا جس کا نظارہ آج حدیبیہ کا میدان کر رہا تھا' جہاں چودہ سو یا اٹھارہ سو مجاہدین کی سربکف جمعیت سر کٹانے کے لیے بے تاب و بے قرار تھی۔ ان کا نظم وضبط' ان کا جذبۂ ایثار' بیعت علی الموت کے لیے ان کا جوش وخروش' پھر جنگ کے ٹل جانے اور جانوں کے بچ جانے پر ان کا ملال اور بظاہر دب کر صلح کرنے پر ان کا رنج۔ غرض ان کی ہر ادا نرالی اور ان کا ہر انداز انوکھا تھا۔ یہ تھی وہ کھیتی جو آج حدیبیہ کے میدان میں لہلہاتی ہوئی دشمنوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ اس کھیتی کے جوبن کی اس نرالی شان کو آج ملائکہ مقربین بھی رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوں گے اور اس کے ''نگہبان'' کے اندازِ نگہبانی کی تحسین کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے ترانے الاپتے ہوں گے۔

''لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ'' کے الفاظ میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ محمدٌ رسول اللہﷺ کی اس کھیتی پر جس کا دل جلتا ہو قرآن حکیم اس کے ایمان کی نفی کر رہا ہے۔ صحابہؓ سے بغض ہو اور دعویٰ ایمان کا ہو تو اس دعویٰ میں کوئی صداقت نہیں۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔''

تفسیرِ عثمانی میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ اگرچہ حضورﷺ کے تمام صحابہؓ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرچکے تھے' پھر بھی یہاں مِنْهُمْ کی قید لگا کر ان پر واضح کر دیا گیا کہ اس کیفیت پر موت تک قائم رہنا بھی ضروری ہے' مبادا کہ بعد میں کسی کے اندر کسی قسم کا کوئی تزلزل پیدا ہو جائے۔ انسان چونکہ طبعاً کمزور واقع ہوا ہے' اس لیے اگر اس کو کامیابی کا یقین دلا دیا جائے تو اطمینان کی وجہ سے اس میں تساہل پیدا ہو جاتا ہے' جبکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کر لینے کے باوجود بھی انسان آخری دم تک ''بین الخوف والرجاء'' کی کیفیت میں رہے۔

بیان القرآن

سُورۃُ الحُجُرات

(۴۹)

سُورَةُ الْحُجُرٰت

تمہیدی کلمات

سورۃ الحجرات اٹھارہ آیات اور دو رکوعوں پر مشتمل ایک مختصر سورت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں سورۂ محمد (ﷺ) کے تمہیدی کلمات میں بھی بتایا جا چکا ہے کہ سورۂ محمد اور سورۃ الفتح کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے' جبکہ سورۃ الحجرات کی حیثیت سورۃ الفتح کے ضمیمے کی سی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں سورۃ الفتح کی بعض آیات کی وضاحت ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ الفتح میں ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط﴾ کے الفاظ میں اللہ کے رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر اور حمایت و نصرت کا حکم دیا گیا ہے جبکہ سورۃ الحجرات میں اس حوالے سے عملی ہدایات دی گئی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الفتح میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے الفاظ میں اہل ایمان کی شخصیات کی ایک consolidated جھلک دکھائی گئی ہے جبکہ سورۃ الحجرات میں ایک بندۂ مؤمن کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اس سورت میں غلبۂ دین کی جدّوجہد کے حوالے سے جہاد کی اہمیت' دین میں جہاد کی اصل حیثیت' اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد' اہلِ ایمان پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق' مسلمانوں کے باہمی حقوق اور مسلمان معاشرے کی اجتماعی زندگی کے خدوخال جیسے اہم اور بنیادی مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔

گویا اسلامی ریاست کے اصولوں اور اسلامی معاشرے سے متعلق بنیادی ہدایات کے اعتبار سے سورۃ الحجرات قرآن کی اہم ترین اور جامع ترین سورت ہے۔ اس اعتبار سے یوں سمجھئے کہ اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے سے متعلق جو تفصیلی ہدایات سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں دی گئی ہیں ان کا لُبِّ لُباب اور خلاصہ سورۃ الحجرات کی اٹھارہ آیات میں سمو دیا گیا ہے۔

آیات ۱ تا ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا
حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

آیت ۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①﴾

''اے اہلِ ایمان مت آگے بڑھو اللہ اور اُس کے رسول سے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

یہ آیت گویا اسلامی ریاست کے آئین کی بنیاد ہے۔ اسلامی ریاست کے آئین کی پہلی شق یہ ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے اور اقتدارِ مطلق کا مالک صرف اکیلا وہ ہے۔ اس نظری و اعتقادی حقیقت کی تعمیل و تنفیذ کا طریقہ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو حدود و قائم کر دی ہیں ان حدود سے کسی بھی معاملے میں تجاوز نہیں ہوگا۔ اس آیت کے مفہوم کو پاکستان کے ہر دستور میں ان الفاظ کے ساتھ شامل رکھا گیا ہے: No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah۔ یہ شق گویا اسلامی ریاست کے آئین کے لیے اصل الاصول کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ آئین پاکستان میں اس شق کے شامل ہونے سے اصولی طور پر تو پاکستان ایک اسلامی ریاست بن گیا' لیکن عملی طور پر اس ''ذمہ داری'' سے جان چھڑانے کے لیے کمال یہ دکھایا گیا کہ ان الفاظ کے ساتھ ایک ہاتھ سے آئین کے اندر اسلام داخل کر کے دوسرے ہاتھ سے نکال لیا گیا۔ آئینِ پاکستان کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے مقصد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل (Islamic Ideological Council) تشکیل دی گئی اور اسے بظاہر یہ اہم اور مقدس فریضہ سونپا گیا کہ وہ پارلیمنٹ کی ''قانون سازی'' پر گہری نظر رکھے گی اور اس ضمن میں کسی کوتاہی اور غلطی کی صورت میں حکومت کو رپورٹ پیش کرے گی۔ یہاں تک تو معاملہ ٹھیک تھا' لیکن اس میں منافقت یہ برتی گئی کہ آئین کی رو سے حکومت کو نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل کرنے کا پابند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ کونسل نے اقتصادیات اور غیر سودی بینکاری کے حوالے سے بہت مفید سفارشات مرتب کی ہیں۔ بہت سے دوسرے معاملات میں بھی تحقیقاتی رپوٹیں حکومتوں کو بھجوائی ہیں۔ کونسل کی سفارشات جمع ہوتے ہوتے الماریاں بھر گئیں' لیکن کسی حکومت نے ان میں سے کسی ایک سفارش کو بھی تنفیذ کے حوالے سے لائقِ اعتناء نہ سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کونسل کی تمام تحقیقات اور سفارشات کلی طور پر لاحاصل مشق (exercise in futility) ثابت ہوئیں۔

بہرحال زیر مطالعہ آیت کی رو سے جب کسی ریاست کے آئین میں مذکورہ شق شامل کر لی جائے گی تو اصولی طور پر وہ ریاست اسلامی ریاست بن جائے گی۔ اس کے بعد اس ریاست کے قانون ساز ادارے کو چاہے پارلیمنٹ کہیں' مجلسِ ملی کہیں یا کانگرس کا نام دیں' اس کی قانون سازی کا دائرۂ اختیار (legislative authority) قرآن و سنت کی بالادستی کے باعث محدود ہو جائے گا۔ یعنی اس ''قدغن'' کے بعد وہ مقنّنہ اپنے ملک کے لیے صرف قرآن و سنت کے دائرے کے اندر رہ کر ہی قانون سازی کر سکے گی۔ اس دائرے کے اندر جو قانون سازی کی جائے گی وہ جائز اور مباح ہوگی اور اس دائرے کی حدود سے متجاوز ہوتا ہوا کوئی بھی قانون ناجائز اور ممنوع قرار پائے گا' چاہے اس قانون کو مقنّنہ کے تمام ارکان ہی کی حمایت حاصل کیوں نہ ہو۔ اسلامی مقنّنہ کی اس ''محدودیت'' کو اس مثال سے سمجھیں کہ کسی دعوت میں بلائے گئے مہمانوں کی تواضع روح افزا شربت سے کی جائے' سیون اَپ سے یا دودھ سوڈا وغیرہ سے' اس بارے میں فیصلہ تو کثرتِ رائے سے کیا جا سکتا ہے' لیکن

تمام میزبان اپنے سو فیصد ووٹوں سے بھی مہمانوں کو کوئی ایسا مشروب پلانے کا فیصلہ نہیں کر سکتے جس کا پینا قرآن وسنت میں ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ اس نکتے کو رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کے ذریعے نہایت عمدگی سے واضح فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِیْمَانِ کَمَثَلِ الْفَرَسِ فِیْ آخِیَّتِہٖ ، یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی آخِیَّتِہٖ ......))(۱) یعنی ''مؤمن کی مثال اور ایمان کی مثال اُس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ وہ گھومنے پھرنے کے بعد پھر اپنے کھونٹے پر واپس لوٹ آتا ہے......'' ظاہر ہے مؤمن تو وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اور ان کے احکام کو مانتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے کھونٹے سے بندھ چکا ہے' اب وہ اس کھونٹے کے گرداگرد ایک دائرے میں اپنی مرضی سے چرچگ سکتا ہے' لیکن اس دائرے کی حدود کا تعین اس کھونٹے کی رسی (حدود اللہ) کے اندر موجود گنجائش کی بنیاد پر ہی ہوگا۔ اس کے برعکس ایک وہ شخص ہے جو مادر پدر آزاد ہے۔ وہ نہ اللہ کو مانتا ہے' نہ رسولؐ کو جانتا ہے اور نہ ہی ان کے احکام کو پہچانتا ہے' وہ اپنی مرضی کا مالک ہے' جو چاہے کرے اور جس چیز کو چاہے اپنے لیے ''جائز'' قرار دے لے۔ چنانچہ ایسے افراد اگر کسی ملک یا ریاست کے قانون ساز ادارے میں بیٹھے ہوں گے تو وہ کثرتِ رائے سے اپنی ریاست اور قوم کے لیے جو قانون چاہیں منظور کر لیں۔ وہ چاہیں تو ہم جنس پرستی کو جائز قرار دے دیں اور چاہیں تو مرد کی مرد سے شادی کو قانونی حیثیت دے دیں۔

اب اس کے بعد جو چار آیات آ رہی ہیں وہ اہل ایمان پر اللہ کے رسول ﷺ کے حقوق کا تعین کرتی ہیں۔ حضور ﷺ کی تعظیم' آپؐ کی محبت اور آپؐ کے اتباع کا جذبہ گویا ایک مسلمان معاشرے کی تہذیب اور اس کے تمدن کی بنیاد ہے۔ اس بارے میں ایک عمومی حکم ﴿وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ ط﴾ ہم سورۃ الفتح میں پڑھ آئے ہیں۔ اس حکم کی شرح گویا اب اگلی آیات میں بیان ہو رہی ہے۔

آیت ۲ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اپنی آواز کبھی بلند نہ کرنا نبی (ﷺ) کی آواز پر اور نہ انہیں اس طرح آواز دے کر پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو''

﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۲﴾ ''مبادا تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

خبردار! نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا معاملہ بہت نازک اور حساس ہے۔ اس معاملے میں ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو نبی کریم ﷺ کی شان میں کسی معمولی سی بے ادبی سے تم میں سے کسی کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں اور وہ اسی زعم میں رہے کہ میں تو پکا سچا مسلمان ہوں' ہمیشہ کبائر سے بچ کر رہتا ہوں' میں نے کبھی چوری نہیں کی' ڈاکا نہیں ڈالا' اور کبھی زنا کاری کا نہیں سوچا۔

(۱) صحیح ابن حبان' ح:۶۱۶۔ الترغیب والترھیب للمنذری: ۱۱۹/۴۔ مجمع الزوائد للھیثمی: ۲۰۴/۱۰۔ مشکاۃ المصابیح' کتاب الاطعمۃ' باب الضیافۃ۔

آیت ۳ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ﴾ ''بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ کے رسولؐ کے سامنے، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ پرکھ کر چُن لیا ہے تقویٰ کے لیے۔''

پچھلی آیت میں جو حکم منفی انداز میں دیا گیا ہے اسی حکم کو اب شاباش کے لیے مثبت انداز میں دہرایا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول ﷺ کے ادب کے حوالے سے آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل اس قدر پسند آیا ہے کہ اس بنیاد پر اُس نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے نور سے خصوصی طور پر منور کرنے کے لیے منتخب کر لیا ہے۔

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ③﴾ ''ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔''

آیت ۴ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ④﴾ ''بے شک وہ لوگ جو آپؐ کو پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔''

بعض اوقات جب حضور ﷺ اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوتے تو بدّو قسم کے لوگ باہر کھڑے ہو کر آپؐ کو آوازیں دینا شروع کر دیتے: ''یَا مُحَمَّد اُخْرُجْ اِلَیْنَا''۔ حضور ﷺ کے گھر تشریف لے جانے، آرام فرمانے اور گھر سے باہر رونق افروز ہونے کے اپنے معمولات تھے۔ لہٰذا یہاں دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا کہ وقت بے وقت گھر سے باہر کھڑے ہو کر لوگوں کا آپؐ کو بے باکانہ انداز میں آوازیں دینے کا یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ کسی کو گھر سے باہر بلانے کا یہ انداز اور طریقہ عام معاشرتی آداب کے بھی خلاف ہے۔

آیت ۵ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤﴾ ''اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس نکل کر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ بہر حال اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

چونکہ یہ لوگ آدابِ معاشرت سے ناآشنا ہیں اور یہ خلافِ ادب حرکت وہ جان بوجھ کر نہیں کرتے رہے ہیں اس لیے اپنے گزشتہ طرزِ عمل کے حوالے سے تو انہیں معافی کی توقع رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے، لیکن آئندہ کسی سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہونی چاہیے۔

آیات ۶ تا ۱۰

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا
عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۞ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ
لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ
وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۞
وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا

عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ
اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۰ ع

آئندہ آیات میں آٹھ خصوصی احکام کا ذکر ہے۔ ان میں دو بڑے احکام ہیں اور چھ چھوٹے۔ بڑے اور چھوٹے کی یہ تقسیم میں نے اس بنیاد پر کی ہے کہ ان میں دو احکام ایسے ہیں جن میں سے پہلے حکم کے لیے تین اور دوسرے کے لیے دو آیات مختص کی گئی ہیں' جبکہ بعد کے چھ احکام مجموعی طور پر دو آیات میں بیان ہوئے ہیں' یعنی ان میں سے تین تین احکام کو ایک ایک آیت میں جمع کر دیا گیا ہے۔ ان تمام احکام کا تعلق اسلامی معاشرے اور غلبۂ دین کے لیے کھڑی ہونے والی تنظیم کو مضبوط اور مربوط رکھنے سے ہے۔ اگر کوئی تنظیم خود مضبوط و مربوط نہیں ہوگی تو ظاہر ہے اس کی جدوجہد بھی کمزور اور غیر مؤثر رہے گی۔ بہرحال ان آٹھ احکام میں ایسے اصول دے دیے گئے ہیں جو کسی معاشرے اور جماعت کے لیے مفید ہو سکتے ہیں اور ان باتوں سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے جن سے کسی معاشرہ یا تنظیم کی وحدت میں رخنے پڑ سکتے ہیں۔ دو بڑے احکام میں سے پہلا حکم یہ ہے:

آیت ۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی بڑی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو''

اگر خبر دینے والا شخص تمہارے خیال کے مطابق ''متقی'' نہیں ہے تو اس خبر کے مطابق کوئی اقدام کرنے سے پہلے اچھی طرح سے تحقیق کر لیا کرو۔ ہو سکتا ہے اس نے آپ کو غلط اطلاع دی ہو کہ فلاں قبیلہ تم لوگوں پر حملے کی تیاری کر رہا ہے اور آپ تحقیق کیے بغیر اس قبیلے پر خواہ مخواہ چڑھائی کر دو۔

﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۶﴾ ''مبادا کہ تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی میں اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔''

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ افواہوں کی بنیاد پر کیے گئے اکثر اقدامات سے قوموں اور ملکوں کے مابین بڑے بڑے جھگڑوں نے جنم لیا ہے۔ اس لیے افواہوں کی بنیاد پر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر خبر لانے والا شخص صاحبِ تقویٰ اور قابلِ اعتماد ہو تو دوسری بات ہے۔

آیت ۷ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور جان لو کہ تمہارے مابین اللہ کا رسول موجود ہے۔''

انسانی سطح پر حضور ﷺ کے مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف رشتے تھے۔ مثلاً بعض خواتین کے آپؐ شوہر اور بعض کے باپ تھے۔ مَردوں میں سے بعض کے آپؐ داماد تھے' بعض کے بھتیجے اور بعض کے سسر تھے۔ چنانچہ اس حساس معاملے میں دوٹوک انداز میں متنبہ کر دیا گیا کہ خبردار! تم میں سے کوئی کسی وقت یہ حقیقت نہ بھولنے پائے کہ محمد بن عبداللہ جو تمہارے درمیان موجود ہیں یہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ لہٰذا آپؐ کی یہ حیثیت تم میں سے ہر ایک کے سامنے ہر حال میں مقدم رہنی چاہیے۔ آپؐ کا کوئی رشتہ دار محض اپنے کسی مخصوص رشتے کی بنا پر آپؐ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کا کبھی خیال بھی ذہن میں نہ لائے۔

﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''اگر وہ تمہارا کہنا مانا کریں اکثر معاملات میں تو تم لوگ مشکل میں پڑ جاؤ''

چنانچہ تم ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی مرضی اور منشاء کو پیش نظر رکھا کرو۔ آپؐ سے یہ توقع نہ رکھو کہ آپؐ فیصلے کرتے ہوئے تم لوگوں کی مرضی کا خیال رکھیں گے۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''لیکن (اے نبی ﷺ کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر کھبا دیا ہے''

﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ﴾ ''اور اُس نے تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر، فسق اور نافرمانی کو۔''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾ ''یہی لوگ ہیں جو صحیح راستے پر ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے حوالے سے قرآن کی یہ آیت خصوصی اہمیت اور عظمت کی حامل ہے۔

آیت ۸ ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ﴾ ''اللہ کی طرف سے بہت بڑے فضل اور انعام کی بنا پر۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸﴾ ''اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

اس کے بعد اب دوسرا حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۹ ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ﴾ ''اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔''

اہل ایمان بھی تو آخر انسان ہیں۔ ان کے درمیان بھی اختلافات ہو سکتے ہیں اور کسی خاص صورتِ حال میں اختلافات بڑھ کر جنگ اور قتال پر بھی منتج ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات جنگ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ چنانچہ اگر کہیں ایسی صورت حال پیدا ہو تو امتِ مسلمہ کے تمام افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ متحارب فریقین کے درمیان صلح کروائیں۔ اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ رہے ہوں تو باقی مسلمان خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھ سکتے، کیونکہ اگر ان کے درمیان صلح نہ کرائی گئی تو مسلمانوں کی جمعیت اور طاقت میں رخنہ پڑے گا جس کی وجہ سے بالآخر مسلمانوں کی مجموعی طاقت اور غلبۂ دین کی جدوجہد کو نقصان پہنچے گا۔ اس لحاظ سے کسی بھی ملک یا خطہ کے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کو ختم کرانا باقی مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔

﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾ ''پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کر رہا ہو تو تم جنگ کرو اس کے ساتھ جو زیادتی کر رہا ہے''

اگر فریقین میں صلح کرا دی گئی، لیکن اس کے بعد بھی ان میں سے ایک فریق اس صلح کی پابندی نہیں کر رہا اور دوسرے فریق پر زیادتی کیے جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری اُمت مسلمہ پر زیادتی کر رہا ہے

اور پوری ملت اسلامیہ کو چیلنج کر رہا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں پوری ملت کی ذمہ داری ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف بھرپور طاقت استعمال کرے۔

﴿حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ﴾ "یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔"

﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹﴾ "پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو عدل کے ساتھ اور دیکھو! انصاف کرنا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف طاقت کے استعمال کے دوران تم لوگ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھو۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ طاقت کا یہ استعمال صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی حد تک ہو۔ ظاہر ہے ایک زیادتی کو روکنے کے لیے مزید کسی زیادتی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

آیت ۱۰ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ﴾ "یقیناً تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔"

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰﴾ "اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے، ان دو بڑے احکام کے بعد اب چھ چھوٹے احکام اگلی دو آیات میں جمع کر دیے گئے۔ اس طرح کہ ہر آیت میں تین احکام ہیں۔ کسی معاشرے یا کسی تنظیم کے اندر انفرادی اور اجتماعی سطح پر جہاں بڑے بڑے اختلافات پیدا ہوتے ہیں وہاں ایسی غلط فہمیاں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں جو بظاہر بہت چھوٹی محسوس ہوتی ہیں، لیکن اگر انہیں معمولی سمجھتے ہوئے بروقت ان کا تدارک نہ کیا جائے تو منفی عوامل کی وجہ سے دلوں میں زخم بن جاتے ہیں۔

آیات ۱۱، ۱۲

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۲

آیت ۱۱ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ﴾ "اے اہلِ ایمان! تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں"

ممکن ہے مدمقابل شخص کی کوئی خوبی اس کے ظاہری عیب کے مقابلے میں بہت بڑی ہو۔ مثلاً آپ جس شخص کی بھدی ناک یا چھوٹے کان کا مذاق اڑا رہے ہوں ممکن ہے اس کے دل کا تقویٰ تمہارے تقویٰ کے مقابلے میں دس گنا زیادہ ہو۔ یا ممکن ہے وہ تمہارے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہزار گنا زیادہ محبت کرتا ہو۔

﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ﴾ ''(اسی طرح) عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔''

گویا پہلے حکم میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے حلقوں میں ایک دوسرے کا مذاق اور تمسخر اڑانے سے منع کیا گیا ہے۔ اب اس سلسلے کا دوسرا حکم ملاحظہ ہو:

﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ ''اور اپنے آپ کو عیب مت لگاؤ''

اپنے بھائی بندوں پر عیب لگانے سے منع کرنے کا یہ بہت ہی بلیغ انداز ہے کہ اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ۔ یعنی کسی کو عیب لگانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لو کہ وہ تمہاری اپنی ہی ملت کا ایک فرد ہے اور اپنی ملت کے کسی فرد کو عیب لگانا گویا خود اپنے آپ ہی کو عیب لگانے کے مترادف ہے۔

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ﴾ ''اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے چڑانے والے نام رکھا کرو۔''

یہ تیسرا حکم ہے کہ کسی فرد یا کسی گروہ کے اصل نام کو چھوڑ کر اس کے لیے کوئی ایسا نام نہ رکھ لو جو اسے پسند نہ ہو۔ یہ ایک مذموم اور ناپسندیدہ حرکت ہے۔

﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ﴾ ''ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے۔''

تم تو وہ لوگ ہو جن کے دل ایمان کے نور سے منور ہو چکے ہیں۔ یہ بہت بڑی فضیلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو نوازا ہے۔ ایسے اعلیٰ مقام و مرتبے پر فائز ہو جانے کے بعد ایسی گھٹیا حرکات کا ارتکاب اب تمہارے شایانِ شان نہیں۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪﴾ ''اور جو باز نہیں آئیں گے وہی تو ظالم ہیں۔''

پچھلے فقرے میں معیوب روش کو ترک کرنے کے لیے ترغیب و تشویق کی جھلک تھی جبکہ ان الفاظ میں اس روش سے تائب ہو کر باز نہ آنے والوں کے لیے زجر و توبیخ کا انداز پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص بادیٔ النظر میں مذکورہ برائیوں کو معمولی سمجھے، لیکن کسی معاشرے یا تنظیم میں ایسی برائیوں کا عادتاً رائج ہو جانا انتہائی نقصان دہ ہے۔

گزشتہ آیت میں جن تین برائیوں کا ذکر ہوا ہے ان کا ارتکاب عام طور پر دوسرے فریق کے روبرو کیا جاتا ہے، جبکہ اگلی آیت میں تین ایسے رذائل سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو عموماً کسی فرد کی پیٹھ پیچھے سرزد ہوتے ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''اے اہلِ ایمان! زیادہ گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''

کسی کے بارے میں خواہ مخواہ کوئی بات فرض کر کے یا کسی سنی سنائی بات کو بنیاد بنا کر کوئی برا گمان اپنے دل

میں بٹھالینا اور منفی رائے قائم کر لینا جبکہ متعلقہ شخص نے نہ تو ویسا کوئی اقدام کیا ہو اور نہ ہی اس کے عملی رویے سے ویسی کسی بات کی تصدیق ہوتی ہو' یہ ہے اس گمان کی نوعیت جس سے یہاں منع کیا جا رہا ہے۔ ایسے گمان کو بدگمانی یا سوئے ظن کہا جاتا ہے اور یہ بہتان اور تہمت کے زمرے میں آتا ہے۔

﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''اور ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو''

عام طور پر ریاستی اور حکومتی سطح پر جاسوسی کے باقاعدہ محکمے بھی ہوتے ہیں اور ظاہر ہے ضرورت کے تحت ایسا کوئی محکمہ ایک اسلامی حکومت کے تحت بھی قائم ہو سکتا ہے' لیکن اس حوالے سے جو بات معیوب اور ممنوع ہے وہ افراد کی سطح پر ایک دوسرے کے حالات کے بارے میں خواہ مخواہ کا تجسّس ہے۔ جیسے بعض لوگ عادتاً دوسروں کے معاملات کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور کرید کرید کر جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ فلاں گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ فلاں دو بھائیوں کے معاملات کیا ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ ابھی تک ان میں کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا؟

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ﴾ ''اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔''

اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی غیر حاضری میں اس کی برائی بیان نہ کرے' خواہ وہ برائی اس شخص میں بالفعل پائی بھی جاتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ((ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) ''تمہارا اپنے بھائی کا ذکر اس انداز سے کرنا جسے وہ ناپسند کرے''۔ آپؐ سے پوچھا گیا: ''دیکھئے' اگر میرے بھائی میں وہ برائی واقعتاً پائی جاتی ہو جس کا میں ذکر کرتا ہوں (پھر بھی یہ غیبت ہے)؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ((اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ' وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ))(۱) ''اگر وہ برائی اس میں موجود ہے جس کا تم ذکر کر رہے ہو تو تم نے اُس کی غیبت کی ہے' اور اگر وہ برائی اس میں موجود ہی نہیں تب تو تم نے اس پر بہتان لگا دیا۔''

﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ﴾ ''کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یہ تو تمہیں بہت ناگوار لگا!''

یعنی مُردہ بھائی کے گوشت کھانے والی بات یا مثال سے تو تمہیں بہت گھن محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھو! اگر تم اپنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرتے ہو تو اخلاقی سطح پر یہ حرکت اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے ہی مترادف ہے۔ کیونکہ ایسی حرکت کا ارتکاب کر کے آپ اپنے بھائی کی عزت پر ایسی حالت میں حملہ کرتے ہیں جب وہ اس کا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس کے سامنے اس کی برائی بیان کرتے تو وہ تمہارے الزامات کا ضرور جواب دیتا اور سو طرح سے اپنا دفاع کرتا۔ بہر حال کسی کی عدم موجودگی میں اسے برا بھلا کہنا ایسے ہے جیسے اس کی لاش آپ کے سامنے ہو اور آپ اس کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اللہ توبہ کا بہت قبول فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب تحریم الغیبة' ح ۲۵۸۹۔

اس کے بعد اس سورت کا تیسرا حصہ شروع ہو رہا ہے جو بہت اہم اور عظیم مضامین پر مشتمل ہے۔ یہاں پر ضمنی طور پر یہ نکتہ بھی نوٹ کر لیں کہ گزشتہ بارہ آیات میں اہل ایمان کو پانچ مرتبہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ پورے مکی قرآن میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا صیغہ گویا ہے ہی نہیں۔ بہرحال اب اس مدنی سورت میں بھی خطاب کا رخ نوعِ انسانی کی طرف پھیرا جا رہا ہے:

آیات ۱۳ تا ۱۸

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ط وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ج بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ۱۸ ۲

آیت ۱۳ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی﴾ ”اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے“

تم میں سے چاہے کوئی مومن ہے یا کوئی کافر و مشرک لیکن تم سب آدمؑ اور حوا کی ہی اولاد ہو۔

﴿وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط﴾ ”اور ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔“

ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کی بنا پر اگر تمام انسان ایک رنگ اور ایک جیسی شکل و صورت کے حامل ہوتے تو ان کی پہچان مشکل ہو جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور پھر انہیں رنگ، نسل، زبان وغیرہ کی بنیاد پر مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ کروڑوں، اربوں انسانوں کی پہچان اور تعارف میں کسی سطح پر کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

یہاں دراصل اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ انسانوں کے درمیان رنگ و نسل کا فرق اور اقوام و قبائل میں ان کی تقسیم اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز و تفریق کے لیے نہیں بلکہ ان کی باہمی جان پہچان اور تعارف کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اس مضمون کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

((یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ ' اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی)) (۱)

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ' یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔''

ایچ جی ویلز (۱۸۶۶ء۔۱۹۴۶ء) اپنی کتاب ''A Concise History of the World'' میں حضورﷺ کے خطبہ مبارک کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد گھٹنے ٹیک کر آپؐ کو خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ چنانچہ عیسائی ہونے کے باوجود اُس نے لکھا ہے:

''اگرچہ انسانی اخوت' مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے اور ایسے وعظ ہمیں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محمد (ﷺ) ہی تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی بار ان اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کیا۔''

H.G.Wells کے اس تبصرے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ حضورﷺ کا بہت بڑا مداح تھا' بلکہ اس نے اپنی اسی کتاب میں حضورﷺ کی شخصیت پر بہت رکیک حملے بھی کیے ہیں۔ اس حوالے سے اس کا انداز سلمان رشدی ملعون سے ملتا جلتا ہے' لیکن اپنے تمام تر تعصب کے باوجود اسے حضورﷺ کے حوالے سے تاریخ کی یہ عظیم حقیقت تسلیم کرنا پڑی۔ مقامِ افسوس ہے کہ بعد کے ایڈیٹرز نے مصنف کے اس اعترافی بیان کو مذکورہ کتاب سے خارج کر دیا ہے۔ اس لیے مذکورہ اقتباس کی تصدیق کے خواہش مند حضرات کو کسی لائبریری سے اس کتاب کا کوئی پرانا ایڈیشن تلاش کرنا پڑے گا۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ﴾ ''یقیناً تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا' ہر چیز سے باخبر ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ﴾ ''یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔''

﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ ''(اے نبیﷺ ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں''

''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' میں نفی جحد بِلَمْ کا نہایت مؤکد اسلوب ہے' یعنی یہاں مضارع سے پہلے لَمْ تاکیدی نفی کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ ''لَمْ تُؤْمِنُوْا'' میں جو خاص تاکید پائی جاتی ہے وہ ''مَا اٰمَنْتُمْ'' جیسے الفاظ میں نہیں۔

﴿وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ﴾ ''اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اس آیت میں جو نکتہ بیان ہوا ہے وہ اسلامی معاشرے کی رکنیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کے لیے

(۱) مسند احمد' کتاب باقی مسند الانصار' باب حدیث رجل من اصحاب النبی' ح ۲۲۹۷۸۔ عن ابی نضرۃؓ

بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ایمان دراصل ایک نظریے کا نام ہے جو دل کے اندر چھپا ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی بھی طریقے یا ذریعے سے کسی شخص کے ایمان کی تصدیق یا تردید نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسلامی معاشرے کے افراد یا اسلامی ریاست کے شہریوں کی قانونی حیثیت کا تعین ''اسلام'' کی بنیاد پر ہو گا نہ کہ ''ایمان'' کی بنیاد پر۔ البتہ آخرت میں اللہ کے ہاں ہر شخص کے معاملات کا فیصلہ ایمان کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے ہاں مردم شماری کے فارم کے اندر مذہب کے خانے میں کسی کے لیے ''مسلم'' کا لفظ لکھ دینے سے متعلقہ شخص کو قانونی طور پر تو مسلمان تسلیم کر لیا جائے گا لیکن دنیا میں قانونی طور پر مسلمان بن جانے سے اللہ کے ہاں چھوٹ نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کے دل میں ایمان کی کیفیت کو دیکھے اور پرکھے گا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ))[1] ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا' بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے''۔ چنانچہ دُنیوی قانون کے تقاضوں اور نجاتِ اُخروی کے حوالے سے ایمان اور اسلام کے فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

﴿وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ط﴾ ''لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں کرے گا۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربان ہے۔''

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اعمال کا دارومدار ایمان پر ہے' یعنی جب تک کسی کے دل میں ایمان نہیں اللہ کے ہاں اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے' اس نے اپنی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل تم لوگوں کو خصوصی رعایت عطا کی ہے' چنانچہ اگرچہ تم نے ایمان کا ابھی صرف زبانی اقرار ہی کیا ہے اور یہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں راسخ نہیں ہوا' پھر بھی اس اقرار کے بعد اگر تم لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو شرفِ قبولیت بخشتا رہے گا۔ اس حوالے سے یہ اہم قانونی اور اصولی نکتہ ضرور مدنظر رہنا چاہیے کہ یہاں جس اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد کُلّی اطاعت ہے۔ کیونکہ ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ص﴾ (البقرۃ: ۲۰۸) کے واضح حکم کے بعد اسلام میں جزوی داخلہ اور اللہ تعالیٰ کی جزوی اطاعت قابل قبول ہی نہیں۔

آیت زیر مطالعہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں ایمان کو اسلام سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں مسلمانوں کے ایک گروہ کو واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ تا حال ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ بھی ہوا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے' حالانکہ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ منافقین کا تو کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں' جبکہ یہاں متعلقہ لوگوں کو یقین دہانی کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اس حکم کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے ان حالات کے بارے میں جاننا

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب تحریم الظلم وخذلہ واحتقارہ……

ضروری ہے جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جزیرۃ العرب میں غلبہ عطا فرما دیا تو کفار و مشرکین کے تمام قبائل پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اب ان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رہی۔ دوسری طرف سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں ان کے لیے یہ الٹی میٹم بھی نازل ہو چکا تھا: ﴿فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ﴾ (آیت ۵) ''اور جب یہ محترم مہینے گزر جائیں تو قتل کرو ان مشرکین کو جہاں پاؤ' اور پکڑو ان کو اور گھیراؤ کرو ان کا' اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو''۔ ۹ ہجری کے حج کے موقع پر یہ الٹی میٹم ہر خاص و عام تک پہنچا بھی دیا گیا تھا۔ اس کے بعد متعلقہ لوگوں کے پاس صرف چار ماہ کا وقت تھا۔ ان حالات میں ان قبائل کے پاس اطاعت قبول کرنے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہی راستہ اپنایا اور حضور ﷺ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے آپؐ کی خدمت میں اپنے اپنے وفد بھیجنے شروع کر دیے۔ اس طرح اس سال مدینہ میں وفود کا تانتا بندھ گیا۔ گویا ہر قبیلہ اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کے لیے دوسروں پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ اس صورت حال کا نقشہ سورۃ النصر میں یوں دکھایا گیا ہے: ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾﴾

اطاعت قبول کرنے والے ان لوگوں میں تین طرح کے افراد تھے۔ کچھ تو ظاہر ہے خلوصِ نیت سے ایمان لانے والے تھے اور کچھ منافق اور دھوکہ باز جو ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن ان دو اقسام کے درمیان تیسری قسم کے کچھ لوگ بھی تھے' جن کے دلوں میں نہ تو دھوکے کی نیت تھی اور نہ ہی ایمان لانے کا سچا جذبہ تھا۔ یعنی وہ مثبت اور منفی دو انتہاؤں کے درمیان ''زیرو پوائنٹ'' پر کھڑے تھے۔ آیت زیر مطالعہ میں دراصل ان ہی لوگوں کا ذکر ہے۔ ان لوگوں کو نہ صرف اطمینان دلایا گیا کہ اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی' بلکہ آگے آیت ۱۷ میں انہیں خوشخبری بھی سنا دی گئی کہ اگر تم خلوصِ دل سے اطاعت کے اس راستے پر چلتے رہو گے تو تمہارے دلوں میں سچا اور حقیقی ایمان بھی پیدا ہو جائے گا۔

دراصل ایمانِ حقیقی اور عملِ صالح باہم لازم و ملزوم ہیں۔ ایک طرف دل میں ایمانِ حقیقی کی موجودگی اگر اعمالِ صالحہ کے صدور کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف اعمالِ صالحہ کی مداومت بھی ایمان کی تقویت کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اس حوالے سے ٹھوس نتائج کے لیے دل میں مضبوط ارادے اور نیت کا موجود ہونا ناگزیر ہے۔ یعنی دل میں پختہ نیت ہو کہ مجھے ایک سچا اور پکا مؤمن بننا ہے' مؤمن بن کر جینا ہے اور مؤمن کی حیثیت سے اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ لیکن اس ضمن میں اس تلخ حقیقت کو بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ آج کل کے ماحول میں اول تو ایسی نیت یا آرزو کا دل میں پیدا ہونا ہی مشکل ہے' اور اگر کسی دل میں یہ آرزو پیدا ہو ہی جائے تو اس کا زندہ رہنا محال ہے۔ کیونکہ آج کا معاشرہ اور خارج کا موجودہ ماحول ایسی مثبت سوچ کو غذا فراہم نہیں کرتا اور ظاہر ہے جس ماحول میں آکسیجن نہیں ہوگی وہاں کوئی متنفس کیسے زندہ رہ سکے گا۔ اقبال نے اس

صورت حال کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: ؎

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یا رہتی ہے خام!

بلکہ ہمارا موجودہ معاشرہ تو اس حوالے سے منفی کردار کے لیے غیر معمولی طور پر حساس اور فعال ہے۔ ایسی کوئی آرزو کسی دل میں ابھی پوری طرح آنکھیں بھی نہیں کھولنے پاتی کہ ماحول کی تمام منفی قوتیں اپنے اپنے ہتھیار سجا کر اس جانِ ناتواں کے محاصرے کے لیے پہنچ جاتی ہیں۔ اس میں سب سے مؤثر کردار ''اپنوں'' کی ایسی نصیحتوں کا ہوتا ہے کہ دیکھو اپنے گھربار کی بھی کچھ فکر کرو! کیوں تم اپنا بنا بنایا کیریئر تباہ کرنے پر تُل گئے ہو؟ کیا تمہیں اپنے مستقبل اور اپنے بیوی بچوں کا بھی خیال نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس دباؤ کا فطری اور منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ ''نوزائیدہ آرزو'' لحہ بہ لحہ کمزور ہونے لگتی ہے اور بالآخر سسک سسک کر دم توڑ جاتی ہے' اِلا یہ کہ کسی کے ارادے میں غیر معمولی خلوص واستقامت ہو اور اللہ کی خصوصی توفیق ونصرت بھی اس کے شاملِ حال ہو۔

بہر حال آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے یہ بحث تو اسلام اور ایمان کے فرق سے متعلق تھی۔ لیکن اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ حقیقی مومن کسے کہتے ہیں تو وہ ''مؤمن'' کی اس تعریف (definition) کو اپنے پیشِ نظر رکھے جو اگلی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ (اس مضمون کی وضاحت قبل ازیں سورۃ الانفال کی آیات ۲' ۳ اور ۴ ۷ کے ضمن میں بھی کی جا چکی ہے۔)

آیت ۱۵ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا﴾ ''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر' پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے''

یعنی ایسے لوگوں کا ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو کر یقین کی ایسی صورت اختیار کر گیا ہے کہ ان کے دلوں کے اندر شک کی کوئی گنجائش رہی ہی نہیں۔ جیسے قبل ازیں آیت ۷ میں صحابہؓ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ﴾ ''لیکن (اے نبی ﷺ کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر رچا بسا دیا ہے۔''

جب تک ایمان دل میں راسخ نہیں ہوا اور ابھی صرف زبان پر ہے (آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ......) تو یہ اسلام ہے۔ اسی لیے اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر بتائی گئی ہے: (بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ......الحدیث) ان میں یقین قلبی شامل نہیں ہے' بلکہ نظریاتی طور پر صرف توحید ورسالت کی گواہی دے کر اور اس کے بعد نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کا التزام کر کے اسلام کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایمان اس سے اوپر کی منزل ہے۔ گویا مذکورہ پانچ شرائط (پہلی شرط کا تعلق نظریے سے جبکہ باقی چار کا تعلق عمل سے ہے) پوری کر کے جو شخص ''مسلمان'' ہو گیا اسے ''مؤمن'' بننے کے لیے کچھ اضافی شرائط بھی پوری کرنا ہوں گی اور آیت زیر مطالعہ کی رو سے یہ اضافی دو شرائط ہیں' یعنی ''شہادت'' کے ساتھ یقین قلبی (لَمْ یَرْتَابُوْا) کی کیفیت کا اضافہ ہوگا اور اعمال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا:

﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی

جائوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔''

گویا کسی شخص کو ''حقیقی مؤمن'' بننے کے لیے مذکورہ ساتوں شرائط پوری کرنا ہوں گی۔ پہلی پانچ شرائط ''اسلام'' میں داخل ہونے کے لیے جبکہ آخری دو شرائط ''ایمان'' کی منزل حاصل کرنے کے لیے۔ اسلام اور ایمان کے اس فرق کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک مومن لامحالہ ''مسلم'' تو ہوگا ہی لیکن ہر ''مسلم'' مؤمن نہیں ہو سکتا۔

اسلام اور ایمان کی اس بحث میں لائق توجہ نکتہ یہ ہے کہ زبان سے: ''آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ...... '' کا دعویٰ کرنا تو آسان ہے مگر دل میں حقیقی ایمان پیدا کرنا اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی ''ایمانی کیفیت'' کا جائزہ لیتا رہے۔ خصوصی طور پر اس حوالے سے یہ حقیقت تو ہمیں کسی لمحے بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہم باطل نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس حالت میں اگر ہم اس نظام کو ذہنی طور پر قبول کر کے اس کی چاکری کرنا شروع کر دیں گے، یعنی اس نظام کے تحت اپنی معیشت کی ترقی اور اپنے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگ جائیں گے تو ایسی صورت میں ہمیں اپنے ایمان کی خبر لینے کی ضرورت ہوگی۔

دراصل کسی ملک یا معاشرے میں غلبہ باطل کی صورت میں ایک بندۂ مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اس نظام کے تحت حالت احتجاج میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ اور ((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ))(۱) کے مصداق باطل نظام کے تحت وہ ایسے رہے جیسے ایک قیدی جیل کے اندر رہتا ہے۔ یعنی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے میں وہ اپنی کم سے کم توانائی صرف کرے اور ان ضروریات کو بھی کم سے کم معیار (subsistance level) پر رکھے، جبکہ اپنا باقی وقت اور اپنی بہترین صلاحیتیں نظام باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد میں کھپا دے۔ ع ''گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!'' اگر باطل نظام کے تحت رہتے ہوئے ایک مردِ مسلمان کی زندگی کے شب و روز کا نقشہ ایسا نہیں تو بے شک قانونی طور پر وہ اپنے ملک کا ایک مسلمان شہری ہے، اپنے مسلمان باپ کی وراثت کا حقدار ہے، مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس طرح کے دوسرے تمام قانونی حقوق سے بھی مستفید ہو سکتا ہے، لیکن ایسا ''مسلمان'' اللہ کے ہاں ''مؤمن'' شمار نہیں ہو سکتا۔

اس آیت کے بارے میں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ اس کا آغاز ''اِنَّمَا'' سے ہو رہا ہے اور آخر پر ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی آیت کا آغاز بھی اسلوبِ حصر سے ہو رہا ہے اور اختتام پر بھی اسلوبِ حصر آیا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ مؤمن تو ہیں ہی صرف وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان نے ''یقین'' کی شکل اختیار کر لی اور پھر انہوں نے اپنے جان و مال کو اللہ کی راہ میں کھپا دیا۔ اور صرف یہی لوگ ہیں

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزھد، عن ابی ھریرۃ ﷛، ح: ۲۹۵٦۔

جو اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنھُمْ' اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنھُمْ۔ آمین' ثم آمین!

آیت کے آخر میں ان مؤمنین کو جو سرٹیفکیٹ (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ) عطا ہوا ہے اس کی اہمیت کو سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۹ کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت میں اہل ایمان کو صادقین کے ساتھ شامل ہونے (کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ) کا حکم دیا گیا ہے' جبکہ آیت زیر مطالعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''صادقین'' کون ہیں۔ اس نکتے کو اس طرح سمجھیں کہ آیت زیر مطالعہ میں مؤمنینِ صادقین کی دو نشانیاں (ایمان حقیقی اور جہاد فی سبیل اللہ) ہماری راہنمائی کے لیے بتائی گئی ہیں کہ مسلمانو! اٹھو' اس ''چراغ'' کی روشنی میں ''مؤمنینِ صادقین'' کو تلاش کرو اور پھر ان کے مشن کی جدوجہد میں ان کے دست و بازو بن جاؤ! حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ ، لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ، حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ))(۱) ''میری اُمت میں سے ایک گروہ اللہ کے حکم کو قائم کرنے والا ہمیشہ موجود رہے گا۔ ان کا ساتھ چھوڑ دینے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا' اور وہ اسی پر قائم ہوں گے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''مؤمنین صادقین'' آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں تلاش کریں اور ﴿کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں تاکہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ﴾ (الفتح:۲۹) کی طرز پر ایک مضبوط ''حزب اللہ'' تشکیل پا سکے۔ ظاہر ہے افراد کے اتحاد کے بغیر نہ تو کوئی جمعیت وجود میں آ سکتی ہے' نہ اقامتِ دین کی جدوجہد آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ ہی ''اظہارِ دینِ حق'' کی شانِ تکمیلی کا ظہور ممکن ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ ط﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے: کیا تم اللہ کو جتلانا چاہتے ہو اپنا دین؟''

مثل مشہور ہے ''تھوتھا چنا باجے گھنا''۔ یعنی جو برتن خالی ہو گا وہ کھنکھنانے پر بھرے ہوئے برتن کی نسبت زیادہ آواز دے گا۔ ان لوگوں کے دل چونکہ حقیقی ایمان سے خالی تھے اس لیے وہ اپنے ایمان کا بڑھ چڑھ کر پرچار کرتے تھے اور حضور ﷺ پر احسان دھرتے تھے کہ دیکھیں! ہم تو لڑے بھڑے بغیر اسلام لے آئے ہیں' اس لیے اب ہمارے حقوق بھی زیادہ ہونے چاہئیں۔

﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط﴾ ''اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾﴾ ''اللہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

اگر حقیقی ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو انہیں یہ بھی یقین ہوتا کہ اللہ عالم الغیب ہے' دنیا و مافیہا کی ہر چیز اس کے علم میں ہے' اس لیے اس کے سامنے کسی کو اپنے ایمان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب سؤال المشرکین ان یریھم النبی آیۃ فاراھم انشقاق' ح ۳۶۴۱۔

آیت ۱۷ ﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں!''

﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ﴾ ''ان سے کہیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو۔''

﴿بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑰﴾ ''بلکہ اللہ تم پر احسان دھرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کے راستے پر ڈال دیا ہے' اگر تم سچے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق دی کہ تم اسلام لے آئے۔ ابھی تم لوگ ایمان کے راستے پر آئے ہو۔ اگر تم اپنے اسلام کے دعوے میں سچے ہو گے' نماز کی پابندی کرو گے' رمضان کے روزے رکھو گے' زکوٰۃ ادا کرو گے اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرو گے تو ان اعمال کی نورانیت سے تمہارے دلوں کے اندر ایمان بھی پیدا ہو جائے گا۔ اس آیت میں اسلام اور ایمان کا فرق بہت واضح ہو گیا ہے۔ متعلقہ لوگوں کے دعوے کے حوالے سے یہاں دو دفعہ اسلام کا لفظ آیا ہے۔ لیکن بعد میں جب اللہ کی توفیق کے حوالے سے بات ہوئی ہے تو ایمان کا ذکر کیا گیا ہے: ﴿بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ یعنی یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں اسلام لانے کی توفیق دی اور یوں اس نے تمہیں ایمان کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ اگر تم صدق دل سے اسلام لائے ہو تو یہ شاہراہ ضرور تمہیں ایمان کی منزل تک لے جائے گی۔ لیکن اگر تم منافق ہو یا صرف جان بچانے کے لیے اسلام کی پناہ میں آئے ہو تو قانونی طور پر بے شک تمہارا شمار مسلمانوں میں ہو جائے گا لیکن اللہ کے ہاں نہ تمہارا اسلام قبول ہو گا اور نہ ایمان۔

جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہوا ہے' اس ضمن میں قانون یہی ہے کہ جو کوئی بھی زبان سے توحید و رسالت کی گواہی دے کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے گا اسے مسلمان تسلیم کر لیا جائے گا۔ اسی قانون کے تحت غزوۂ تبوک تک تمام منافقین کو بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ البتہ غزوۂ تبوک کے بعد ان کی منافقت کا پردہ چاک کیا گیا اور ان کی بنائی ہوئی مسجد (مسجد ضرار) بھی گرا دی گئی۔

آیت ۱۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱﴾ ''یقیناً اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے بھی دیکھ رہا ہے۔''

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظیم، ونفعنی وایّاكم بالآیات والذكر الحكیم○○